ماہنامہ فیضانِ مدینہ
جنوری 2017ء

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

گاہک سوٹ سینے کے لئے دے جائے لیکن واپس نہ آئے تو درزی کیا کرے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری درزی کی دکان ہے۔ بعض اوقات ہمیں گاہک سوٹ سلائی کروانے کے لئے دے کر چلے جاتے ہیں پھر واپس لینے نہیں آتے اور اس طرح دو دو، تین تین سال گزر جاتے ہیں۔ ہمارے لئے شریعت کا کیا حکم ہے جبکہ اس میں ہماری محنت بھی ہے اور اخراجات بھی؟

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم هداية الحق والصواب

پوچھی گئی صورت میں آپ اجیرِ مشترک[1] ہیں اور اجیرِ مشترک کے پاس جو لوگ کام لے کر آتے ہیں اس کی شرعی حیثیت امانت اور ودیعت کی ہے جس کا حکم یہ ہے کہ جب تک اس چیز کا مالک نہیں آتا اس کی حفاظت کریں، اسے بیچنے یا صدقہ کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ نیز اسے اپنی اجرت میں شمار کرنا بھی آپ کے لئے جائز نہیں کیونکہ اجرت کے مستحق ہونے کے لئے اس چیز کا مالک کو سپرد کرنا ضروری ہے تو جب تک مالک نہ آجائے اور وہ چیز اسے دے نہ دیں کچھ وصول نہیں کرسکتے۔ مشورہ: ہر آنے والے گاہک سے اس کا ایڈرس اور فون نمبر ضرور معلوم کرلیا کریں تاکہ وقتِ ضرورت رابطہ کیا جاسکے۔ وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

(1) اجیرِ مشترک وہ ہے: جس کے لیے کسی وقت خاص میں ایک ہی شخص کا کام کرنا ضروری نہ ہو اُس وقت میں دوسرے کا بھی کام کرسکتا ہو، جیسے دھوبی، خیاط (درزی)۔ (بہارشریعت، حصہ 14، ج3، ص155)

موبائل کمپنی سے ایڈوانس بیلنس حاصل کرنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ موبائل کمپنیاں مختلف قسم کے پیکیجز دیتی رہتی ہیں تاکہ لوگ ان کی طرف مائل ہوں، ان ہی میں سے ایک پیکیج لون (Loan) کا بھی ہے۔ اس کا طریقۂ کار یہ ہوتا ہے کہ اگر آپ کے پاس بیلنس ختم ہوگیا ہے تو کمپنی یہ آفر کرتی ہے کہ آپ لون لے لیں پھر جب آپ موبائل میں بیلنس ڈلوائیں گے تو ہم نے جتنے دیئے ہیں وہ اور اتنے اوپر مزید کاٹ لیں گے اور یہ بات کسٹمر کو معلوم ہوتی ہے اور کسٹمر راضی ہو کر لون لیتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس میں زیادہ پیسے کاٹنا شرعاً جائز ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں یہ سود ہے کیا یہ بات درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم هداية الحق والصواب

مذکورہ معاملہ ہرگز سود نہیں بلکہ ایک جائز طریقہ ہے کیونکہ یہ اجارہ ہے قرض نہیں کہ یہاں کمپنی سے پیسے وصول نہیں کئے جارہے بلکہ اس کی سروس استعمال کی جارہی ہے۔ عمومی طور پر کمپنی پہلے پیسے لے لیتی ہے اور پھر سروس فراہم کرتی ہے جبکہ پوچھی گئی صورت میں کمپنی پہلے سروس فراہم کررہی ہے اور پھر پیسے وصول کررہی ہے اور یہ دونوں طریقے جائز ہیں یعنی منفعت فراہم کرنے سے پہلے عوض لے لینا بھی درست ہے اور منفعت فراہم کرنے کے بعد عوض لینا یہ بھی

درست ہے۔ اگرچہ پہلی صورت میں عوض کم وصول کیا جارہا ہے اور دوسری صورت میں عوض زیادہ لیا جارہا ہے اور کمپنی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ پیشگی سروس عام ریٹ سے ہٹ کر کچھ زیادہ قیمت پر فراہم کرے جیسے نقد و اُدھار کی قیمتوں میں فرق کرنا جائز ہوتا ہے نیز صارف کو بھی یہ بات معلوم ہے کہ بعد میں ادائیگی کی صورت میں یہ سروس مجھے عام قیمت سے ہٹ کر کچھ زیادہ قیمت پر فراہم کی جائے گی اور وہ اس بات پر راضی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

البتہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس سہولت کو لون (Loan) کا نام نہ دیا جائے کیونکہ اس سے یہ شبہ لاحق ہوتا ہے کہ کمپنی قرض دے کر اس پر نفع وصول کررہی ہے اور بعض لوگوں نے اسے سود سمجھ بھی لیا حالانکہ اس کو سود سمجھنا غلط ہے کیونکہ کمپنی یہاں پیسے نہیں بلکہ سروس دے رہی ہے۔

تنویر الابصار میں ہے: ”تملیک نفع بعوض“ یعنی کسی شے کے نفع کا عوض کے بدلے مالک بنادینا اجارہ ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار، 9/32 مطبوعہ کوئٹہ)

ہدایہ میں ہے: ”تستحق باحدی معانی ثلاثۃ اما بشرط التعجیل او بالتعجیل من غیر شرط او باستیفاء المعقود علیہ“ یعنی تین میں سے ایک صورت کے پائے جانے سے موٴجر اجرت کا مستحق ہوگا، پہلے دینے کی شرط کرلے، یا بغیر شرط کے پہلے اجرت وصول کرلے یا مستاجر، اجارہ پر لی گئی چیز سے فائدہ اُٹھالے۔ (ہدایہ، 3/297 مطبوعہ کراچی)

امام کمال الدین ابن ہمام رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: ”الثمن علی تقدیر النقد الفا وعلی تقدیر النسیئۃ الفین لیس فی معنی الربا“ ترجمہ: نقد کی صورت میں ثمن ایک ہزار ہونا اور اُدھار کی صورت میں دوہزار ہونا سود کے حکم میں نہیں۔ (فتح القدیر، 6/81 مطبوعہ کوئٹہ)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

خوشخبری

دعوت اسلامی کے شعبے **”دار الافتاء اہل سنت“** کی مزید ایک شاخ کا افتتاح جامع مسجد فیض مدینہ کریلا اسٹاپ نارتھ کراچی سے متصل مدرسۃ المدینہ میں 8 ذوالقعدۃ الحرام 1437ھ / 11 اگست 2016ء سے ہوگیا ہے۔ افتاء مکتب باب المدینہ کراچی کو شمار کرتے ہوئے پاکستان میں یہ دار الافتاء اہل سنت کی بارہویں شاخ ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ۔

فون کے ذریعے رہنمائی: دار الافتاء اہل سنت سے شرعی رہنمائی حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ فون سروس بھی ہے۔ پاکستان کے چار نمبروں کے ساتھ ساتھ، افریقہ، امریکہ، یوکے اور آسٹریلیا کے لیے لوکل نمبرز بھی موجود ہیں۔ ان تمام نمبروں پر دنیا بھر کے مسلمان رابطہ کرسکتے ہیں، البتہ جن ممالک کے نمبرز ہیں ان کے لیے یہ سہولت لوکل ریٹ پر میسر ہے۔

دار الافتاء اہل سنت کے فون نمبرز اور میل ایڈریس

فون سروس کے اوقات کار			
	0220113-0300	0220112-0300	بالخصوص پاکستان اور دنیا بھر کیلئے
4pm to 10 am (وقفہ 1 تا 2، جمعۃ المبارک تعطیل)	0220113-0300	0220112-0300	بالخصوص پاکستان اور دنیا بھر کیلئے
پاکستانی اوقات کے مطابق 2pm تا 7pm (علاوہ نماز کے اوقات)	2692 318 121 0044		بالخصوص یوکے اور دنیا بھر کیلئے
پاکستانی اوقات کے مطابق 2pm تا 7pm (علاوہ نماز کے اوقات)	92 200 8590 0015		بالخصوص امریکہ اور دنیا بھر کیلئے
پاکستانی اوقات کے مطابق 2pm تا 7pm (علاوہ نماز کے اوقات)	5691 813 31 0027		بالخصوص افریقہ اور دنیا بھر کیلئے
پاکستانی اوقات کے مطابق 2pm تا 7pm (علاوہ نماز کے اوقات)	426 58 00 28 0061		بالخصوص آسٹریلیا اور دنیا بھر کیلئے
Email:darulifta@dawateislami.net			

منجانب مجلس افتاء (دعوتِ اسلامی)

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

سودے میں قیمت طے کرنے کی اہمیت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے بکر کو موبائل اس طرح فروخت کیا کہ میرے کاروبار میں منافع ہوا تو یہ 60 عمانی ریال کا ہے اور نہیں ہوا تو 100 ریال کا، بکر 60 ریال دے چکا ہے اب تک منافع نہیں ہوا۔ اس بیع کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم
ھدایۃ الحق والصواب

جواب: خرید و فروخت کے صحیح ہونے کے بنیادی اصولوں میں ثمن (Price) کا معلوم ہونا بھی ہے کہ عقد (Agreement/Deal) ہوتے وقت لازمی طور پر قیمت (Price) کا تعین (Determine) ہو جائے۔ اگر سودا ہو جائے لیکن قیمت (Price) میں جہالت (Confusion) باقی رہے تو شریعتِ مطہرہ اس عقد کو فاسد قرار دیتی ہے۔ پوچھی گئی صورت میں کی گئی خرید و فروخت جائز نہیں کہ یہاں قیمت (Price) میں جہالت (Confusion) پائی جا رہی ہے جس کی وجہ سے یہ عقد فاسد یعنی غیر شرعی ہے اور اس کا توڑنا واجب ہے۔ فتاویٰ شامی میں بیع کے صحیح ہونے کی شرائط میں ہے: ''وَمَعْلُوْمِيَّةُ الثَّمَنِ بِمَا يَرْفَعُ الْمُنَازَعَةَ'' ترجمہ: اور ثمن کا اس طرح معلوم ہونا کہ جھگڑا نہ ہو سکے۔ (فتاویٰ شامی، 14/7)

صدرُ الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بہارِ شریعت میں بیع (Selling Deal) کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بیان کرتے ہیں: ''مبیع (Merchandise) و ثمن (Price) دونوں اس طرح معلوم ہوں کہ نزاع (جھگڑا) پیدا نہ ہو سکے اگر مجہول ہوں کہ نزاع ہو سکتی ہو تو بیع (Selling Deal) صحیح نہیں مثلاً اس ریوڑ میں سے ایک بکری بیچی یا اس چیز کو واجبی دام پر بیچا یا اس قیمت پر بیچا جو فلاں شخص بتائے۔

(بہارِ شریعت، 617/2 مکتبۃ المدینہ)

وَاللہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

جانداروں کی شکل والے کھلونوں کی خرید و فروخت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل مارکیٹ میں بچوں کے لئے مختلف جانوروں کی شکلوں کے کھلونے ملتے ہیں جو کہ پلاسٹک، لوہے اور پیتل سے بنے ہوتے ہیں کیا بچوں کے لئے یہ کھلونے خریدنا اور بچوں کا ان سے کھیلنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم
ھدایۃ الحق والصواب

جواب: پوچھی گئی صورت میں یہ کھلونے خریدنا بھی جائز ہے اور بچوں کا ان سے کھیلنا بھی جائز ہے، لیکن ایک بات کا ضرور خیال رکھا جائے کہ وہ کھلونے نہ خریدے جائیں جن میں میوزک جیسی نحوست ہوتی ہے۔ ردّالمحتار میں کھلونے کے متعلق خاتَمُ المُحَقِّقِین علامہ ابنِ عابدین شامی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ لکھتے ہیں: لَوْ كَانَتْ مِنْ خَشَبٍ أَوْ صُفْرٍ جَازَ ترجمہ: کھلونے اگر لکڑی یا پیتل کے ہوں تو ان کو خریدنا جائز ہے۔

(ردالمحتار، 505/7)

صدرُ الشریعہ بدرُ الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فتاوٰی امجدیہ میں لکھتے ہیں: "لوہے، پیتل، تانبے کے کھلونوں کی بیع (Sale Agreement) جائز ہے کہ یہ چیزیں مالِ متقوم (وہ مال جس سے نفع اٹھانا جائز ہو) ہیں۔" (فتاوٰی امجدیہ، 4/232)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: "معلوم ہوا کہ ان کا تصویر ہونا وجہِ عدمِ جوازِ بیع (Reason Of Impermissibility of deal) نہیں۔" (فتاوٰی امجدیہ، 4/233)

مزید فرماتے ہیں: "رہا یہ امر کہ ان کھلونوں کا بچوں کو کھیلنے کے لئے دینا اور بچوں کا ان سے کھیلنا یہ ناجائز نہیں کہ تصویر کا بروجہِ اعزاز (As Respect) مکان میں رکھنا منع ہے نہ کہ مطلقاً یا بروجہ اہانت بھی۔" (فتاوٰی امجدیہ، 4/233)

وَاللہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

تصاویر والی اشیاء کی خرید و فروخت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ جن چیزوں پر تصویریں چَھپی ہوں مثلاً صابن وغیرہ ان کو خریدنا کیسا؟

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم هداية الحق والصواب

جواب: سوال میں بیان کردہ چیزوں کا خریدنا بلاشبہ جائز ہے کیونکہ خریدنے والے کا مقصود چیز خریدنا ہوتا ہے نہ کہ تصویر۔ جیسا کہ مفتی وقارُ الدین رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ تصویر والی کتب کی خرید و فروخت کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "صورتِ مسئولہ میں ان کتابوں کو بیچنا جائز ہے کہ یہ کتابوں کی خرید و فروخت کرنا ہے نہ کہ تصاویر کی۔ البتہ علیحدہ سے تصویر کا بیچنا حرام ہے۔" (وقار الفتاوٰی، 1/218)

تنبیہ: دکاندار پر لازم ہے کہ جن اشیاء پر عورتوں کی تصاویر ہوتی ہیں ان کو نمایاں کرنے سے اجتناب کرے۔

وَاللہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

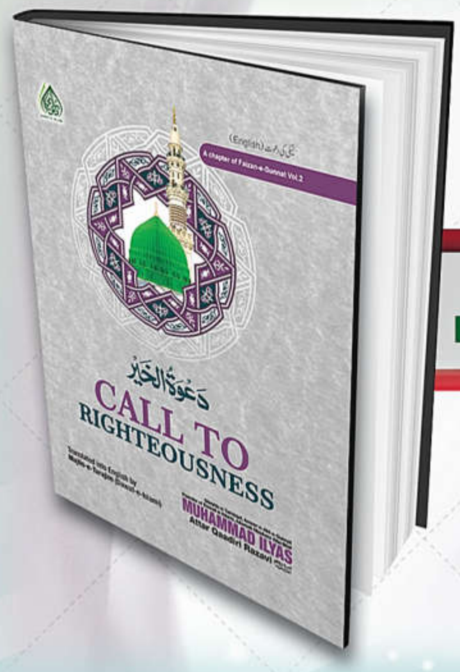

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ A famous book 'Nayki ki Da'wat' titled 'Call to Righteousness' authored in Urdu by Shaykh-e-Tareeqat, Ameer-e-Ahl-e-Sunnat 'Allamah Maulana Abu Bilal Muhammad Ilyas Attar Qaadiri Razavi دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ and translated into English by Majlis-e-Tarajim is under printing and will be available soon. This book is available in the following languages at www.dawateislami.net

Call to Righteousness

- Arabic
- Urdu
- English
- Bengali
- Luganda
- Tamil
- Hindi
- Gujarati
- Pashto
- Sindhi
- Roman Urdu

درزی کے پاس بچے ہوئے کپڑے کے بارے میں حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ میرا بھائی درزیوں کا کام کرتا ہے، گاہک سوٹ کے حساب سے کپڑا دے کر جاتے ہیں، اور وہ اپنی کاریگری سے کاٹ کر اس میں سے کچھ نہ کچھ کپڑا بچا لیتا ہے، اور بعض اوقات ایک ہی گھر کے کئی جوڑے ایک ہی تھان سے ہوتے ہیں، اگر ان کو احتیاط سے کاٹا جائے تو ان سے زیادہ کپڑا بچ جاتا ہے جو بآسانی استعمال میں لایا جا سکتا ہے یعنی اس سے چھوٹے بچوں کا ایک آدھ سوٹ بن جاتا ہے، کیا یہ بچا ہوا کپڑا ہم اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں، برائے کرم شرعی رہنمائی فرمائیں؟ سائل: اکبر علی لودھی (نیو بہگام، گوجر خان ضلع راولپنڈی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ

اَللّٰهُمَّ هِدَایَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

صورتِ مسئولہ میں آپ کا بھائی اجیر مشترک[1] (اس کی وضاحت حاشیے میں پڑھئے) ہے، اور اجیر مشترک کے ہاتھ میں لوگوں کی چیز امانت ہوتی ہے، لہٰذا سوٹ سینے کے بعد جو قابلِ انتفاع (جس سے فائدہ اٹھایا جاسکے) کپڑا بچ جائے، تو وہ بھی آپ کے بھائی کے ہاتھ میں امانت ہے، اسکا حکم یہ ہے کہ مالک کو واپس کر دیا جائے، مالک کی اجازت کے بغیر اپنے استعمال میں لانا ناجائز و حرام ہے، ہاں! اگر مالک اسکے استعمال کی اجازت دیدے یا وہ قابلِ انتفاع نہیں بلکہ بالکل معمولی مقدار میں ہے جیسے کترن، تو اسکے استعمال میں حرج نہیں لیکن کترن سے مراد بہت باریک کترن ہے، یہ نہیں کہ آدھے گز کو کترن کا نام لے رکھ لیا جائے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

22 محرم الحرام 1438ھ/24 اکتوبر 2016ء

شرکتِ عمل میں کیا برابر کا وقت دینا ضروری ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ ہم چار اسلامی بھائیوں نے پراپرٹی ڈیلنگ کا کاروبار شروع کیا ہے سب نے دفتر میں برابر مال لگایا ہے اور ماہانہ دفتری اخراجات بھی برابری کی بنیاد پر ہوں گے اور کمیشن بھی برابر تقسیم ہوگا مگر ہمیں وقت کے حوالے سے رہنمائی درکار ہے کہ کیا کام کے لئے چاروں کا برابر وقت دینا ضروری ہے یا کوئی کمی بیشی کی جاسکتی ہے؟

سائل: محمد خرم عطاری (محلہ یوسف آباد، وہاڑی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ

اَللّٰهُمَّ هِدَایَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

دریافت کی گئی صورت شرکتِ عمل[2] (اس کی وضاحت حاشیے میں پڑھئے) کی ہے اور شرکتِ عمل میں کام میں برابری شرط نہیں تو وقت، جس میں کام کا وقوع ہوگا، اس میں بھی برابری لازم نہیں ہوگی لہٰذا آپ اگر بعض کے لیے کم وقت اور بعض کے لیے زیادہ وقت دینا طے کرلیں تو اس میں حرج نہیں۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــہ

محمد ہاشم خان العطاری المدنی

17 محرم الحرام 1438ھ/19 اکتوبر 2016ء

---

(1) اجیر مشترک: جس کے لئے کسی وقت خاص میں ایک ہی شخص کا کام کرنا ضروری نہ ہو، اُس وقت میں دوسرے کا بھی کام کر سکتا ہو، جیسے دھوبی، خیاط (درزی)۔ (بہارِ شریعت، 3/155)

(2) شرکت بالعمل یہ ہے کہ دو کاریگر لوگوں کے یہاں سے کام لائیں اور شرکت میں کام کریں اور جو کچھ مزدوری ملے، آپس میں بانٹ لیں۔ (بہارِ شریعت، 2/505)

دورانِ تجارت مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی

گاہک سے نفع کم لیجئے

عبد الرحمٰن عطاری مدنی

نفع کتنا لینا جائز ہے؟ شرعاً نفع (Profit) کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، فریقین کی باہمی رضامندی سے بغیر کسی قسم کی دھوکہ دہی اور جھوٹ کے جو بھی طے پا جائے اس کا لینا جائز ہے، البتہ بعض اوقات گورنمنٹ کی طرف سے عوام کی فلاح و بہبود کیلئے بعض چیزوں کے ریٹ مقرر کر دیئے جاتے ہیں جن کی خلاف ورزی پر نہ صرف عزتِ نفس مجروح ہوتی بلکہ چوروں اور لٹیروں جیسے بُرے القابات سے بھی نوازا جاتا ہے لہٰذا ایسی چیزوں کو مقررہ نرخ (بھاؤ) سے زائد ہرگز نہ بیچا جائے۔

تجارت کرنے والا شخص اگر حُصولِ نفع کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی خیر خواہی اور حاجت روائی کی نیّت بھی رکھے تو اس کی یہ تجارت عبادت بن جائے گی۔ تجارت میں خیر خواہی کی صورتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سستی اور معیاری چیز دی جائے۔ گاہک اگر سودے کی قیمت کم کروائے تو جس قدر ممکن ہو اسے رعایت دی جائے اور خالی لوٹانے کے بجائے تھوڑے نفع پر چیز فروخت کر دی جائے۔

حکایت: حضرتِ سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن عَوف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ایک مرتبہ 1000 اُونٹنیاں بیچیں اور نفع میں صرف ان کی رسیاں رکھیں جنہیں آپ نے 1000 درہم میں بیچا نیز 1000 درہم اونٹنیوں کے اس دن کے خرچے (یعنی چارے وغیرہ) کے پیسوں کی بھی بچت کی۔ (احیاء العلوم، 2/103)

۞ حضرت بکر بن خُنَیس رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: خرید و اور بیچو اگرچہ قیمتِ خرید ہی پر کیونکہ یہ مال بھی ایسے ہی بڑھتا ہے جیسے کھیتی بڑھتی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، 8/408، رقم 12704)

۞ حضرتِ سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: اے گروہِ تُجّار! اپنا حق لو اور دوسروں کا حق دو، سلامتی میں رہو گے اور تھوڑے نفع کو نہ ٹھکراؤ، ورنہ زیادہ نفع سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔ (احیاء العلوم، 2/103) ۞ حضرتِ سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن عَوف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے پوچھا گیا: آپ مالدار کیسے بنے؟ فرمایا: تین وجہ سے (1) میں نے نفع کو کبھی نہیں ٹھکرایا (اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو) (2) جب مجھ سے کسی جانور کا مطالبہ ہوتا ہے تو میں اسے بیچنے میں دیر نہیں کرتا اور (3) میں اُدھار نہیں بیچتا۔ (احیاء العلوم، 2/103)

نفع کم رکھنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے بکری (Sale) میں اضافہ ہوتا ہے اور آدمی مصروف رہتا ہے، جو لوگ زیادہ تر کام میں مصروف رہتے ہیں وہ بہت کم پریشانیوں کا شکار ہوتے ہیں کیونکہ ان کے پاس سوچنے کا وقت ہی نہیں ہوتا کہ وہ پریشان ہوں۔ جبکہ نفع زیادہ رکھنے میں عام طور پر سیل کم اور "بیٹھا بیٹھی" زیادہ ہوتی ہے اور دن کا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ذہن پر دباؤ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے کہ آج بکری (Sale) نہیں ہو رہی یا کم ہو رہی ہے۔ بعض تاجر جلد اَز جلد مالدار بننے کے چکر میں زیادہ نفع پر تجارت کرتے ہیں، ایک ہی چیز دیگر جگہ سستی بِکتی ہے اور ان کے ہاں مہنگی، نفع کے حُصول میں بازار کے عُرف کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ نفع حاصل کرنے کا ایک اُصول یہ بھی ہے کہ عام چیزوں (Regular Items) میں نفع کم لیا جائے جبکہ نادِر و نایاب چیزوں (Monopoly Items) میں نفع کی مقدار کو بڑھایا جا سکتا ہے لیکن خیر خواہی یہ ہے کہ اس میں بھی نفع کم رکھا جائے۔ جن چیزوں کی فروخت میں بھاؤ تاؤ ہوتا ہے ان میں بعض دکاندار بہت زیادہ نفع رکھ کر قیمت بتاتے ہیں پھر جب گاہک اس کے مہنگے ہونے کی وجہ پوچھتا ہے تو بارہا اس کی صفائی میں "سیلز مینی کے جوہر" دِکھاتے ہوئے اپنی چیز کی خوبی (Quality) بڑھا چڑھا کر پیش کرتے اور جھوٹ، دھوکا دہی وغیرہ برائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

بھروسا کرنے والوں سے زیادہ نفع لینا؟ امام غزالی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَالِی فرماتے ہیں: "لوگ تھوڑے نفع پر قناعت نہیں کرتے اور زیادہ نفع بغیر دھوکا دیئے حاصل نہیں ہو سکتا۔" نیز سادہ لَوح لوگوں سے زیادہ نفع لینے کے متعلق فرماتے ہیں: سادہ لَوح اعتماد کرنے والے لوگوں سے زیادہ نفع لینا ظلم ہے (مزید فرماتے ہیں:) زیادہ منافع عام طور پر دھوکے اور موجودہ بھاؤ کو چھپانے کے ذریعے ہی لیا جاتا ہے۔ (احیاء العلوم، 2/99، 102، ملتقطاً)

احکامِ تجارت

تاجروں کے لئے

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

نابالغ بچے کا خرید و فروخت کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مُفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ عام طور پر نابالغ چھوٹے بچے دکانوں سے کھانے پینے کی چیزیں خریدتے ہیں تو کیا نابالغ بچوں کا یہ چیزیں خریدنا درست ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: سمجھ دار نابالغ بچہ اپنے ولی کی اجازت سے اشیاء کی خرید و فروخت کر سکتا ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ غبنِ فاحش یعنی مارکیٹ ریٹ سے مہنگی چیز نہ خریدی ہو۔[(1)] صدر الشریعہ، بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ القَوِی بہارِ شریعت میں لکھتے ہیں: ”نابالغ کے تصرّفات تین قسم ہیں: نافعِ مَحْض یعنی وہ تصرّف جس میں صرف نفع ہی نفع ہے جیسے اِسلام قَبول کرنا۔ کسی نے کوئی چیز ہِبہ کی (تحفہ دیا) اس کو قبول کرنا اس میں ولی کی اجازت دَرْکار نہیں۔ ضارِّ مَحْض جس میں خالِص نقصان ہو یعنی دنیوی مَضَرَّت ہو اگرچہ آخرت کے اعتبار سے مفید ہو جیسے صدَقہ و قرض، غلام کو آزاد کرنا، زوجہ کو طلاق دینا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ولی اِجازت دے تو بھی نہیں کر سکتا بلکہ خود بھی بالغ ہونے کے بعد اپنی نابالغی کے ان تَصَرُّفات کو نافِذ کرنا چاہے نہیں کر سکتا۔ اس کا باپ یا قاضی ان تصرّفات کو کرنا چاہیں تو یہ بھی نہیں کر سکتے۔ بعض وجہ سے نافع (نفع مند) بعض وجہ سے ضار (نقصان دہ) جیسے بیع، اِجارہ، نکاح یہ اذنِ ولی (ولی کی اجازت) پر موقوف ہیں۔ نابالغ سے مراد وہ ہے جو خرید و فروخت کا مطلب سمجھتا ہو جس کا بیان اوپر گزر چکا اور جو اتنا بھی نہ سمجھتا ہو اوس کے تَصَرُّفات ناقابلِ اعتبار ہیں۔“ (بہارِ شریعت، 3/204، مکتبۃ المدینہ)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کرایہ پر لی ہوئی چیز آگے کرایہ پر دینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں فریٹ فارورڈنگ (Freight Forwarding) کا کام کرتا ہوں جس میں بحری جہاز کے کنٹینرز شِپنگ کمپنی سے کنٹینر کرائے پر لے کر آگے اسے پارٹی کو کرائے پر دیتے ہیں۔ کمپنی سے ہم کسی مال کی ایکسپورٹ کے لئے مثلاً 10,000 روپے کرائے پر لیتے ہیں اور پارٹی کو یہی کنٹینر 12,000 روپے میں دیتے ہیں۔ مذکورہ کرائے پر شپنگ کمپنی چاہے دو دن میں بھیجے یا پانچ دن میں، یہ اس کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ہمارے پاس کنٹینر کو پہنچا دے، نیز مال چھوڑنے کے بعد شپنگ کمپنی کا کام ہوتا ہے کہ اس کنٹینر کو کہاں بھیجنا ہے، پارٹی اور ہمارا اب اس کنٹینر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ پارٹی کو جو ہم زیادہ کرائے پر دیتے ہیں، اس میں ہم کنٹینر

1۔ ”اَلصَّبِیُّ الْعَاقِلُ اِذَا بَاعَ اَوِ اشْتَرٰی اِنْعَقَدَ بَیْعُہ وَشِرَاؤُہ مَوْقُوفاً عَلٰی اِجَازَۃِ وَلِیِّہٖ اِنْ کَانَ لِنَفْسِہٖ وَنَافِذاً بِلَا عُھْدَۃٍ عَلَیْہِ اِنْ کَانَ لِغَیْرِہٖ بِطَرِیْقِ الْوِلَایَۃِ“ (ردالمحتار، 7/244)

کی سِیل(Seal) کے اَخراجات بھی شامل کرتے ہیں کیونکہ ہم کنٹینر کی سِیل کے اَخراجات شپنگ کمپنی کو الگ دیتے ہیں لیکن پارٹی سے ہم اس سِیل کرانے کے الگ پیسے نہیں لیتے، تو کیا اس صورت میں پارٹی کو جب ہم کنٹینر کرائے پر دیتے ہیں تو کنٹینر کا کرایہ اور سِیل کے اخراجات ملا کر مثلاً 12,000 روپے میں دے سکتے ہیں، جبکہ ہم نے شپنگ کمپنی سے وہی کنٹینر 10,000 روپے کرائے پر لیا ہوتا ہے اور تقریباً 500 روپے سِیل کے اخراجات میں دیئے ہوتے ہیں۔

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں آپ پارٹی کو کنٹینر کا کِرایہ اور اسے سِیل کرنے کے اخراجات ساتھ ملاکر کنٹینر کو آگے زیادہ کرائے پر دے سکتے ہیں۔ کیونکہ کرائے پر لی ہوئی چیز آگے کرائے پر دے سکتے ہیں، جبکہ اتنے ہی کرائے پر دی جائے جتنے پر لی تھی، یا کم کرائے پر دی جائے اور اگر زیادہ کرائے پر دینا چاہیں تو اس وقت دے سکتے ہیں جب درجِ ذیل تین صورتیں پائی جائیں: **ایک:** یہ کہ کنٹینر میں کچھ کام کرا دیں۔ **دوسری:** یہ کہ آپ نے جس جنس کے کرائے پر کنٹینر لیا اس کے خلاف کسی اور جنس کے کرائے پر آگے دیں۔ اور **تیسری:** یہ کہ کنٹینر کے ساتھ کوئی اور چیز بھی کرائے پر دیدیں اور دونوں کا کرایہ ایک ہی مقرر کریں۔[2] پوچھی گئی صورت میں آپ کی طرف سے سِیل کی صورت میں اضافہ کرنا پایا گیا تو زیادہ کرایہ پر آگے دے سکتے ہیں۔

صَدْرُ الشَّرِیعَہ، بَدْرُ الطَّرِیقَہ مُفتی اَمجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی بہارِ شریعت میں لکھتے ہیں: ''مُستاجِر (کرایہ دار) نے مکان یا دکان کو کرایہ پر دیدیا اگر اُتنے ہی کرایہ پر دیا ہے جتنے میں خود لیا تھا یا کم پر جب تو خیر اور زائد پر دیا ہے تو جو کچھ زیادہ ہے اُسے صدقہ کردے ہاں اگر مکان میں اِصلاح کی ہو اُسے ٹھیک ٹھاک کیا ہو تو زائد کا صدقہ کرنا ضرور نہیں یا کرایہ کی جِنْس بدل گئی مثلاً: لیا تھا روپے پر، دیا ہو اشرفی پر، اب بھی زیادتی جائز ہے۔ جھاڑو دیکر مکان کو صاف کرلینا یہ اِصلاح نہیں ہے کہ زیادہ والی رقم جائز ہو جائے اِصلاح سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا کام کرے جو عمارت کے ساتھ قائم ہو مثلاً پلاستر کرایا یا مونڈیر بنوائی۔

(بہارِ شریعت، 3/124، مکتبۃ المدینہ)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

قصّاب کا پیشہ اختیار کرنا جائز ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شَرْعِ مَتِین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم گوشت کا کاروبار کرنا چاہتے ہیں کیا یہ کام جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جی ہاں! گوشت کا کاروبار کرنا جائز ہے اور دیگر تمام کاموں کی طرح اس کام میں بھی ضروری ہے کہ تجارت کے شرعی اَحکام پر مکمل طریقے سے عمل کریں دھوکہ، جھوٹ، کم تولنا وغیرہ نہ پایا جائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جانور خود ذَبح کرتے ہوں تو شرعی طریقے سے ذَبح کرنا آتا ہو۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: ''ذَبْحِ بَقَر و قَطْعِ شَجَر (گائے ذبح کرنے اور درخت کاٹنے) کے پیشے میں مُضایَقہ نہیں، یہ جو عوام میں بنامِ حدیث مشہور ہے کہ ''ذَابِحُ الْبَقَرِ وَ قَاطِعُ الشَّجَرِ (گائے ذبح کرنے والا اور درخت کاٹنے والا) جنت میں نہ جائے گا'' مَحض غلط ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ، 23/539، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

اللہ کا مہینا

فرمانِ مصطفٰے صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم: **رَجَبٌ شَهْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَشَعْبَانُ شَهْرِيْ وَرَمَضَانُ شَهْرُ اُمَّتِيْ** یعنی رجب اللہ تعالیٰ کا مہینا اور شعبان میرا مہینا اور رمضان میری اُمت کا مہینا ہے۔

(فردوس الاخبار، 2/275، حدیث: 3276)

2۔ الجوہرۃ النیرہ میں ہے: ''وَاِنْ اٰجَرَهَا بِاَكْثَرَ مِمَّا اسْتَاْجَرَهَا جَازَ ، اِلَّا اَنَّهٗ اِذَا كَانَتِ الْاُجْرَةُ الثَّانِيَةُ مِنْ جِنْسِ الْاُوْلٰى لَا يَطِيْبُ لَهُ الزِّيَادَةُ وَيَتَصَدَّقُ بِهَا، وَاِنْ كَانَتْ مِنْ خِلَافِ جِنْسِهَا طَابَتْ لَهُ الزِّيَادَةُ، فَاِنْ كَانَ زَادَ فِي الدَّارِ شَيْئًا كَمَا لَوْ حَفَرَ فِيْهَا بِئْرًا اَوْ طَيَّنَهَا اَوْ اَصْلَحَ اَبْوَابَهَا اَوْ شَيْئًا مِّنْ حِيْطَانِهَا طَابَتْ لَهُ الزِّيَادَةُ''

(الجوہرۃ النیرہ شرح قدوری، کتاب الاجارۃ، 1/309، 308)

احکامِ تجارت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک کمپنی نے یہ اسکیم (Scheme) بنائی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے موبائل میں اکاؤنٹ (Account) بنا لیتا ہے اور پھر ریٹیلر کے ذریعے اپنے اکاؤنٹ میں کم از کم 1000 روپیہ جمع کروادے اور ایک دن گزر جائے تو کمپنی اس شخص کو مخصوص تعداد میں فری منٹس (Free Minutes) دے دیتی ہے، اس اکاؤنٹ کے کھلوانے کے لئے کوئی فارم وغیرہ فِل (Fill) نہیں کرنا پڑتا اور فری منٹس ملنا اس شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے کہ اکاؤنٹ میں کم از کم 1000 روپیہ جمع رہیں جیسے ہی ایک روپیہ اس مقدار سے کم ہوگا تو یہ سہولت ختم ہو جائے گی۔ موبائل اکاؤنٹ میں ایک سہولت یہ بھی ہے کہ اپنے اس اکاؤنٹ کے ذریعے رقم ٹرانسفر بھی کی جاسکتی ہے اور اس صورت میں ریٹیلر (Retailer) کے ذریعے بھیجنے کی نسبت 22 فیصد کم پیسے لگیں گے اور اس سہولت کے لئے پہلے سے کوئی رقم ہونا ضروری نہیں ہے جس وقت رقم بھیجنی ہے اسی وقت وہ رقم ساتھ میں ٹیکس ڈلوا کر ٹرانسفر کر دیں تو ٹرانسفر ہو جائے گی۔ ٹیکس سے مراد ٹرانسفر کی فیس ہے اور اکاؤنٹ بنانے پر بھی کسی قسم کا کوئی پیسہ نہیں لگے گا اور اس صورت میں فری منٹس وغیرہ کوئی سہولت بھی نہیں ملے گی جبکہ رقم ایک دن جمع نہ رکھیں بلکہ اسی دن کے اندر ٹرانسفر کر دیں۔

اس اکاؤنٹ میں ایک سہولت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے یوٹیلٹی بل (Utility Bill) بھی جمع کروایا جاسکتا ہے اور یہ بل جمع کروانے کے لئے بھی کوئی رقم اکاؤنٹ میں ہونا ضروری نہیں اور اس جمع کروانے پر کوئی ٹیکس بھی نہیں لگے گا اور اس صورت میں فری منٹس وغیرہ کوئی سہولت بھی نہیں ملے گی جبکہ رقم ایک دن جمع نہ رکھیں بلکہ اسی دن کے اندر ٹرانسفر کر دیں۔

شرعی رہنمائی فرمائیں کہ (1) اس طرح کا اکاؤنٹ کھلوا کر فری منٹس لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو ریٹیلر رقم جمع کرتا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے؟ (2) اگر کوئی اس ارادے سے اکاؤنٹ کھلوائے کہ میں فری منٹس نہیں لوں گا فقط رقم ٹرانسفر کرنے یا بل جمع کروانے کے لئے رقم جمع کرواؤں گا اور اسی وقت ہی رقم ٹرانسفر کر دوں گا یا بل جمع کروادوں گا ایک دن گزرنے ہی نہیں پائے گا تو کیا اس طرح اکاؤنٹ کھلوانا شرعاً جائز ہے؟ (3) اور اگر کسی نے اکاؤنٹ کھلوالیا ہے کیا وہ اس اکاؤنٹ کو اس نیت سے باقی رکھ سکتا ہے کہ وہ ایک دن تک رقم جمع نہیں رہنے دے گا بلکہ فقط رقم ٹرانسفر کرنے یا بل جمع کروانے کے لئے رقم جمع کروا کر اسی وقت رقم ٹرانسفر کر دے گا یا بل جمع کروادے گا؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

(1) ہزار روپے اکاؤنٹ میں جمع کروانے کے بدلے جو فری منٹس ملتے ہیں وہ سود اور حرام ہیں، لہٰذا اتنی یا اس سے زائد رقم مذکورہ طریقے پر جمع رکھنا ناجائز و حرام ہے اور جو ریٹیلر جمع کرے گا وہ بھی گنہگار ہے کہ گناہ کے کام پر مدد کر رہا ہے۔

تفصیل اس میں یہ ہے کہ جمع کروائے جانے والے 1000 روپے نہ امانت ہیں اور نہ تحفہ (ہبہ) بلکہ قرض ہیں۔ تحفہ اس لئے نہیں کہ تحفہ کہتے ہیں کسی چیز کا دوسرے کو بلا عوض مالک کر دینا۔ جبکہ اس صورت میں مقصود اسے مالک کرنا نہیں ہوتا، مالک کرنا مقصود ہوتا تو پیسے واپس نہ لئے جاتے۔ دُرَر میں ہے: ترجمہ: ہبہ نام ہے کسی عین کا بغیر عوض مالک کر دینا۔ (درر شرح غرر، 2/217)

اور امانت اس لئے نہیں کہ امانت والے پیسوں کو خرچ نہیں کرسکتے بلکہ بعینہ وہی رقم واپس کرنی ہوتی ہے جبکہ یہاں جمع کروائی گئی رقم کو کمپنی استعمال کرتی رہتی ہے اور واپسی میں اس کی مثل رقم دیتی ہے اور یہی قرض ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ قرض ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قرض کا لفظ ہی استعمال کیا جائے، بلکہ اگر قرض کا لفظ استعمال نہ کیا لیکن مقصود وہی ہے جو قرض سے ہوتا ہے تو وہ قرض ہی ہوگا، کیونکہ عقود (خرید و فروخت) میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے: ترجمہ: جب اس کو مضاربت[1] نہیں بنا سکتے ہیں تو وہ قرض ہوجائے گا کیونکہ یہ قرض کے معنیٰ میں ہے اور عقود میں ان کے معانی کا اعتبار ہوتا ہے۔ (بدائع الصنائع، 6/86، بیروت)

اور قرض کی تعریف تنویر الابصار میں یوں بیان کی گئی ہے۔ ترجمہ: قرض وہ عقدِ مخصوص ہے جس میں مثلی مال (قدر وقیمت میں اسی جیسا مال) دیا جاتا ہے اس لئے کہ اس کا مثل واپس کیا جائے۔ (در مختار، 7/406-407، کوئٹہ) فتاویٰ رضویہ میں ہے: "زرِ امانت (امانت کے مال) میں اس کو تصرف حرام ہے۔" (فتاویٰ رضویہ، 19/166، لاہور) اور اس رقم کو جمع کروانے کے بدلے میں حاصل ہونے والی رقم، فری منٹس اور ایس، ایم، ایس، سب قرض سے حاصل ہونے والے مَنافع ہیں اور جو مَنافع قرض سے حاصل ہوتے ہیں وہ سود ہوتے ہیں۔ حدیثِ پاک میں ہے: ترجمہ: رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ہر وہ قرض جو نفع کھینچے تو وہ سود ہے۔ (مسند الحارث، 1/500، المدینۃ المنورۃ)

گناہ پر مدد کرنے سے قراٰنِ پاک میں منع کیا گیا ہے چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

ترجمۂ کنزالایمان: اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ (پ6، المآئدۃ:2)

(2) اگر کوئی اکاؤنٹ صرف رقم ٹرانسفر کرنے یا بل جمع کروانے کے لئے کھلوائے اور ایک دن رقم جمع نہ رہنے دے تو اس کے باوجود اکاؤنٹ کھلوانا جائز نہیں کیونکہ جب یہ بات معروف ہے کہ اکاؤنٹ کھلوانے کے بعد اگر ایک دن رقم جمع رہی تو فری منٹس ملیں گے تو اب اکاؤنٹ کھلوانے والا گویا یہ اقرار وپیمان کررہا ہے کہ اگر میں نے ایک دن رقم جمع رہنے دی تو فری منٹس لوں گا اور یہ اقرار وپیمان ہی ناجائز ہے اگرچہ بعد میں ایک دن رقم جمع نہ رہنے دے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے: "ملازمت بلا اطلاع چھوڑ کر چلا جانا اس وقت تنخواہ قطع کرے گا نہ تنخواہِ واجب شدہ کو ساقط اور اس پر کسی تاوان (جرمانہ) کی شرط کرلینی مثلاً نوکری چھوڑنا چاہے تو اتنے دنوں پہلے سے اطلاع دے، ورنہ اتنی تنخواہ ضبط ہوگی یہ سب باطل وخلافِ شرعِ مُطَہَّر ہے، پھر اگر اس قسم کی شرطیں عقدِ اجارہ میں (ملازمت کا معاہدہ کرتے وقت) لگائی گئیں جیسا کہ بیانِ سوال سے ظاہر ہے کہ وقتِ ملازمت ان قواعد پر دستخط لے لئے جاتے ہیں، یا ایسے شرائط وہاں مشہور و معلوم ہوکر اَلْمَعْرُوْفُ کَالْمَشْرُوْطِ ہوں، جب تو وہ نوکری ہی ناجائز وگناہ ہے، کہ شرطِ فاسد سے اجارہ فاسد ہوا، اور عقدِ فاسد حرام ہے۔ اور دونوں عاقِد (معاہدہ کرنے والے) مُبْتَلائے گناہ، اور ان میں ہر ایک پر اس کا فسخ (ختم کرنا) واجب ہے، اور اس صورت میں ملازمین تنخواہِ مقرر کے مستحق نہ ہوں گے، بلکہ اجرِ مثل (یعنی عام طور پر بازار میں اس کام کی جو اجرت ہے اُتنی ہی اجرت) کے جو مُشاہرہ مُعَیَّنہ (طے شدہ اجرت) سے زائد نہ ہوں، اجرِ مثل اگر مُسَمّٰی سے کم ہو تو اسی قدر خود ہی کم پائیں گے، اگرچہ خلاف ورزی اصلاً نہ کریں۔" (فتاویٰ رضویہ، 19/506-507، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(3) اُوپر واضح ہوچکا کہ یہ اکاؤنٹ کھلوانا جائز نہیں ہے اگرچہ رقم ایک دن جمع نہ رہنے دے کیونکہ اس میں ایک ناجائز معاہدہ موجود ہے اور ناجائز معاہدہ جس طرح ابتداءً کرنا جائز نہیں اسی طرح اس ناجائز معاہدے کو برقرار رکھنا بھی جائز نہیں ہوتا لہٰذا جس نے اکاؤنٹ کھلوالیا ہے اس پر لازم ہے کہ یہ اکاؤنٹ ختم کرے۔ جیسا کہ اُوپر فتاویٰ رضویہ کے جزئیہ میں امامِ اَہلِ سنّت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے ناجائز شرط کی وجہ سے جب عقد کو ناجائز قرار دیا تو بعد میں اس کے فسخ کرنے کو لازم قرار دیا ہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
محمد ہاشم خان
العطاری المدنی

کتبہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد عرفان مدنی
01ربیع الاول1438ھ/01دسمبر2016ء

1 ۔۔ایک جانب سے مال ہو اور ایک جانب سے کام (بہار شریعت، 3/1)

احکامِ تجارت

پریمئیم پرائز بانڈ (Premium Prize Bond) کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومُفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ حال ہی میں پریمئیم پرائز بانڈ (Premium Prize Bond) کے نام سے ایک نیا بانڈ جاری کیا گیا ہے جس میں ششماہی بنیاد پر نفع بھی ملے گا اور ہر تین مہینے بعد بذریعہ قرعہ اندازی حاملانِ بانڈ (جن کے پاس پرائز بانڈ ہو ان) میں سے کچھ افراد کو مختلف انعامی رقم بھی دی جائے گی جس طرح کہ عام پرائز بانڈ میں دی جاتی ہے۔ البتہ پریمئیم پرائز بانڈ سے متعلق آفیشل ویب سائٹ:savings.gov.pk پر اس بانڈ سے متعلق جو اشتہار آویزاں ہے اس میں مزید کچھ باتوں کی صراحت ہے۔

(1)Issued in the name of investor with direct crediting facility of Prize money and Profit into Investor's Bank Account.

ترجمہ: یہ بانڈ انویسٹر کے نام پر جاری ہوگا اور نفع اور انعام ڈائریکٹ (Direct) اس کے بینک اکاؤنٹ میں ڈالا جائے گا۔

(2)No Risk of Loss/Theft/Burnt.

ترجمہ: اس بانڈ کے گم ہونے، چوری ہونے یا جل جانے پر بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یعنی انویسٹر کو نقصان نہ ہوگا بلکہ وہ اس کا متبادل حاصل کرسکے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس بانڈ کا خریدنا، بیچنا کیسا ہے؟ اور اس پر حاصل ہونے والا ششماہی نفع (Six Monthly Profit) اور ہر 3 مہینے بعد بذریعہ قرعہ اندازی جو انعامات نکلیں گے ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ جائز وحلال ہیں؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پریمئیم پرائز بانڈ (Premium Prize Bond) ایک سودی بانڈ ہے جو کہ محض ایک سودی اکاؤنٹ میں جمع کردہ قرض کی رسید ہے جس پر واضح طور پر دلیل آفیشل اشتہار (Official Advertisement) کے یہ الفاظ ہیں۔ اس بانڈ کے گم ہونے، چوری ہونے یا جل جانے پر بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یعنی اگر کسی کا یہ بانڈ چوری ہوجائے یا گم ہوجائے تو چور کے لئے یہ محض ایک کاغذ کا ٹکڑا ہے جس کی کوئی قیمت نہیں کہ اس سے وہ نفع اٹھا سکے بلکہ اصل مالک جس کے نام پر یہ جاری ہوا ہے وہ اس رسید کا مُتبادل (Duplicate) حاصل کرسکتا ہے یہ صراحت ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ بانڈ خود مال نہیں بلکہ جمع شدہ مال کی رسید ہے کیونکہ اگر یہ خود مال ہوتا تو دیگر بانڈز اور کرنسی نوٹوں کی طرح گم ہونے، جل جانے یا چوری ہوجانے پر مالک کو نقصان ہوتا اور چور کے لئے وہ ایک قابلِ نفع مال ہوتا حالانکہ پریمئیم بانڈ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت قومی بچت بینک (National Saving Bank) کے سیونگ اکاؤنٹ (Saving Account) کے سرٹیفکیٹ (Certificate) جیسی ہی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ سیونگ سرٹیفکیٹ پر نفع زیادہ ملتا ہے اس میں نفع کم ملے گا اور سیونگ سرٹیفکیٹ پر قرعہ اندازی کے ذریعے سے انعامات کا سلسلہ نہیں ہوتا جبکہ پریمئیم بانڈ میں پرائز بانڈ کی طرز پر انعام بھی رکھا گیا ہے۔

پریمئیم بانڈ پر ششماہی ملنے والا نفع اور ہر 3 ماہ پر بذریعہ

قرعہ اندازی بنام انعام ملنے والا نفع دونوں ہی خالصتاً سود (Interest) ہیں اسی لئے پریمیئم بانڈ خریدنا، بیچنا ناجائز و حرام اور کبیرہ گناہ ہے بلکہ سود ہونے کی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ و رسول صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے اعلانِ جنگ کے مترادف ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ قراٰنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے: (1) ﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ترجمہ: اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔ (پ3، البقرۃ:275) (2) ﴿یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ﴾ ترجمہ: اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ (پ3، البقرۃ:276) (3) ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ(۲۷۸) فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ پھر اگر تم ایسا نہیں کروگے تو اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے لڑائی کا یقین کرلو۔ (پ3، البقرۃ:278، 279)

حدیث مبارک میں ہے: "كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا" ترجمہ: قرض کے ذریعہ سے جو منفعت حاصل کی جائے وہ سود ہے۔ (کنزالعمال، جزء6، 3/99، حدیث:15512)

نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے سود لینے اور دینے پر لعنت فرمائی اور سب کو گناہ میں برابر قرار دیا، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللّٰہُ تعالٰی عنہ سے مروی، فرماتے ہیں: "لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالٰی علیهِ وسلَّم اٰكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَیْهِ، وَقَالَ "هُمْ سَوَاءٌ"" ترجمہ: رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے سود لینے والے، دینے والے، اسے لکھنے والے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا: یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔ (مسلم، ص663، حدیث:4093)

مسلمانوں پر لازم ہے کہ دنیاوی لالچ و حرص میں پریمیئم پرائز بانڈ کے ذریعہ سود جیسے کبیرہ گناہ میں گرفتار ہو کر دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی اور رب عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی اپنے سر نہ لیں بلکہ فقط حلال پر ہی اِکتفا کریں اللہ عَزَّوَجَلَّ اسی میں برکت دے گا جبکہ سود میں برکت تو دور کی بات ہے یہ تو دنیاوی مال میں بھی ہلاکت و بربادی کا سبب ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عقلِ سلیم عطا فرمائے اور سود جیسی نحوست سے ہمارے معاشرہ کو محفوظ فرمائے۔ اٰمین!

تنبیہ یہ حکم اس خاص پرائز بانڈ کا ہے جو پریمیئم کے نام سے پاکستان میں پہلی مرتبہ 40،000 کا جاری ہوا ہے جبکہ پہلے سے جاری شدہ دیگر پرائز بانڈ جن کی خرید و فروخت کی جاتی ہے وہ جائز ہیں اور ان پر حاصل ہونے والا انعام بھی جائز ہے کیونکہ وہ قرض کی رسید نہیں بلکہ خود مال ہیں اسی لئے گُم ہونے، جل جانے یا چوری ہوجانے کی صورت میں ان کا کوئی بدل نہیں دیا جاتا بلکہ جس کے ہاتھ میں ہو اُسے ہی مالک سمجھا جاتا ہے اسی لئے اسٹیٹ بینک (State bank) اور ہر مالیاتی ادارہ بلکہ ہر شخص کرنسی کی طرح ہی ان بانڈ کی خرید و فروخت کرتا ہے کیونکہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ یہ کسی قرض کی رسید نہیں بلکہ خود مال ہے یہی وہ واضح فرق ہے جو عام پرائز بانڈ اور پریمیئم پرائز بانڈ کے مابین ہے جس کی وجہ سے دونوں کا حکم جدا جدا ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

مُجِیب: ابو مصطفیٰ محمد کفیل رضا عطاری المدنی

مُصَدِّق: ابو الصالح محمد قاسم القادری

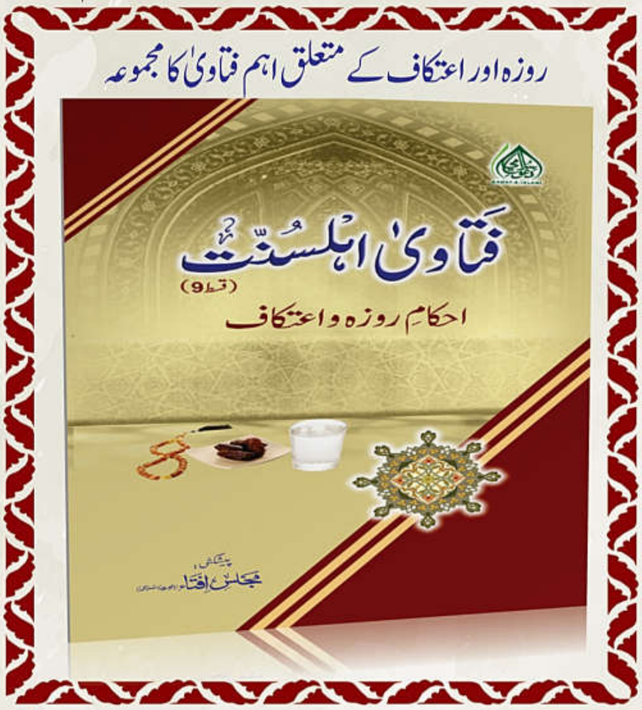

تاجروں کے لئے

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری

سامان نقد خرید کر اُدھار بیچنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ زید میرے پاس آتا ہے اسے فریزر یا موٹر سائیکل لینی ہے وہ مجھ سے اس کیلئے قرض مانگتا ہے، میں زید سے کہتا ہوں کہ میں آپ کو مارکیٹ سے فریزر نَقْد لے کر دیتا ہوں، آپ کو جو قسطیں (Installments) اور نَفْع (Profit) مارکیٹ میں دینا ہے وہ مجھے دے دینا، وہ اس پر راضی ہو کر میرے ساتھ مارکیٹ جاتا ہے، میں اسے نقد میں فریزر یا موٹر سائیکل خرید کر دے دیتا ہوں، اس صورت میں شَرْعی حکم کیا ہو گا؟ اور جو قبضہ کرنے کا کہا جاتا ہے تو اس قبضہ کرنے سے کیا مراد ہے؟ کیا مجھے وہ موٹر سائیکل ایک دو دن کیلئے گھر لے جا کر پھر زید کو دینی ہو گی؟ یا یہ مراد ہے کہ مجھے اپنے ہی نام کی رسید بنانی چاہئے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت کے مطابق آپ کا پہلے مارکیٹ سے نقد موٹر سائیکل یا فریزر وغیرہ خود خریدنا پھر خرید کر زید کو قسطوں (Installment) پر بیچنا جائز ہے لیکن زید کو بیچنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ خریدی گئی چیز پر پہلے قبضہ کریں پھر اسے آگے زید کو انسٹالمنٹ پر بیچیں۔ صرف پرچی کا آپ کے نام بننا قبضہ نہیں کہلائے گا اور بغیر قبضہ کئے آگے بیچنا جائز نہیں۔ دُرِّمختار میں ہے: "لَایَصِحُّ بَیْعُ مَنْقُوْلٍ قَبْلَ قَبْضِہٖ" ترجمہ: منقولی (Moveable) چیز کی بیع قبضے سے پہلے درست نہیں ہے۔ (درمختار، 7/384) قبضہ کرنے کے مختلف طریقے فُقَہاء نے بیان کئے ہیں مختلف اموال کو سامنے رکھ کر قبضہ کا تقاضا پورا کیا جاسکتا ہے۔

پوچھی گئی صورت میں قبضہ کرنے کے لئے مندرجہ ذیل دو طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں: (1) جس گاڑی میں مال لوڈ (Load) کر کے بھیجا جائے گا وہ گاڑی آپ خود کروائیں، اس کا کرایہ بھی آپ ہی ادا کریں اور آپ زید کو پہنچ پر مال بیچیں اس طریقہ کے مطابق جیسے ہی مال گاڑی میں لوڈ ہو گا آپ کے قبضے میں آجائے گا۔ اس کے بعد زید کو یہ چیز آپ فروخت کر دیں اور جہاں پہنچانے کا طے ہو وہاں پہنچادیں۔ گاڑی کروانے کا جو خرچہ زائد ہوا ہے قیمت طے کرتے وقت اس خرچے کو سامنے رکھ کر قیمت طے کی جاسکتی ہے مثلاً ایک چیز بیس ہزار روپے (20,000) کی بیچنی تھی لیکن مال پہنچ پر دینا ہو تو کرایہ کے خرچے کے پیشِ نظر یہی چیز بائیس ہزار روپے (22,000) کی بھی بیچی جاسکتی ہے۔ (2) قبضہ کا دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ خریداری کے بعد مال گودام سے نکلوا کر آپ کے سامنے اس طرح رکھ دیا جائے کہ اگر آپ اس پر قبضہ کرنا چاہیں، لے جانا چاہیں تو بآسانی لے جاسکتے ہوں اور آپ کے قبضہ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، یہ شرعی اصطلاح میں تَخْلِیَہ کہلاتا ہے اور یہ بھی قبضہ کے قائم مقام ہے۔ عام طور پر دکان دار کو پیسے ادا کر دیئے جائیں یا اُدھار میں خریداری ہوئی ہو تو بات چیت مکمل ہونے کے بعد دکان دار مال خریدار کے حوالے کر دیتا ہے اس حوالگی ہی کو تَخْلِیَہ کہتے ہیں۔ جب تَخْلِیَہ حاصل ہو جائے تو قبضہ ہو جاتا ہے اور آپ وہ مال آگے فروخت کر سکتے ہیں لیکن تَخْلِیَہ کے تقاضے پورے کرنا عوام کے لئے بہت مشکل ہے اس لئے

پہلا طریقہ زیادہ بہتر ہے کہ غلطی کے اِمکانات کم ہیں۔

بہارِ شریعت میں ہے: "بائع نے مَبِیع اور مُشتَری کے درمیان تَخْلِیَہ کر دیا کہ اگر وہ قبضہ کرنا چاہے کر سکے اور قبضہ سے کوئی چیز مانِع نہ ہو اور مَبِیع و مُشتَری کے درمیان کوئی شے حائل بھی نہ ہو تو مَبِیع پر قبضہ ہو گیا۔" (بہارِ شریعت، 2/641، مکتبۃ المدینہ)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہُ تعالٰی علیہِ واٰلہٖ وسلَّم

گاہک کو مال کی قیمتِ خرید غلط بتانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا تعلق انڈیا سے ہے اور ہماری مارکیٹ میں چین سے مال آتا ہے اور چین میں کسی چیز کی قیمت مثلاً 10 روپے ہے، لیکن اپنی جان پہچان سے ہمیں وہ چیز 9.5 روپے میں ملی، تو کیا گاہک کو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ چین میں اس کا بھاؤ 10 روپے ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اگر صرف اتنا ہی کہے کہ چین میں اس کا بھاؤ 10 روپے ہے تو یہ جائز ہے کہ اس میں کوئی جھوٹ وغیرہ نہیں ہے، ہاں اگر اس نے یوں کہا کہ مجھے 10 روپے میں ملی ہے حالانکہ اسے 9.5 (ساڑھے نو) روپے میں ملی تھی، تو اب یہ جائز نہ ہو گا کیونکہ یہ جھوٹ میں شامل ہو گا اور جھوٹ ناجائز و حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔ اللہ تَبَارَکَ وتعالٰی قراٰنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾﴾ (پ17، الحج: 30)

تَرجَمۂ کنزالایمان: اور بچو جھوٹی بات سے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہُ تعالٰی علیہِ واٰلہٖ وسلَّم

چوری کا مال خرید کر بیچنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ زید چوری کیا ہوا مال خریدتا اور بیچتا ہے تو یہ بات معلوم ہوتے ہوئے زید سے مال خریدنا اور آگے کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: تقریباً ہر مارکیٹ میں ہی چوری کے مال کی خرید و فروخت کے تعلق سے مسائل پیش آتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خان علیہِ رحمۃُ الرَّحمٰن نے چوری کا مال خریدنے کے تعلق سے مُمانَعت کی دو صورتیں بیان فرمائی ہیں: پہلی یہ کہ یقینی طور پر (Confirm) معلوم ہو کہ یہ مال چوری کا ہے۔ دوسری یہ کہ واضح قرینہ کی بنیاد پر گُمان قائم ہوتا ہو کہ یہ چوری کا مال ہے ان دونوں صورتوں میں خریداری جائز نہیں ہو گی اور ایک تیسری مُمکِنہ صورت یہ ہو سکتی ہے کہ نہ معلوم تھا نہ ہی قرینہ تھا لیکن خریداری کے بعد پتا چل گیا تب بھی یہ مال مالک کو واپس دینا فرض ہے چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے: "چوری کا مال دانِسْتَہ (جان بوجھ کر) خریدنا حرام ہے بلکہ اگر معلوم نہ ہو مَظْنُون (گمان) ہو جب بھی حرام ہے مثلاً کوئی جاہل شخص کہ اس کے مُوْرِثِیْن بھی جاہل تھے کوئی عِلْمی کتاب بیچنے کو لائے اور اپنی مِلک بتائے اس کے خریدنے کی اجازت نہیں اور اگر نہ معلوم ہے نہ کوئی واضح قرینہ تو خریداری جائز ہے، پھر اگر ثابت ہو جائے کہ یہ چوری کا مال ہے تو اس کا استعمال حرام ہے بلکہ مالک کو دیا جائے اور وہ نہ ہو تو اس کے وارِثوں کو، اور اُن کا بھی پتہ نہ چل سکے تو فُقَرا کو۔" (فتاویٰ رضویہ، 17/165)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہُ تعالٰی علیہِ واٰلہٖ وسلَّم

400 رکعت نفل

منقول ہے کہ حضرت سیّدنا فَتْح مَوْصِلی علیہِ رحمۃُ اللہِ القَوی دردِ سَر میں مبتلا ہوئے تو خوش ہو کر ارشاد فرمایا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے اس مرض میں مبتلا کیا جس میں انبیائے کرام علیہمُ السَّلام کو مبتلا کیا، اب اس کا شکرانہ یہ ہے کہ میں 400 رکعت نفل پڑھوں۔" (سیر اعلام النبلاء، 9/179)

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری

مال بیچنے کا وعدہ کر کے نہ بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے بکر سے یہ بات کہی کہ میں یہ چیز آپ کو اتنے روپے میں دے دوں گا لیکن ابھی کوئی ایڈوانس (Advance) نہیں لیا اور نہ ہی بکر نے وہ چیز ابھی لی لیکن دوسرے دن بکر جب روپے لے کر پہنچ گیا تو زید نے کہا کہ میں بیچنا نہیں چاہتا تو کیا زید کا ایسا کرنا درست ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: "میں آپ کو یہ چیز اتنے کی دے دوں گا" یہ وعدۂ بیع (Promise to sell) ہے بَیع نہیں ہے۔ اصل دارومدار جملہ کے استعمال اور عُرف کا ہے عُرفِ عام میں ان جملوں سے سودا کرنا مراد نہ لیا جاتا ہو تو یہ صرف وعدہ کے ہی الفاظ ہیں اور صرف وعدہ کر لینے سے سودا طے نہیں ہو جاتا سودا طے کرنے کے لئے ایسے الفاظ بولنا ضَروری ہے جس سے حتمی ڈیل (Final Deal) سمجھی جاتی ہو، جیسے خریدار کہے میں نے اتنے میں خریدی اور سامنے والا کہے ٹھیک ہے، یا بیچنے والا کہے اتنے میں سودا طے ہوا خریدار کہے مجھے منظور ہے یا ٹھیک ہے۔ یونہی کچھ افعال بھی ایسے ہوتے ہیں جس سے سودا ہو جاتا ہے ایسی صورت کو بیعِ تَعاطی(1) کہتے ہیں جیسے کوئی آواز لگا رہا ہے ہر مال اتنے کا، خریدار نے پیسے رکھے فروخت کنندہ (Seller) نے چیز خریدار (Buyer) کے حوالے کر دی سودا ہو جائے گا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ سودا ہونے اور وعدہ ہونے میں فرق ہے۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں بھی بکر نے اس سے وعدہ ہی لیا تھا لہٰذا زید اپنی چیز کو بیع (فروخت) کرنے سے منع کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ ہاں وعدہ کو پورا کرنا مکارمِ اَخلاق (اچھے اخلاق میں سے) ہے مگر اس پر جَبر نہیں کیا جاسکتا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: جو لفظ محض استقبال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے کہ اس کے ساتھ سِین اور سَوف ملا ہو تو یا امر کے صیغہ کے ساتھ (ہو تو) بیع منعقد نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ عالمگیری، 4/3)

صدرُ الشَّریعہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ بہارِ شریعت میں فرماتے ہیں: "مستقبل کے صیغہ سے بیع نہیں ہو سکتی دونوں کے لفظ مستقبل کے ہوں یا ایک کا مثلاً خریدوں گا، بیچوں گا، کہ مستقبل کا لفظ آئندہ عقد صادر کرنے کے ارادہ پر دلالت کرتا ہے فِی الحال عقد کا اِثبات نہیں کرتا۔ (بہارِ شریعت، 2/618 مکتبۃ المدینہ)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "اگر وعدہ پورا کرے تو بہتر ہے ورنہ وعدوں کو پورا کرنا اس پر لازم نہیں۔" (فتاویٰ عالمگیری، 4/427)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

سامان لینے کے بعد ریٹ کا تعین کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص ہر ماہ ایک دکان سے راشن لیتا ہے، اس طرح کہ ہر ماہ اس دکان دار کو اَشیا کی لسٹ (List) دے

---

(1) ایسی بیع جس میں ایجاب و قبول کے بغیر چیز لے لیتے ہیں اور قیمت دے دیتے ہیں ایسی بیع کو بیع تعاطی کہتے ہیں۔ (بہار شریعت، 2/615)

دیتا ہے، اور دکاندار تین چار دن بعد سامان اس کے گھر پہنچا دیتا ہے اور لسٹ میں ہر چیز کا ریٹ اور کل رقم (Total amount) لکھ کر دے دیتا ہے اور وہ شخص اسے رقم ادا کر دیتا ہے۔ کیا یہ خرید و فروخت جائز ہوئی؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت بیعِ تَعاطی کی ہے جس میں ایجاب و قبول لفظوں کے بجائے قیمت اور سودے کے لین دین کے وقت پایا جارہا ہے اور ایسی حالت میں کہ خریدنے والے کو ہر چیز کے ریٹ کا بھی عِلم ہے۔ لہٰذا پوچھی گئی صورت میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں۔ یہ صورت تو نہایت ہی نفیس اور فقہی پیچیدگیوں سے پاک ہے البتہ اسی سے ذرا مختلف صورت جو کہ عام طور پر لوگ کرتے ہیں کہ پہلے پورا مہینا مثلاً سودا لیتے رہے پھر اس کا حساب اور ریٹ کا تعین کیا، اس پر فقہائے کرام نے بہت ہی زیادہ کلام کیا ہے اور بالآخر اسے بھی جائز ہی کہا ہے چنانچہ "دُرِّ مُختار" میں ہے: انسان جو چیزیں دکانداروں سے لے آتے ہیں، اور انہیں استعمال کرنے کے بعد ان کی قیمت کا حساب کرتے ہیں، تو یہ استحسان کے طور پر جائز ہے۔ (درمختار، 7/28)

صدرُ الشّریعہ حضرت علّامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی "بہارِ شریعت" میں فرماتے ہیں: دوکانداروں کے یہاں سے خرچ کے لیے چیزیں منگالی جاتی ہیں اور خرچ کرڈالنے کے بعد ثمن (یعنی چیزوں کی قیمت) کا حساب ہوتا ہے، ایسا کرنا استحساناً جائز ہے۔ (بہارِ شریعت، 2/624)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

رَدّی کاغذات کی خرید و فروخت کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مُفتیانِ شرعِ مَتین اس مسئلے کے بارے میں کہ اُردو یا اور زَبان میں لکھے ہوئے کاغذ یا اخبارات کی دکانداروں کے ہاتھ خرید و فروخت کرنا اور اس سے مُنافع حاصل کرنا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: رَدّی کاغذات یا اخبارات کی وہ مقدار جو عرفاً مال سمجھی جاتی ہو اس کی خرید و فروخت جائز ہے اور اس پر ملنے والا منافع بھی جائز ہے۔

البتہ دو باتیں پیشِ نظر رہیں: (1) اگر ان میں آیات و احادیث یا اَسمائے مُعَظَّمہ (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ، انبیائے کرام اور فرشتوں وغیرہ کے نام) یا مسائلِ شرع ہوں تو ان کو دکانداروں کے ہاتھوں بیچنے کی اِجازت نہیں اور (2) اگر ان کاغذات میں یہ مُقدّس تحریرات نہ ہوں یا ان کو علیحدہ کر لیا گیا ہو تو اب بیچنے میں حَرَج نہیں چنانچہ امامِ اَہلِ سنّت، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرَّحمٰن اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: "جبکہ ان میں آیت یا حدیث یا اسمائے مُعَظَّمہ یا مسائلِ فِقہ ہوں تو (بیچنا) جائز نہیں ورنہ حَرَج نہیں ان اَوراق کو دیکھ کر اَشیائے مذکورہ ان میں سے علیحدہ کرلیں پھر بیچ سکتے ہیں۔ عالمگیری میں ہے: "لَایَجُوْزُ لَفُّ شَیْءٍ فِیْ کَاغَذٍ فِیْهِ مَکْتُوْبٌ مِنَ الْفِقْهِ وَفِی الْکَلَامِ اَلْاَوْلٰی اَنْ لَایَفْعَلَ، وَفِیْ کُتُبِ الطِّبِّ یَجُوْزُ، وَلَوْکَانَ فِیْهِ اِسْمُ اللّٰهِ تَعَالٰی اَوْ اِسْمُ النَّبِیِّ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یَجُوْزُ مَحْوُهٗ لِیَلُفَّ فِیْهِ شَیْءٌ" وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ یعنی کسی چیز کو کسی ایسے کاغذ میں لپیٹنا کہ جس میں عِلمِ فقہ کے مسائل لکھے ہوں جائز نہیں، اور کلام میں بہتر یہ ہے کہ ایسا نہ کیا جائے البتہ علمِ طب کی کتابوں میں ایسا کرنا جائز ہے اور اگر اس میں اللہ تعالیٰ کا مُقدّس نام یا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا اِسمِ گرامی تحریر ہو تو اسے مٹا دینا جائز ہے تاکہ اس میں کوئی چیز لپیٹی جاسکے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ بخوبی جانتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، 23/400)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کرنسی کی خرید و فروخت کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ بس اسٹاپ پر جو لوگ کھلے پیسے دیتے ہیں وہ 100 روپے کے نوٹ لے کر 90 روپے کے سکے دیتے ہیں، کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟ کہیں یہ سود تو نہیں ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: 100 روپے کے نوٹ لے کر 90 روپے کے سکے دیئے جائیں چاہے یہ لین دین دونوں طرف سے نقد ہو یا ایک طرف سے ادھار اور ایک طرف سے نقد ہو یہ دونوں صورتیں جائز ہیں اس میں سود نہیں ہے، کیونکہ جب 100 روپے کے نوٹ کے بدلے میں 90 روپے کے سکے دیئے جائیں گے تو اس میں نہ تو جنس ایک ہے اور نہ ہی قدر پائی جا رہی ہے تو کمی بیشی اور ادھار دونوں جائز ہوئے۔ جیسا کہ دُرِّ مختار میں ہے: وَاِنْ عُدِمَا حَلَّا لِعَدَمِ الْعِلَّةِ فَبَقِيَ عَلٰى اَصْلِ الْاِبَاحَةِ ترجمہ: اگر قدر و جنس دونوں نہ ہوں تو کمی بیشی اور ادھار دونوں جائز ہیں، علت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے، تو بیع اپنی اصلِ اباحت پر باقی رہے گی۔ (در مختار، 7/422)

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ یہ حکم نوٹ کے بدلے سکوں کا تھا کہ اس میں ایک طرف سے ادھار جائز ہے اگر 100 روپے کے نوٹ کے بدلے میں 90 روپے کے نوٹ دیئے جائیں تو یہ اس وقت جائز ہو گا جب دونوں طرف سے نقد ہو، کسی طرف سے ادھار نہ ہو، اگر کسی ایک طرف سے بھی ادھار ہو گا تو یہ جائز نہ

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری

ہو گا کیونکہ اس میں جنس ایک ہے لیکن قدر نہیں پائی جا رہی تو اس صورت میں اگرچہ کمی بیشی جائز ہے لیکن ادھار جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ دُرِّ مختار میں ہے: وَاِنْ وُجِدَ اَحَدُهُمَا اَيِ الْقَدْرُ وَحْدَهُ اَوِ الْجِنْسُ وَحْدَهُ حَلَّ الْفَضْلُ وَحَرُمَ النَّسَاءُ ترجمہ: اور اگر قدر و جنس میں سے کوئی ایک چیز پائی جائے یعنی صرف قدر پائی جائے یا صرف جنس پائی جائے تو اب کمی بیشی جائز ہے اور ادھار حرام ہے۔ (در مختار، 7/422)

وَاللهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

انسانی بالوں کی خرید و فروخت جائز نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں انسان کے بالوں کی خرید و فروخت کرنا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: انسان کے بالوں کی خرید و فروخت کرنا ناجائز و گناہ ہے۔ چنانچہ علّامہ شامی قدّس سرّہُ السّامی لکھتے ہیں: قَوْلُهٗ (وَشَعْرِ الْاِنْسَانِ) وَلَا يَجُوْزُ الْاِنْتِفَاعُ بِهٖ یعنی: انسان کے بالوں کی بیع اور ان سے نفع حاصل کرنا ناجائز ہے۔ (ردالمحتار علی در المختار، 7/245) اسی طرح بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے: قَوْلُهٗ (وَشَعْرِ الْاِنْسَانِ وَالْاِنْتِفَاعِ بِهٖ) اَيْ لَمْ يَجُزْ بَيْعُهٗ وَالْاِنْتِفَاعُ بِهٖ۔ یعنی: انسان کے بالوں کی بیع اور ان سے نفع حاصل کرنا ناجائز ہے۔ (بحر الرائق، 6/133)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی لکھتے ہیں: انسان کے بال کی بیع درست نہیں اور انہیں کام میں لانا بھی جائز نہیں، مثلاً ان کی چوٹیاں بنا کر عورتیں استعمال کریں حرام ہے، حدیث میں اس پر لعنت فرمائی۔ (بہارِ شریعت، 2/700)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

سیونگ اکاؤنٹ کا نفع سود ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ زید حصولِ رزقِ حلال کے لئے جائز کاروبار کرتا ہے، لیکن مختلف لوگ ناحق اس سے رقم کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں اور زید کو مجبوراً رقم دینا پڑتی ہے، جس کی وجہ سے زید کا یہ ذہن بنا کہ بینک میں سیونگ اکاؤنٹ کھلوالیا جائے اور نفع میں ملنے والی رقم ایسے لوگوں کو دے کر جان چھڑالی جائے، تو مذکورہ صورت میں کیا یہ اکاؤنٹ کھلوانا جائز ہے؟ نیز نفع میں ملنے والی رقم کسی کارِ خیر میں بِلانیّتِ ثواب دینا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: لوگوں کا زید سے ناحق رقم لینا اگرچہ ناجائز ہے لیکن اس کی وجہ سے زید کو بینک میں سیونگ اکاؤنٹ کھلوانے کی اجازت نہیں ہوگی، سیونگ اکاؤنٹ کا نفع سود ہوتا ہے اور سود کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرام فرمایا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قراٰنِ پاک میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾

ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ نے حلال کیا بیع اور حرام کیا سود۔

(پ3، البقرۃ:275)

حدیثِ پاک میں ہے: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰه صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم اٰكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ یعنی رسولِ اکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اسکے گواہوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ یہ تمام لوگ برابر ہیں۔ (مسلم، ص663، حدیث:4093)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

قربانی کے جانور کی کھال اُجرت میں دینا جائز نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ قربانی کا جانور ذبح کرنے والے قصاب کو ذبح کرنے اور گوشت بنانے کے بدلے قربانی کی کھال بطورِ اُجرت دے سکتے ہیں یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: قصاب کو اُجرت کے طور پر قربانی کے جانور کی کوئی چیز مثلاً گوشت، سِری، پائے یا کھال وغیرہ دینا جائز نہیں بلکہ اس کے لئے الگ سے اُجرت طے کریں۔

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: لَا يُعْطٰى اَجْرُ الْجَزَّارِ مِنْهَا لِاَنَّهٗ كَبَيْعٍ ترجمہ: ذبح کرنے والے کو قربانی میں سے کوئی چیز بطورِ اُجرت نہیں دے سکتے کیونکہ یہ بھی بیع (خرید و فروخت) ہی کی طرح ہے۔ (درمختار، 9/543)

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ایک مقام پر قربانی کی کسی چیز کو اُجرت کے طور پر دینے کا حکم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: اگر یہ اجرت قرار پائی تو حرام ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، 20/449)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: قربانی کا چمڑا یا گوشت یا اس میں کی کوئی چیز قصاب یا ذبح کرنے والے کو اجرت میں نہیں دے سکتا۔

(بہارِ شریعت، 3/346)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

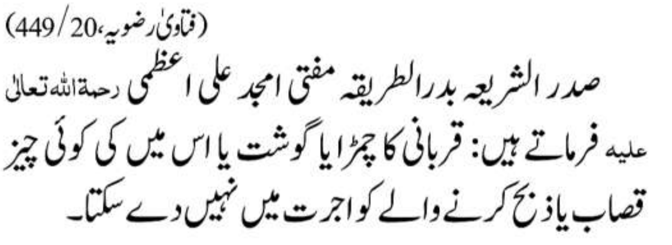

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

سونے کو سونے کے بدلے بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم سونے کے زیور بناتے ہیں اور دکانداروں کو بیچتے ہیں اس میں ہمارا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ ہم جب سونا بیچتے ہیں تو اس کے بدلے سونا ہی لیتے ہیں مثال کے طور پر اگر دس تولے سونا ہم نے دکاندار کو بیچا تو اس کے بدلے میں دس تولہ سونا ہی لیتے ہیں لیکن دکاندار ایک تولہ سونا نَقد دیتا ہے اور بقیہ سونا ادھار کرلیتا ہے۔ اس طرح عَقْد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے دکاندار کارخانہ والے سے زیورات خرید تا ہے وہ چوبیس کیرٹ (Karat) کے نہیں ہوتے لیکن ان کے بدلہ جو سونا وہ حاصل کرتا ہے وہ چوبیس کیرٹ کا ہوتا ہے۔

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

یہ عقد صرف ناجائز ہی نہیں بلکہ خالص سُودی معاملہ ہے ایسا کرنا حرام اور جو آمدنی حاصل ہو وہ سود اور مالِ حرام ہے۔ حدیثِ پاک میں فرمایا گیا کہ جب سونا بیچو تو ہاتھوں ہاتھ اور برابر برابر بیچو لیکن آپ کا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ سونے کو سونے کے بدلے میں ادھار بیچا جارہا ہے، لہٰذا خاص سودی معاملہ ہوا۔ حدیثِ پاک میں ہے "عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ، قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَلذَّھَبُ بِالذَّھَبِ، وَالْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلاً بِمِثْلٍ، یَداً بِیَدٍ، فَمَنْ زَادَ، اَوِ اسْتَزَادَ، فَقَدْ اَرْبٰی، اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِی فِیْہِ سَوَاءٌ"

ترجمہ: حضرت سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا کہ سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جَو جَو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، اور نمک نمک کے بدلے برابر برابر اور ہاتھوں ہاتھ بیچا جائے، پس جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا اس نے سودی معاملہ کیا، اس معاملے میں لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔ (مسلم، ص659، حدیث:4064)

صدرُ الشّریعہ بدرُ الطّریقہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی لکھتے ہیں: چاندی کی چاندی سے یا سونے کی سونے سے بیع ہوئی یعنی دونوں طرف ایک ہی جنس ہے تو شرط یہ ہے کہ دونوں وَزن میں برابر ہوں اور اُسی مجلس میں دست بَدَست (ہاتھوں ہاتھ) قبضہ ہو یعنی ہر ایک دوسرے کی چیز اپنے فعل سے قبضہ میں لائے، اگر عاقدین (سودا کرنے والوں) نے ہاتھ سے قبضہ نہیں کیا بلکہ فرض کرو عقد کے بعد وہاں اپنی چیز رکھ دی اور اُس کی چیز لے کر چلا آیا، یہ کافی نہیں ہے اور اس طرح کرنے سے بیع ناجائز ہوگئی بلکہ سود ہوا۔ (بہار شریعت،2/821)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

افیون کی تجارت کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اَفیُون کی تجارت کرنا کیسا؟ یہ بہت ساری دواؤں میں بھی استعمال ہوتی ہے۔

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

ملکی قوانین اگر افیون کو بیچنا مطلقاً جرم قرار دیتے ہوں تو شرعاً بھی ایسی تجارت سے بچنا واجب ہو گا، البتہ چونکہ افیون خود کوئی ناپاک چیز نہیں ہے بلکہ اس کا کثیر استعمال نشہ لاتا ہے قلیل نہیں اور دواؤں میں بھی اس کا استعمال ہوتا رہاہے، اس بِنا پر افیون کی تجارت فی نفسہٖ حرام کام نہیں لیکن نشے والوں کے ہاتھ بیچنا ناجائز ہے اور دوا بنانے والوں کو بیچنا جائز ہو گا۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرَّحمٰن سے سوال ہوا کہ "افیون کی تجارت اور اس کی دکان کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب ارشاد فرمایا: "افیون کی تجارت دوا کے لئے جائز اور افیونی کے ہاتھ بیچنا ناجائز ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ، 601/23)

اسی طرح فتاویٰ امجدیہ میں ہے: افیون کا کھانا ناجائز، مگر جبکہ دوا میں اتنی قلیل ملائی گئی کہ اس دوا کے کھانے سے حواس پر اثر نہ ہو تو جائز ہے۔ لہٰذا اس کی بیع و شِراء (خرید و فروخت) جائز ہے، البتہ اس کی بیع (فروخت) ایسے شخص سے کرنا جو اسے ناجائز طور پر کھاتا ہو ممنوع ہے کہ مَعْصِیَت (گناہ) پر اِعانت (مدد کرنا) ہے۔"

(فتاویٰ امجدیہ، 182/2)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

آن لائن (Online) خرید و فروخت سے متعلق اہم مسئلہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اَشیاء کی تَشْہِیر (Advertisement) کرتے وقت پہلے انٹرنیٹ پر مصنوعات (Products) کی تصاویر لگائی جاتی ہیں پھر ان کو دیکھ کر پسند آنے کی صورت میں خرید و فروخت کی جاتی ہے اور اس کے بعد گاہک آن لائن (Online) رقم ادا کر دیتا ہے۔ بسا اوقات بیچی گئی چیز سودا ہونے تک پراڈکٹ (Product) تشہیر کرنے والے کی ملکیت میں نہیں ہوتی البتہ سودا ہونے کے بعد وہ کسی اور سے خرید کر اس کو بھجوا دیتا ہے جس نے پہلے سے رقم دے دی تھی تو اس کا کیا حکم ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

اگر واقعی ایسا ہے کہ سودا کرتے وقت بیچنے والے کی ملکیت میں وہ چیز نہیں ہوتی تو ایسا سودا کرنا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے: "كُلُّ مَا اَوْرَثَ خَلَلاً فِیْ رُكْنِ الْبَيْعِ فَهُوَ مُبْطِلٌ" یعنی ہر وہ چیز جو بیع کے رکن میں خلل پیدا کرے وہ بیع کو باطل کرنے والی ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، 233/7)

علامہ شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی بیع کی شرائط ذکر کرتے ہوئے ردالمحتار میں ارشاد فرماتے ہیں: "كَوْنُهٗ مَوْجُوْداً مَالاً مُتَقَوِّماً مَمْلُوْكاً فِیْ نَفْسِهٖ، وَكَوْنُ الْمِلْكِ لِلْبَائِعِ فِيْمَا يَبِيْعُهٗ لِنَفْسِهٖ" یعنی مَبِیْع (یعنی بیچی جانے والی چیز) کا موجود ہونا، مالِ متقوم[1] ہونا، اپنی ملکیت میں ہونا اور جس کو بائع اپنے لئے بیچ رہا ہے تو وہ اس کی مِلک میں ہونا ضروری ہے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، 13/7)

مفتی امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی بہارِ شریعت میں ارشاد فرماتے ہیں: "بیعِ باطل کا حکم یہ ہے کہ مبیع (یعنی بیچی جانے والی چیز) پر اگر مُشْتَرِی (خریدار) کا قبضہ بھی ہو جائے جب بھی مشتری (خریدار) اس کا مالک نہیں ہو گا اور مشتری کا وہ قبضہ قبضۂ امانت قرار پائے گا۔" (بہارِ شریعت، 701/2)

مذکورہ سودے پر مزید بھی تحفظات ہیں لیکن چونکہ سوال میل کے ذریعے وصول ہوا ہے اس لئے بقیہ اُمور کا تَعَیُّن نہ ہونے پر کلام کرنا ممکن نہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

---

(1) ایسا مال جو جمع کیا جا سکتا ہو اور شرعاً اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہو۔

(ردالمحتار، 8/7)

احکامِ تجارت

تاجروں کے لئے

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

مارکیٹ ریٹ سے مہنگی شے بیچنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اِس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص بغیر دھوکا دہی کے کسی شخص کو مارکیٹ ریٹ(Market rate) سے تین گنا زیادہ مہنگی چیز بیچ دیتا ہے تو کیا معلوم ہونے پر خریدار کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ اُس سودے کو کینسل (Cancel) کر دے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں اگر بیچنے والے نے مارکیٹ ریٹ سے تین گنا زیادہ بیچنے میں کسی قسم کا دھوکا نہیں دیا تو باہمی رضامندی سے منعقد ہونے والے اِس سودے کو اب خریدار کینسل نہیں کر سکتا ہاں اگر دھوکے کی صورت پائی گئی تو پھر خریدار اِس سودے کو کینسل کرا سکتا ہے۔ اِس صورت میں دھوکے کی مثال فُقَہائے کرام یہ بیان فرماتے ہیں مثلاً بیچنے والا خریدار سے کہے میرے اِس سامان کی اِتنی قیمت ہے یا میرا یہ سامان اتنی قیمت کے مُساوی ہے بیچنے والے کی اس بات پر اِعتبار کرتے ہوئے خریدار وہ چیز خرید لے پھر اسے عِلم ہو کہ بائع (بیچنے والے) کی بات درست نہیں ہے اور اِس چیز کی قیمت کم ہے تو بیچنے والے کے اِس دھوکے کی وجہ سے خریدار وہ چیز واپس کر سکتا ہے جب کہ کسی اور وجہ سے شرعاً واپسی کا حق ختم نہ ہو گیا ہو۔

تبیینُ الحقائق میں ہے: جب بائع نے مشتری (خریدنے والے) سے کہا: میرے سامان کی قیمت اتنی ہے یا کہا: میرا سامان اتنے کے برابر ہے خریدار نے اِس پر بِنا کرتے ہوئے خرید لیا پھر اِس کا خلاف ظاہر ہوا تو بائع کے خریدار کو دھوکا دینے کے سبب خریدار کے لئے اِس بیع کو رَدّ کرنے کا اِختیار ہو گا اور اگر ایسا کچھ نہیں کہا تو اب بیع رد کرنے کا حق نہیں ہو گا۔ بعض فقہاء نے فرمایا کہ بیع جس طرح بھی ہو رَد نہیں کر سکتے مگر صحیح یہ ہے کہ اگر دھوکا ہوا ہے تو رد کا حکم دیا جائے گا ورنہ رد کا حکم نہیں۔

(تبیینُ الحقائق،4/436)

صَدرُ الشَّریعہ بَدرُ الطَّریقہ مفتی محمد امجد علی اَعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی اِرشاد فرماتے ہیں: کوئی چیز غَبنِ فاحِش کے ساتھ خریدی ہے اُس کی دو صورتیں ہیں دھوکا دے کر نقصان پُہنچایا ہے یا نہیں اگر غَبنِ فاحِش کے ساتھ دھوکا بھی ہے تو واپس کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ غَبنِ فاحِش کا یہ مطلب ہے کہ اتنا ٹوٹا (گھاٹا) ہے جو مُقوِّمِین (قیمت لگانے والوں) کے اندازہ سے باہر ہو مثلاً ایک چیز دَس روپے میں خریدی کوئی اُس کی قیمت پانچ بتاتا ہے کوئی چھ کوئی سات تو یہ غَبنِ فاحش ہے اور اگر اُس کی قیمت کوئی آٹھ(8) بتاتا کوئی نو(9) کوئی دس(10) تو غبنِ یسیر ہوتا ہے۔ دھوکے کی تین صورتیں ہیں کبھی بائع مشتری کو دھوکا دیتا ہے پانچ کی چیز دس میں بیچ دیتا ہے اور کبھی مشتری بائع کو کہ دس کی چیز پانچ میں خرید لیتا ہے کبھی دَلّال (سودا کرانے والا) دُھوکا دیتا ہے اِن تینوں صورتوں میں جس کو غبنِ فاحش کے ساتھ نقصان پہنچا ہے واپس کر سکتا ہے اور اگر اجنبی شخص نے دھوکا دیا ہو تو واپس نہیں کر سکتا۔ (بہارِ شریعت،2/691)

وَاللهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

سودے میں لگائی گئی ایک غلط شرط

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اِس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل گاڑیوں کی خرید و فروخت میں یہ طریقہ بھی رائج ہو گیا ہے کہ مثلاً ایک لاکھ روپے کا رکشا خرید کر آگے ڈیڑھ لاکھ روپے میں قسطوں پر فروخت کیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ بقیہ رقم گاڑی پر ہے گاڑی چلتی رہے گی اور قسطیں بھی ادا ہوتی رہیں گی لیکن قسط مکمل ہونے سے پہلے اگر گاڑی کسی حادثہ کا شکار ہو گئی، جل گئی یا چوری ہو گئی اس صورت میں بقیہ قسطیں ساقط ہو جائیں گی یعنی بائع (بیچنے والے) کو خریدار سے بقیہ رقم کے مطالبے کا حق نہ ہو گا کیا یہ صورت جائز ہے؟ اس بارے میں راہنمائی فرمادیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: سوال میں بیان کی گئی صورت عَقدِ فاسِد اور ناجائز ہے۔ خرید و فروخت میں اَصْل یہ ہے کہ جب کوئی بھی چیز کسی مُعاوضہ یا قیمت کے بدلے بیچی جاتی ہے تو سودا ہوتے ہی خریدار مال کا مالک ہو جاتا ہے اور بیچنے والا مُعاوضہ یا ثَمَن یعنی قیمت کا مستحق ہو جاتا ہے اور اُدھار کا سودا ہو تو مال خریدنے والے کے ذِمَّہ قیمت کی اَدائیگی دَین (یعنی قرض) ہوتی ہے جو کہ اُس پر واجبُ الاَدا رہے گی۔

پوچھی گئی صورت میں سودے میں ایسی شرط شامل ہے جو خریدار کے فائدے پر مشتمل ہے اور سودا ایسی شرط کا تقاضا نہیں کرتا کیوں کہ سودے کا تقاضا یہ ہے کہ جو قیمت طے ہوئی ہے وہ ہی ادا کی جائے لہٰذا ایسی شرط کی موجودگی میں یہ سودا عَقدِ فاسِد اور ناجائز ہے۔

النہر الفائق میں ہے: یعنی ہر شرط بیع کو فاسد نہیں کرتی بلکہ ضروری ہے کہ وہ شرط ایسی ہو جس کا عَقد تقاضا نہ کرے اور نہ ہی وہ عقد کے مناسب ہو، نہ ہی لوگوں کے درمیان مُتَعَارَف ہو اور اُس میں متعاقدین میں کسی ایک یا مبیع کا نفع ہو جب کہ وہ اس کے اہل ہوں۔ (النہر الفائق، 3/434)

نفع کی وضاحت کرتے ہوئے رَدُّالمحتار میں ہے: اَلْمُرَادُ بِالنَّفْعِ مَا شُرِطَ مِنْ اَحَدِ الْعَاقِدَيْنِ عَلَى الْآخَرِ یعنی نفع سے مراد وہ شرط ہے جو فریقین میں سے کوئی ایک دوسرے پر نافذ کر دے۔ (ردالمحتار، 7/284)

بیع فاسِد کے متعلق رَدُّالمحتار میں ہے: اَنَّهُ مَعْصِيَةٌ يَجِبُ رَفْعُهَا یعنی بیع فاسِد گناہ ہے اور اِس کو ختم کرنا واجِب ہے۔ (رَدُّالمحتار، 7/232)

صَدرُ الشَّریعَہ بَدرُ الطَّریقَہ مفتی محمد امجد علی اَعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی اِرشاد فرماتے ہیں: جو شرط مُقتَضَائے عَقد کے خلاف ہو اور اُس میں بائع یا مُشتَری یا خود مبیع کا فائدہ ہو (جب کہ مبیع اہلِ اِستحقاق سے ہو) وہ بیع کو فاسد کر دیتی ہے۔ (بہار شریعت، 2/702)

بَہارِ شریعَت میں ہے: جس بیع میں مبیع یا ثمن مجہول ہے وہ بیع فاسد ہے۔ (بہار شریعت، 2/711)

بیع فاسد کا حکم بیان کرتے ہوئے سیّدی اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: پس بائع و مشتری دونوں گناہ گار ہوئے اور دونوں پر بحکمِ شرع واجب ہے کہ اپنی اِس بیع کو فسخ کریں۔ (فتاویٰ رضویہ، 17/153)

واضح رہے کہ بطورِ رحم و شفقت مال بیچنے والے کو اِس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی مشکل کی بنا پر سودے کی بقیہ قسطیں یا کُل رقم چاہے تو معاف کر دے لیکن یہ ایک اختیاری معاملہ ہے وہ چاہے تو معاف کرے چاہے نہ کرے لیکن اِس اختیار کو سودے کے معاہدہ کا حصہ نہیں بنایا جا سکتا کہ ایسا ہونے پر اَوّل تو یہ اختیار لُزوم کی شکل اختیار کر گیا، دُوُم یہ کہ سودا ایسی شرط کا تقاضا نہیں کرتا۔ لہٰذا یہ دونوں الگ الگ صورتیں ہیں ان کے فرق کا لحاظ واجب ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

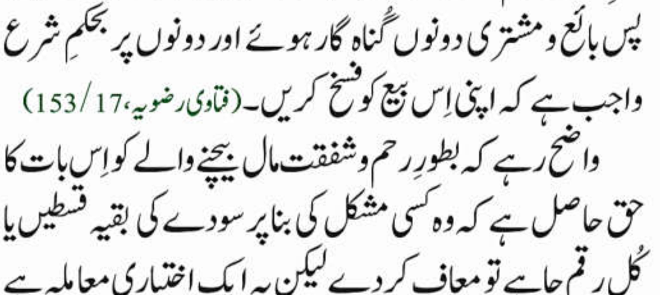

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

پرانی ادویات کو نئی قیمت پر فروخت کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں میڈیکل اسٹور (Medical Store) چلاتا ہوں کچھ ادویات ہمارے پاس اسٹاک (Stock) رکھی ہوتی ہیں بسا اوقات ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے تو اب سوال یہ ہے کہ کیا ہم ان ادویات کو نئی قیمت پر فروخت کرسکتے ہیں یا ہمیں اِن ادویات کو پرانی قیمت پر ہی فروخت کرنا ہوگا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جب دکاندار نے کوئی مال خرید لیا تو دکاندار اس مال کا مالک بن گیا اب وہ اس مال کو اپنی مرضی اور منشا کے مطابق فروخت کرسکتا ہے، اصولی طور پر تو وہ مالک ہے، جتنے کا چاہے فروخت کرے، البتہ فقہائے کرام نے حکام کو بھی یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اشیاء کی قیمتیں مقرر کرسکتے ہیں۔

لہٰذا اگر حکومت کی طرف سے کسی چیز کے ریٹ مقرر کردیئے جاتے ہیں اور مہنگا بیچنے پر قانونی معاملات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے تو پھر ظاہر ہے کہ ہمیں قانون کے مطابق اپنی اشیا کو فروخت کرنا ہوگا کہ وہ جائز بات جس سے قانون روکتا ہو اس سے باز رہنا شرعاً بھی واجب ہو جائے گا۔

لہٰذا اگر پرانے اسٹاک کے بارے میں قانون خاموش ہو یا نئی قیمت سے بیچنے پر پابندی نہ ہو تو آپ پرانے اسٹاک کو نئی قیمت سے فروخت کرسکتے ہیں اگر قانونی پابندی ہو تو پھر قانون پر عمل کرنا لازم ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

زمین بیچتے ہوئے شرط لگانا کہ واپس مجھے ہی بیچی جائے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا میں اپنی زمین کسی کو اس طرح فروخت کرسکتا ہوں کہ خریدار سے کہوں کہ میں آپ کو یہ زمین آٹھ ماہ کے لیے چھ لاکھ کی فروخت کرتا ہوں لیکن آپ یہ زمین کسی اور کو فروخت نہیں کروگے بلکہ آٹھ ماہ بعد چھ لاکھ پچاس ہزار کی مجھے ہی فروخت کروگے کیا میرا اس طرح اپنی زمین فروخت کرنا درست ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں آپ کا اس طرح اپنی زمین فروخت کرنا جائز نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ خرید و فروخت کے کچھ مقاصد ہوتے ہیں جن میں سب سے بڑا مقصد انتقالِ ملکیت ہے یعنی مال بیچنے والے کی ملکیت سے نکل کر خریدنے والے کی ملکیت میں چلا جائے۔ اب خریداری کے بعد خریدنے والا اُس کے سیاہ و سفید کا مالک اور خود مختار ہوتا ہے کہ جو چاہے کرے۔ جو شرطیں آپ بیان کررہے ہے کہ ”آٹھ مہینے کے لیے بیچ رہا ہوں اور مجھے ہی واپس بیچنا ہوگی“ یہ شرط فاسد ہے جو سودے کو خراب کردیتی ہے اس طرح کے سودے سے بچنا شرعاً واجب ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اُجرت طے کئے بغیر بال کٹوانا جائز نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے کسی غیر مسلم نائی(Barber) سے بالوں کی کٹنگ کروائی لیکن اجرت طے نہ کی، کٹنگ کروانے کے بعد زید نے نائی کو کچھ رقم دی تو نائی نے خاموشی سے لے لی۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کرنا درست ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اُجرت طے کئے بغیر بالوں کی کٹنگ کروانا جائز نہیں، کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب آپ کسی سے ایسی جائز خدمات لیتے ہیں جو قابلِ معاوضہ ہوں، مثلاً بال بنوانے وغیرہ کی خدمات اور معاوضہ طے نہ کیا جائے تو ایسا کرنا جائز نہیں۔ ایسی صورت میں اُجرتِ مثل دینا ہوگی مطلب یہ کہ مارکیٹ میں جو اس کام کی اُجرت رائج ہے وہ دی جائے گی۔ البتہ اگر پہلے سے ریٹ مشہور ہیں یا فریقین ریٹ سے واقف ہیں تو ہر دفعہ ریٹ طے کرنا ضروری نہیں ہوگا۔ البتہ صورتِ مسئولہ میں کیا جانے والا عقد غیر مسلم سے کیا گیا ہے تو اس فعل کو کسی صورت میں بھی ناجائز قرار نہیں دیں گے کہ مسلم اور کافر حربی کے درمیان عقودِ فاسدہ جائز ہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کام کرنے پر اُجرت کی بجائے گفٹ(Gift) طے کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کمپنی کی پروڈکٹس (Products) بیچتا ہے کمپنی ایک ٹارگٹ(Target) دیتی ہے باقاعدہ کوئی اجارہ نہیں کرتی مثلاً یوں کہتی ہے کہ اگر آپ ایک لاکھ کا ٹارگٹ پورے کریں گے تو آپ کو چالیس ہزار کا گفٹ(Gift) دیا جائے گا۔ کیا اس طرح عقد کرنا درست ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: صورتِ مسئولہ(پوچھی گئی صورت) میں جسے گفٹ (Gift) کہا گیا ہے دراصل یہی اسکی اجرت ہے۔ اور بعض صورتوں میں اجرت الگ سے طے ہوتی ہے اور ٹارگٹ پورا کرنے پر کمیشن بطورِ گفٹ الگ سے بھی دیا جاتا ہے۔ شریعت کا اصول یہ ہے کہ اَلْاِعْتِبَارُ لِلْمَعَانِیْ لَا لِلْاَلْفَاظِ مطلب یہ کہ اس طرح کے سودوں میں الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے، لہٰذا اس صورت میں کہ جب تنخواہ کا بالکل ذکر نہیں کیا گیا تو جسے گفٹ کہا جارہا ہے یہ ہی اصل اجرت ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

پرائز بانڈ (Prize Bond) کی خرید وفروخت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ پرائز بانڈ جو خریدے جاتے ہیں اس کو رکھا جاتا ہے اس کے بعد اگر نہ لگے تو اس کو کیش کروالیتے ہیں۔ آیا اس پر جو انعام نکلتا ہے وہ حلال ہے یا حرام ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پرائز بانڈز (Prize Bonds) کا خریدنا، بیچنا جائز اور اس پر ملنے والا انعام حلال ہے۔ البتہ پاکستانی حکومت نے حال ہی میں جو چالیس ہزار (40,000) والے پریمئیم بانڈز (Premium Bonds) جاری کئے ہیں یہ سودی بانڈز ہیں انکی خرید وفروخت کرنا اور ان پر ملنے والا نفع لینا ناجائز وحرام ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی*

کھانا کھائے بغیر کمپنی سے کھانے کے پیسے وصول کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں غلہ منڈی میں کام کرتا ہوں میری تنخواہ طے ہے، نیز مجھے تین وقت کھانا کھانے کی سہولت موجود ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں تین وقت کا کھانا نہیں کھاتا اب جب ہفتے بعد حساب ہوتا ہے کہ جس نے جتنے کا کھانا کھایا ہے وہ اپنے پیسے لے لے تو کیا میں اس وقت کے پیسے لے سکتا ہوں جس وقت میں نے کھانا نہیں کھایا تھا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں اگر سیٹھ نے آپ کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ چاہے آپ کھانا کھائیں یا نہ کھائیں ہم آپ کو کھانے کے پیسے دیں گے تو اس صورت میں ہفتہ بعد جب حساب ہو تو آپ اس وقت کے کھانے کے پیسے بھی لے سکتے ہیں کہ جس وقت آپ نے کھانا نہیں کھایا تھا لیکن اگر سیٹھ کی طرف سے صرف یہ سہولت موجود ہو کہ کھانا کھائیں گے تو پیسے دیں گے اور اگر کھانا نہیں کھائیں گے تو پیسے نہیں ملیں گے تو اس صورت میں آپ کا اس وقت کے کھانے کے پیسے لینا کہ جس وقت آپ نے کھانا نہیں کھایا تھا جائز نہیں۔ اگر آپ اس وقت کے پیسے لیں گے تو یہ جھوٹ اور دھوکا ہوگا اور وہ پیسے آپ کے لیے حلال بھی نہیں ہونگے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم

Goodwill کا عوض طلب کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض اوقات شراکت داری میں اس طرح ہوتا ہے کہ اگر کاروبار نقصان میں جارہا ہو تو پرانے پارٹنر کاروبار کو بہتر بنانے کے لیے نئے پارٹنر کو شامل کرتے ہیں تو نیا پارٹنر پرانے پارٹنر سے کہتا ہے کہ مارکیٹ میں میری گُڈوِل (Goodwill) زیادہ ہے اس لیے مثال کے طور پر اگر میں ایک لاکھ بزنس میں لاؤں تو مجھے ڈیڑھ لاکھ کا کیپیٹل دیا جائے یعنی اسکا حق پچاس ہزار اضافی بڑھایا جائے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں محض گُڈوِل (Goodwill) کی بنیاد پر کیپیٹل میں اضافہ کروانا شرعاً درست نہیں کیونکہ گُڈوِل (Goodwill) کی حیثیت ایک منفعت کی سی ہے یہ کوئی مال نہیں ہے کہ جس کے عوض میں کچھ لیا جائے۔ لہٰذا نئے پارٹنر کا کیپیٹل اتنا ہی شو (Show) کریں گے جتنا اس نے دیا ہے اگر ایک لاکھ کا کیپیٹل ہے تو ڈیڑھ لاکھ شو (Show) کرنا جائز نہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم

دفعِ ظلم کے لیے رشوت دینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ڈرائیور ہوں ہم کسی جگہ سے گاڑی بھرتے ہیں تو چیک پوائنٹ پر ہمیں رشوت دیئے بغیر نہیں چھوڑا جاتا میرا سوال یہ

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، باب المدینہ کراچی

ہے کہ کیا ہمارا ایسے موقع پر رشوت دینا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں اگر آپ نے کسی ایسی جگہ سے مٹی یا بجری کی گاڑی بھری جہاں سے مٹی بھرنے سے گورنمنٹ نے منع کیا ہوا تھا لیکن پھر بھی آپ نے گاڑی بھری اور آپ کو چیک پوائنٹ پر روک لیا گیا جس کے نتیجے میں آپ کو رشوت دینا پڑی تو اس صورت میں آپ کا رشوت دینا اور ان کا لینا دونوں ناجائز اور حرام ہے۔ البتہ اگر کسی ایسی جگہ سے آپ نے گاڑی بھری جہاں سے گاڑی بھرنے پر کسی قسم کی کوئی قانونی پابندی عائد نہیں تھی اگر کسی حکومتی پرمٹ یا لائسنس کی ضرورت تھی تو وہ بھی آپ کے پاس موجود تھا نیز ڈرائیور اور گاڑی کے کاغذات بھی مکمل تھے الغرض آپ کی طرف سے کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں برتی گئی تھی لیکن پھر بھی آپ کو رشوت لیے بغیر نہیں چھوڑتے تو ایسی صورت میں آپ کو دفعِ ظلم کی وجہ سے رشوت دینا تو جائز ہے البتہ ان لوگوں کا رشوت لینا ناجائز اور حرام ہی ہوگا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

نقد اور اُدھار کی قیمتوں میں فرق کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دکاندار سے اس طرح کھاد خریدنا کیسا کہ نقد خریدیں گے تو 500 روپے کی اور ادھار خریدیں گے تو 550 روپے کی؟ نیز اس صورت میں جو اضافی پیسے دیئے گئے یہ درست ہے یا نہیں؟ اور اس طرح سے جو آمدنی حاصل ہوگی کیا وہ حلال ہوگی یا حرام؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں دکاندار سے اس طرح کھاد خریدنا بالکل جائز ہے کہ نقد فی بوری 500 روپے کی اور ادھار 550 روپے کی۔ اس طرح خرید و فروخت کرنے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں جبکہ قیمت کے یہ مختلف آپشنز صرف سودا مکمل ہونے سے پہلے بارگیننگ کرتے ہوئے دیئے گئے ہوں اور سودا کسی ایک قیمت پر ہی طے ہو۔ واضح رہے اگر یہ طے ہوا کہ مقررہ وقت سے تاخیر کرنے کی صورت میں اتنی رقم مزید دینا ہوگی تو یہ درست نہیں بلکہ ایسی شرط سودے کو فاسد کردے گی اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی حلال نہ ہوگی۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

ایڈوانس رقم دے کر پورے ماہ خریداری کرتے رہنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک صاحب نے ایک سبزی والا گھر لگوایا ہوا ہے وہ مہینے کے شروع میں اس کو پانچ سو روپے دے دیتے ہیں اور پھر وہ سارا مہینا بغیر تولے ایک تھیلی سبزی کی تیار کرکے ان کے گھر دیتا رہتا ہے اب ان کا یہ سبزی لینا اور اسے استعمال کرنا کیسا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: مذکورہ طریقہ جائز نہیں۔ اول تو اس میں یہ ہی طے نہیں کہ کیا سبزی لی جائے گی اور کتنی لی جائے گی حالانکہ خریدی گئی چیز کا ریٹ طے کرنا اور مقدار طے کرنا ضروری ہوتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طرح پیشگی یا ایڈوانس میں رقم رکھوا کر پورے مہینے خریداری کرتے رہنے سے بھی فقہاء نے منع فرمایا ہے۔

چنانچہ صدر الشریعہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی لکھتے ہیں: ”پنساری کو روپیہ دیتے ہیں اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ روپیہ سودے میں کٹتا رہے گا یا دیتے وقت یہ شرط نہ ہو کہ سودے میں کٹ جائے گا مگر معلوم ہے کہ یونہی کیا جائے گا تو اس طرح روپیہ دینا ممنوع ہے کہ اس قرض سے یہ نفع ہوا کہ اس کے پاس رہنے میں اس کے ضائع ہونے کا احتمال تھا اب یہ احتمال جاتا رہا اور قرض سے نفع اٹھانا ناجائز ہے۔“ (بہارِ شریعت، 3/481)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی*

Rulings of Trade
اَحکامِ تجارت

گاہک کو کسی اور کے پاس بھیجنے پر کمیشن لینا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا کام ویب ڈیزائننگ (Designing) کا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم سے کوئی ویب سائٹ بنوانے کے لئے میل یا فون پر رابطہ کرتا ہے لیکن وقت نہ ہونے کی وجہ سے ہم اُسے کسی اور کے پاس بھیج دیتے ہیں اور جس کے پاس ہم نے یہ گاہک ریفر (Refer) کیا اس سے کچھ نفع طے کر لیتے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں ہمارا اس ویب سائٹ بنانے والے سے نفع لینا درست ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: صورتِ مسئولہ میں فقط آپ کا اس کسٹمر کو دوسرے ویب ڈیزائنر (Web Designer) کے پاس ریفر کرنے پر معاوضہ یا کمیشن لینا درست نہیں کیونکہ دوسرے کے پاس بھیجنا کوئی ایسا کام نہیں جس پر معاوضہ لیا جائے، البتہ اگر آپ عرف کے مطابق کچھ محنت کریں، بھاگ دوڑ کریں اپنا وقت صرف کریں تو پھر آپ کیلئے کمیشن لینا درست ہو جائے گا۔ محض زبانی جمع خرچ کو فقہاء نے اس مسئلہ میں قابلِ معاوضہ کام میں شمار نہیں کیا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

دکاندار سے گاہک لانے پر کمیشن وصول کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ میرا فرنیچر کا کام ہے، جب میں کسی پارٹی کو پلائی یا ہارڈویئر وغیرہ دلانے کسی دکان پر لے جاتا ہوں تو میں اس دکاندار سے ایک طے شدہ کمیشن لیتا ہوں، کیا میرا اس دکاندار سے کمیشن لینا درست ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں جب آپ گاہک کے ساتھ دکاندار کے پاس جارہے ہیں اور اس کی خریداری میں مدد کریں گے اور کوالٹی سے متعلق معلومات کے ذریعے فائدہ پہنچائیں گے تو ایسا کام ایک بامقصد کام ہے اس سے کوئی انکار نہیں لیکن اس کام پر دکاندار سے کمیشن لینے کے حوالے سے دو باتوں کو مدِّ نظر رکھنا ضروری ہے۔

اوّل یہ کہ جس شخص کو آپ دکاندار کے پاس لے کر جا رہے ہیں، آپ اس کے لئے بلا معاوضہ کام کر رہے ہوں کیونکہ جسے معاوضہ دے کر لے جایا جائے وہ اجیر ہوتا ہے اور اجیر وکیل ہوتا ہے اور وکیل کو یہ استحقاق نہیں کہ وہ سامنے والے سے بھی اجرت لے۔ (اِلَّا فِی الْاُمُوْرِ الْمُسْتَثْنَاةِ بِالْعُرْفِ)

دوسری چیز یہ ہے کہ آپ نے دکاندار کے ساتھ پہلے سے معاہدہ کیا ہوا ہو کہ اس طرز کا گاہک آپ لے کر آئیں گے تو اتنا معاوضہ آپ کو ملے گا۔ یہ نہ ہو کہ جس دکان پر آپ لے جائیں گاہک کو اس دکان پر مال پسند نہ آئے اور وہ کہیں اور سے خریدے لیکن بعد میں اس دکاندار سے آپ کمیشن کا مطالبہ کریں کیونکہ اول تو آپ کا استحقاق کسی معاہدے کے سبب ہی ممکن تھا جو کہ نہیں پایا گیا۔ دوسرا یہ کہ اس دکان دار کے لئے تو آپ نے کام نہیں کیا بلکہ گاہک از خود اس کے پاس گیا ہے اور دوسرے دکاندار سے آپ کا کوئی پیشگی معاہدہ نہیں تھا۔ جب یہ دو شرائط پائی جائیں تو آپ کا دکاندار سے کمیشن لینا جائز

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، باب المدینہ کراچی

ہے کیونکہ آپ جو کام کرتے ہیں یہ ایک قابلِ معاوضہ کام ہے۔
ان دونوں شرائط کی موجودگی میں بھی آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کسٹمر کو اس کی مطلوبہ شے ہی دلائیں، ایسا نہ ہو کہ اس نے آپ سے سب سے عمدہ شے دلانے کا کہا اور آپ اسے گھٹیا شے دلوا دیں یا پھر کسی اور قسم کی دھوکا دہی سے کام لیں ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

ایک مرتبہ دو پارٹیاں ملوانے پر بار بار کمیشن وصول کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ بروکر ایک پارٹی کو دوسری پارٹی سے ملوا دیتا ہے اور ان کے درمیان سودا مکمل ہو جاتا ہے اور بروکر اپنی بروکری لے لیتا ہے، لیکن بعد میں بھی جب کبھی یہ دونوں پارٹیاں آپس میں کوئی سودا کرتی ہیں تو کیا بروکر کو دوبارہ کمیشن دینا ہوگا؟ کیا اس دوسرے سودے پر کمیشن لینا بروکر کا حق ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: صورتِ مسئولہ کے مطابق کام کروانے کے بعد جب بروکر اپنا طے شدہ کمیشن لے چکا تو آئندہ کے لئے دونوں پارٹیاں آزاد ہیں، چاہے خود کام کریں، چاہے کسی معتبر ضرورت کی بنیاد پر بروکر کے ذریعے کام کروائیں۔ اگر آئندہ بروکر ان دونوں پارٹیوں کیلئے کام نہیں کرتا تو وہ آئندہ کسی ایسے سودے پر معاوضہ کا مستحق نہیں ہوگا جو فریقین نے از خود کیا ہو۔

بروکر کا ایک مرتبہ فریقین کو ملوا کر ان کا سودا کروا کر یہ سمجھنا کہ میں نے دونوں پارٹیوں کو ملوایا ہے، لہٰذا اب تاحیات یا لمبے عرصہ تک مجھے گھر بیٹھے ہر مرتبہ ان کے از خود ہونے والے سودے کے بدلے کمیشن ملنا چاہیے۔ یہ بلاشبہ غیر شرعی معاملہ اور غلط سوچ ہے، نہ تو ایسی صورت میں بروکری کا تقاضا کرنا درست ہے اور نہ ہی اس صورت میں بروکری لینا بروکر کا حق ہے۔ بہت ساری مارکیٹوں میں یہ ناجائز طریقہ رائج ہے کہ ایک بار سودا کروانے کے بعد جب بھی وہ دونوں پارٹیاں باہم رضامندی سے کوئی سودا کریں تو بروکر اپنا کمیشن مانگتا ہے یہ جائز نہیں۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

دو پارٹیوں کا درمیان سے بروکر کو ہٹا دینا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ مثلاً جائیداد کے لین دین میں جب بروکر دو پارٹیوں کو ملواتا ہے تو پارٹیاں بروکر پر یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ اس سودے یا ریٹ وغیرہ سے متفق نہیں، لیکن بعد میں بروکر کو ہٹا کر خود سودا کر لیتی ہیں۔ کیا ایسی صورت میں بروکر اپنی بروکری کا مطالبہ کر سکتا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: صورتِ مسئولہ میں پارٹیوں کا بروکر کو درمیان سے ہٹانے کی دو صورتیں بن سکتی ہیں: ایک یہ کہ واقعتاً فی الحال ان کو یہ سودا یا ریٹ سمجھ نہ آئے ہوں اس لئے انکار کیا ہو تو ایسی صورت میں اخلاقاً یہی زیادہ بہتر ہے کہ دوبارہ اگر ذہن بنے، تب بھی بروکر کی خدمات کے ذریعے کام کیا جائے کہ اس نے جو محنت کی تھی وہ ضائع نہ ہو اور اسے اس کا صلہ ملے اور یہاں بروکر کے کام کرنے کا مقصد اور گنجائش موجود ہے مثلاً کاغذات کا ٹرانسفر پیسوں کے لین دین کے معاملات اور کئی چیزیں ایسی ہیں جو بروکر کے ذریعے سے کروائی جا سکتی ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر فریقین یا کوئی ایک فریق جان بوجھ کر وقتی طور پر بروکر کو ہٹانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے کہ مجھے یہ سودا، جائیداد یا ریٹ پسند نہیں حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں، تو اس میں دو گناہ تو ضرور پائے جا رہے ہیں۔ اوّل مسلمان کو ضرر پہنچانے کا کیونکہ بروکر نے جو محنت کی، اسے اس کی محنت کے باوجود کمیشن سے محروم کرنا ناحق ضرر ہے۔ دوسرا گناہ جھوٹ بولنے کا ہے کہ بروکر کو نکالنے کے لئے جو بھی خلاف واقع بات کہی جائے گی، وہ جھوٹ پر مشتمل ہوگی اور جھوٹ بولنا جائز نہیں۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی*

دوطرفہ بروکری لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ بروکر کا خریدار اور فروخت کنندہ دونوں سے بروکری لینا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں اگر کسی جگہ دوطرفہ بروکری لینے کا عُرف ہو تو بروکر کا دوطرفہ بروکری لینا جائز ہے۔ البتہ بروکر کے لیے یہ ضروری ہے کہ بروکر دونوں طرف سے بھاگ دوڑ کرے اور کوشش و سعی کرے۔ دوطرفہ بروکری لینا اسی وقت جائز ہے جب سودا طے کرواتے وقت کسی ایک کی نمائندگی نہ کرے اگر کسی ایک کی نمائندگی کرے گا تو پھر سامنے والی پارٹی سے بروکری نہیں لے سکتا بلکہ صرف اسی سے بروکری لینے کا حقدار ہوگا جس کی اس نے نمائندگی کی ہے۔

اس کو یوں سمجھئے کہ ایک بروکر نے دونوں پارٹیوں کو ملوانے کے لئے اپنی ذمہ داری پوری طرح ادا کی اور دونوں سے طے کیا کہ آپ دونوں مجھے اتنا کمیشن دیں گے لیکن ہوا یہ کہ جب دونوں اصل فریقین کے بیٹھ کر سودا سائن کرنے یا زبانی طور پر سودا پکا کرنے اور ایجاب و قبول کا موقع آیا تو ایک فریق نے بروکر سے کہہ دیا کہ میں نہیں آسکوں گا میری طرف سے تم دوسری پارٹی سے یہ ڈیل فائنل کرلو تو ایسی صورت میں چونکہ ایک فریق خود یا بروکر کے علاوہ اس کا کوئی اور نمائندہ موجود نہیں تھا بلکہ بروکر یا کمیشن ایجنٹ کو ایک فریق کی نمائندگی کرنا پڑی تو ایسی صورت میں بروکر دوطرف سے کمیشن نہیں لے سکتا صرف اس فریق سے کمیشن وصول کرنے کا حق دار ہے جس کا نمائندہ بن کر اس نے سودا فائنل کیا۔

اس کے بَرخلاف زیرِ بحث صورت میں اگر اصل فریق بروکر کے علاوہ کسی اور کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجتا یا خود آکر ڈیل فائنل کرتا تو بروکر شرعی اعتبار سے دوطرفہ بروکری یا کمیشن کا حق دار ٹھہرتا۔

(ماخوذ از تنقیح الفتاوی الحامدیہ، 1/259، بہار شریعت، 2/639 مکتبۃ المدینہ)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

بروکر کا ٹاپ مارنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کہ بارے میں کہ بروکر بسا اوقات اس طرح کرتے ہیں کہ پراپرٹی کے مالک کو کم پیسے بتاتے ہیں اور خریدنے والے کو زیادہ پیسوں میں فروخت کرتے ہیں اور درمیان کے پیسے خود رکھ لیتے ہیں مثال کے طور پر ایک پراپرٹی پچاس لاکھ کی فروخت کرنے کے بعد پراپرٹی کے مالک کو کہا کہ یہ پینتالیس لاکھ کی فروخت کی ہے بروکر کا ایسا کرنا کیسا ہے؟ اسے بروکرز کی اِصطِلاح میں ٹاپ مارنا کہا جاتا ہے۔

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں بروکر کا اس طرح کرنا دھوکا اور حرام ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بروکر ایک نمائندے کی حیثیت رکھتا ہے نہ ہی اس کا مال ہے اور نہ ہی رقم۔ لہٰذا بروکر پر یہ بات لازم ہے کہ پراپرٹی جتنے کی بھی فروخت ہوئی ہے اس کی کل رقم مالک کے حوالے کرے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، باب المدینہ کراچی

بروکر کا پارٹی کو مارکیٹ ویلیو سے زائد قیمت بتانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں اپنی ایک پراپرٹی بیچ رہا ہوں جس کی مارکیٹ ویلیو تیس لاکھ روپے ہے لیکن بروکر پارٹی سے بتیس لاکھ مانگ رہا ہے کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اگر بروکر پراپرٹی کے مالک کی اجازت سے کسی پارٹی سے زیادہ پیسے مانگتا ہے تو اسے اس طرح کرنا جائز ہے اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں کیونکہ عام طور پر جتنے کی چیز بیچنی ہو اس سے زیادہ پیسے بتا کر بارگیننگ کی جاتی ہے تاکہ سامنے والا پیسے کم بھی کروائے تو مطلوبہ ہدف کے مطابق چیز بِک جائے۔ البتہ اگر بروکر پراپرٹی کے مالک سے جھوٹ بولے مثال کے طور پر پراپرٹی بتیس لاکھ کی فروخت کرے اور مالک سے کہے کہ تیس لاکھ کی بیچی ہے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ اس میں مالک کو دھوکا دینا اور جھوٹ بولنا لازم آرہا ہے اور یہ رقم بھی اس کے لئے حلال نہ ہوگی۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

بروکر کا پارٹی سے چیز خرید کر آگے بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بروکر کے پاس کوئی ایسی پارٹی آتی ہے جسے اپنی پراپرٹی کی صحیح قیمت معلوم نہیں ہوتی تو بروکر اس پارٹی سے وہ پراپرٹی سستے دام خرید کر کچھ عرصے بعد مہنگے داموں مارکیٹ میں فروخت کر دیتا ہے کیا بروکر کا اس طرح کرنا درست ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں بروکر کا پارٹی سے سستے داموں پراپرٹی خرید کر خود مالک بن کر اپنی اس چیز کو مہنگے داموں فروخت کرنا جائز ہے البتہ یہ بات ضروری ہے کہ بروکر پارٹی سے کسی قسم کی غلط بیانی یا جھوٹ سے کام نہ لے مثلاً پارٹی نے بروکر سے پوچھا کہ آج کل میری پراپرٹی جیسی پراپرٹی کی کیا ویلیو چل رہی ہے تو بروکر جان بوجھ کر وہ ویلیو بتائے جو مارکیٹ ریٹ سے کم ہو یا پھر اس پراپرٹی کے متعلق کہے کہ آج کل خریدار نہیں آرہے وغیرہ ذالک، اور یہ بات حقیقت کے خلاف ہو تو اس طرح بروکر کا پارٹی سے جھوٹ بولنا اسے دھوکا دینا غیر شرعی عمل ہے جو کہ ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ البتہ اگر جھوٹ بولے اور دھوکا دیئے بغیر بروکر کوئی پراپرٹی سستے داموں خرید لے اور قبضہ کرنے کے بعد مہنگے داموں فروخت کرے تو یہ جائز ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کمیشن کی فیلڈ میں ایک جدید صورت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کسی بروکر کو کہے کہ آپ میری پراپرٹی جتنے میں چاہیں فروخت کریں مجھے پچاس لاکھ روپے دے دیجئے گا تو اب اگر بروکر پراپرٹی باون لاکھ کی فروخت کرے اور دو لاکھ خود رکھ کر پچاس لاکھ پارٹی کو دے تو کیا یوں دو لاکھ روپے رکھنا اس بروکر کے لیے درست ہے؟ جبکہ پارٹی کو بھی سب حقیقت معلوم ہو۔

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں بیان کردہ طریقۂ کار درست نہیں اس لئے کہ اُجرت کا مُتَعَیَّن ہونا ضروری ہے جو کہ پوچھی گئی صورت میں مُتَعَیَّن نہیں۔

البتہ اگر بروکر کی بروکری مُتَعَیَّن کر دی جائے مثلاً بروکر کے ساتھ یہ طے کر لیا جائے کہ اس کام کے اتنے ہزار یا اتنے فیصد بروکری یا کمیشن تو بطورِ اُجرت لازمی ملے گی اور ساتھ ہی ساتھ پارٹی بروکر کو یہ بھی اضافی پیشکش کر دے کہ اگر یہ پراپرٹی اتنے فیگر مثلاً پچاس لاکھ سے زیادہ کی بِکتی ہے تو تمام رقم بطورِ انعام آپ کی ہوگی تو ایسا کرنا جائز ہوگا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

احکامِ تجارت
Rulings of Trade
تاجروں کے لئے

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی*

پرائز بانڈ اور اس کے انعام کا حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ پرائز بانڈ لینا اور اس سے نکلا ہوا انعام حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اسے ناجائز کہتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پرائز بانڈ کی خرید و فروخت اور اس پر قرعہ اندازی کے ذریعہ نکلنے والا انعام حاصل کرنا دونوں ہی درست ہیں کہ اس کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ نہ تو اس میں سود کا پہلو ہے کہ جتنے روپے دے کر بانڈ حاصل کیا ہے ایسا نہیں ہوتا کہ اس پر نفع ملنا مشروط ہو نہ ہی حکومت یہ وعدہ یا معاہدہ کرتی ہے کہ جو جو بھی خریدے گا اسے انعام کی رقم ضرور دی جائے گی لہٰذا کسی بھی اعتبار سے سود کا کوئی پہلو اس میں نہیں بنتا، نہ ہی پرائز بانڈ کے اندر جوئے کا کوئی پہلو ہے کہ جتنے روپے جمع کروا کر پرائز بانڈ لیا ہے ایسا نہیں کہ یہ روپے وقت گزرنے پر بانڈ دیتے وقت کم ملیں گے یا سرے سے ہی نہیں ملیں گے۔ البتہ حال ہی میں حکومت پاکستان کی طرف سے چالیس ہزار والا جو پریمیم بانڈ جاری کیا گیا ہے اس کی خرید و فروخت حرام ہے کیونکہ وہ سودی معاملہ پر مشتمل ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

تجارت میں منافع کی کیا حد ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ منافع کی کوئی حد ہے اور اگر ہے تو کیا ہے اور میں سو کی چیز لیتا ہوں تو کتنے کی سیل کر سکتا ہوں کیا میں نو سو کی سیل کر سکتا ہوں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: صورتِ مسئولہ میں شریعتِ اسلامیہ نے تجارت میں باہمی رضامندی سے ہونے والے نفع کو جائز قرار دیا ہے اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ نفع کم ہو یا زیادہ، لہٰذا آپ اپنی سو روپے والی شے دوسرے کی رضامندی کے ساتھ نو سو روپے یا اس سے بھی زیادہ کی فروخت کر سکتے ہیں البتہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ سودا کرتے وقت کسی قسم کے جھوٹ یا دھوکے سے کام نہ لیا جائے۔ یہ تو اس مسئلے کا فقہی حکم تھا لیکن کچھ اخلاقی تقاضے بھی ہیں اور معیشت کا فائدہ بھی اسی میں ہے کہ مناسب ریٹ لگا کر مال بیچا جائے خاص طور پر روزہ مرہ کی اشیائے ضرورت، تاکہ لوگوں کی قوتِ خرید متأثر نہ ہو۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

زندہ جانور تول کر بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ جانور مثلاً بکرا، گائے وغیرہ زندہ تول کر بیچنا اور خریدنا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: بکرا یا گائے وغیرہ کو زندہ تول کر خریدنا یا فروخت کرنا جائز ہے اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

انسانی بالوں کی خرید و فروخت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ انسان کے بالوں کی خرید و فروخت کرنا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: انسانی بالوں کی خرید و فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی کسی طریقے سے انسانی بالوں سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، باب المدینہ کراچی

غیر مسلم ممالک میں مورگیج پر مکان لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے میں کہ میں انگلینڈ میں رہتا ہوں میں نے ایک پراپرٹی خریدنے کے لئے یہاں کے بینک سے مورگیج کے طور پر قرض لیا ہے جس کے میں ماہانہ 700£ ادا کرتا ہوں جس میں سے مثلاً 50£ تو سود کے طور پر اور باقی قرض کی ادائیگی کے طور پر۔ معلوم یہ کرنا تھا کہ کیا اس طرح بینک سے قرض لینا ہمارے لئے جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں یورپ وامریکہ جیسے غیر مسلم ممالک میں نقد میں پراپرٹی خریدنا بلاشبہ بہت زیادہ مشکل کام ہے۔ سود کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے اور کوئی بھی مسلمان دوسرے مسلمان کو سود نہ تو دے سکتا ہے نہ ہی لے سکتا ہے لیکن کافر حربی اور مسلمان کے درمیان سود کے لین دین کا معاملہ مختلف ہے۔ ہدایہ میں ہے: "لَا رِبٰوا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِيِّ" ترجمہ: مسلمان اور حربی کافر کے درمیان سود نہیں ہوتا۔ (ہدایہ آخرین، صفحہ 90)

یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے کافر حربی سے اس عقد کے ذریعے نفع لینے کو جائز قرار دیا ہے جو سودی طریقے پر مشتمل ہو مثلاً کافر کو قرض دے کر زائد رقم لینا مسلمان کے لئے جائز ہے لیکن سود کی نیت ہرگز نہیں کرے گا بلکہ جائز نفع سمجھ کر لے گا۔ واضح رہے کہ فقہاء کرام نے اس کا اُلٹ کرنے کی اجازت عام حالات میں نہیں دی یعنی یہ جائز نہیں کہ مسلمان کافر سے قرضہ لے اور اس پر اسے سودی طریقے پر نفع دے۔

البتہ غیر مسلم ممالک میں ذاتی گھر خریدنے کی دقت و دشواری کے پیشِ نظر مورگیج کی صورت میں قرضہ لے کر نفع دینا بوجہِ حاجتِ شدیدہ کے جائز ہے متعدد فقہائے عصر نے اس کی اجازت دی ہے تفصیل کے لئے دیکھئے فتاویٰ بریلی صفحہ 33۔ نیز چونکہ یہ اجازت صرف حاجتِ شدیدہ کے پیشِ نظر ہے اس بِنا پر یہ جائز نہیں کہ کوئی ذاتی گھر کے علاوہ مورگیج پر اضافی گھر لے کر خرید و فروخت کا کاروبار شروع کردے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

عورت کے نوکری کرنے کی شرائط

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ عورتوں کا نوکری کرنا کیسا ہے؟ کیا شریعتِ اسلامیہ عورتوں کو نوکری کرنے کی اجازت دیتی ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: شریعتِ اسلامیہ خواتین کو پانچ(05) شرائط کے ساتھ نوکری کرنے کی اجازت دیتی ہے، اگر ان پانچ شرائط میں سے ایک بھی شرط نہ پائی جائے تو عورت کو نوکری کرنے کی اجازت نہیں۔ وہ شرائط یہ ہیں: (1) کپڑے باریک نہ ہوں جن سے سر کے بال یا کلائی وغیرہ سَتر کا کوئی حصّہ چمکے (2) کپڑے تنگ و چُست نہ ہوں جو بدن کی ہیأت ظاہر کریں (3) بالوں یا گلے یا پیٹ یا کلائی یا پنڈلی کا کوئی حصّہ ظاہر نہ ہوتا ہو (4) کبھی نامحرم کے ساتھ خفیف دیر کے لئے بھی تنہائی نہ ہوتی ہو (5) اس کے وہاں رہنے یا باہر آنے جانے میں مظنّۂ فتنہ نہ ہو۔

لہٰذا اوّل تو ان پانچ شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے اور ان میں سے ایک بھی کم ہے تو عورتوں کا نوکری کرنا حرام ہے۔ ان پانچ شرائط کے ساتھ ساتھ سب سے اہم معاملہ ہے عورت کا مَردوں سے فاصلہ بنائے رکھنا۔ اگر کوئی عورت برقعہ بھی پہن کر آجائے لیکن وہ مَردوں سے بے تکلف ہوجائے تو خود کو فتنہ میں پڑنے سے روک نہیں سکتی۔ لہٰذا اجنبی مَردوں سے بے تکلفی بالکل اختیار نہ کی جائے، نہ ہی اپنی زینت ان پر ظاہر کی جائے اور اگر کسی جگہ پر اس کی عزت پر ذرا بھی حرف آتا ہو تو اس سے حفاظت کی مکمل تدبیر کی جائے اور اگر حفاظت ممکن نہ ہو تو نوکری چھوڑنے کو ترجیح دی جائے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

Rulings of Trade
اَحکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی*

چھٹیوں کی تنخواہ لینے کا حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں ایک ملازم ہوں اگر میں دس دن نوکری پر نہیں جاتا تو میرے لئے ان دس دنوں کی تنخواہ لینا حلال ہے یا حرام؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں اگر چھٹی کر کے یہ ظاہر کیا گیا کہ میں حاضر تھا اور ان دنوں کی حاضری لگا دی گئی تو ان دنوں کی تنخواہ لینا حلال نہیں اور اگر یہ ظاہر کیا کہ میں غیر حاضر تھا تو اس صورت میں کمپنی اور ملازم کے درمیان ہونے والا معاہدہ دیکھا جائے گا کہ وہ کیا تھا؟ اپنے ملازمین کے ساتھ معاہدہ کرنے کے کمپنیوں میں مختلف طریقے ہیں اور چھٹیوں کی بھی مختلف صورتیں ہیں، کمپنیاں ماہانہ چند چھٹیوں کی گنجائش رکھتی ہیں کچھ سالانہ چھٹیوں کی گنجائش رکھتی ہیں کچھ کمپنیوں کی پالیسی یہ ہوتی ہے کہ اتنی اتنی چھٹیوں میں تنخواہ کے ساتھ چھٹیاں ہوں گی اور اس سے زیادہ میں بغیر تنخواہ کے۔ الغرض کمپنی اور ملازم کے درمیان ہونے والا معاہدہ ہی ان مسائل کی اصل بنیاد ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کیا شراکت میں ہر فرد کا کام کرنا ضروری ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ دو شخصوں نے ایک ایک لاکھ روپے ملا کر شراکت کی ان میں سے ایک کہتا ہے کہ میں مہینے کے آخر میں نفع لے لوں گا اور کام نہیں کروں گا کیا اس طرح کی شرکت جائز ہے کہ ایک کام کرے اور دوسرا کام نہ کرے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جب دو یا دو سے زیادہ افراد پیسے ملا کر کام کریں تو اس کو شراکت کہتے ہیں۔ شراکت میں ہر ایک شریک کے پیسے برابر ہوں یہ ضروری نہیں بلکہ کم یا زیادہ بھی ہو سکتے ہیں شراکت میں دونوں یا تمام پارٹنرز کا کام کرنا ضروری نہیں بلکہ اس بات کی گنجائش ہے کہ ایک کام کرے اور دوسرا کام نہ کرے۔ البتہ نفع کا پَرْسنٹیج (Percentage) سے مقرر ہونا ضروری ہے مثلاً دونوں نے طے کیا کہ پچاس پچاس فیصد نفع دونوں کا ہوگا تو اب اسی تناسب سے نفع دونوں میں تقسیم ہوگا۔ ہر کام کی نوعیت ایسی نہیں ہوتی کہ جس میں مہینے کے آخر میں ہی نفع کا حساب نکل آئے اور نفع تقسیم ہو جائے اگر کوئی سو فیصد حساب کتاب نکال کر نفع تقسیم کرتا ہے تو حرج نہیں۔ لیکن افسوس کے ساتھ ہمارے معاشرے میں کثیر مواقع پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ کاروبار میں شراکت کے نام پر دوسرے کو شامل کیا جاتا ہے لیکن کوئی باقاعدہ حساب کتاب رکھنے یا پرسنٹیج میں نفع مقرر کرنے کے بجائے اسے ہر ماہ کے آخر میں ایک خاص فیگر ذہن میں رکھتے ہوئے نفع دے دیتے ہیں یہ کاروبار پر نفع نہیں کہلائے گا بلکہ یہ سودی نفع کہلائے گا۔ کاروبار پر نفع اسی وقت کہلائے گا جب آپ اپنے کاروبار کو زیرِ بحث مسئلہ میں شراکت کے شرعی

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، باب المدینہ کراچی

اُصولوں کے مطابق چلائیں۔ دارُالاِفتاء اہلِ سنّت ایپلیکیشن میں تجارت کورس موجود ہے اس میں شراکت کے ضروری اُصول و ضَوابِط پر بھی بات کی گئی ہے، وہاں سے متعلّقہ بیانات ضرور سُنیں۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

زمین ٹھیکے پر دے کر گندم کو اُجرت مُقرّر کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ زمین کو ٹھیکے پر دیا تو کیا رقم کی جگہ گندم کو اُجرت مُقرّر کیا جاسکتا ہے؟ اور سال کے آخر میں گندم کے ریٹ کم یا زیادہ ہو گئے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: خرید و فروخت کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ جب بھی کوئی چیز خریدی یا بیچی جائے تو اس کا مُتَعَیَّن ہونا ضروری ہے مثلاً دال خریدی تو یہ طے ہونا ضروری ہے کہ دال کس قسم اور کوالٹی کی ہوگی، کتنے کلو ہوگی، پہنچ کس کے ذمے ہوگی تاکہ بعد میں کسی قسم کا تَنازَعہ و جھگڑا نہ ہو اسی طرح قیمت جس کو فقہاءِ کرام رَحِمَہُمُ اللہ کی اصطلاح میں ثَمَن کہتے ہیں اس کا بھی طے اور مُتَعَیَّن ہونا ضروری ہے اور قیمت میں رقم کا ہونا ضروری نہیں بلکہ گندم، جَو، چاول وغیرہ بھی ہوسکتے ہیں۔ جس طرح خرید و فروخت میں رقم کی بجائے گندم ثَمَن ہو سکتی ہے اسی طرح ٹھیکے میں اُجرت رقم کی بجائے گندم بھی مقرر ہو سکتی ہے۔ سال کے آخر میں گندم کا ریٹ کم ہو یا زیادہ اس کا اعتبار نہیں بہر حال جو گندم طے ہوئی وہی دینا ہوگی۔ اور گندم مکمل تفصیل کے ساتھ طے کی جائے کہ اس جنس کی، نئی یا پرانی، باردانے کے ساتھ یا بغیر باردانے کے، پہنچا کر دی جائے گی یا وصول کرنا ہوگی، ان تمام جُزْئِیات کو طے کر کے گندم کو اُجرت میں مُقرّر کیا جائے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

وارنٹی کی کیا شرعی حیثیت ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل بعض چیزوں کو بیچتے وقت دکاندار کسٹمر کو ایک دو سال کی وارنٹی دیتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور جن چیزوں کی وارنٹی دی گئی اگر اس کے علاوہ کوئی اور خرابی ہو جائے اور کسٹمر دکاندار کے پاس وہ چیز واپس کرنے کے لئے لے آئے تو کیا اس صورت میں بھی دکاندار کو وہ چیز واپس کرنا ہوگی؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: وارنٹی دورِ جدید کی پیداوار ہے پرانے زمانے میں نہ مشین ہوتی تھی اور نہ ہی وارنٹی۔ دورِ جدید میں مشین آئی تو وارنٹی بھی آئی اور وارنٹی ایک طرح کا احسان ہے جو آج کل معاہدے کا ایک حصہ بن چکی ہے فقہاء کرام رَحِمَہُمُ اللہ نے عرصۂ دراز سے اس کا اعتبار کیا ہے اور اس شرط کو جائز کہا ہے جیسا کہ بہارِ شریعت جو کہ تقریباً 70 سال پہلے لکھی جانے والی کتاب ہے اس میں وارنٹی کے متعلق لکھا ہے: (اگر) شرط ایسی ہے جس پر مسلمانوں کا عام طور پر عمل درآمد ہے جیسے آج کل گھڑیوں میں گارنٹی سال دو سال کی ہوا کرتی ہے کہ اس مدّت میں خراب ہوگی تو دُرُستی کا ذمّہ دار بائع ہے ایسی شرط بھی جائز ہے۔

(بہارِ شریعت، 2/701، مکتبۃ المدینہ)

وارنٹی میں جو شرائط بیان کی جائیں گی اور جن چیزوں کی وارنٹی دی جائے گی ان کا اعتبار ہوگا اور انہی شرائط کے ساتھ چیز کو واپس کیا جائے گا ان کے علاوہ کوئی اور خارجی سبب پایا گیا تو چیز کو واپس نہیں کیا جاسکتا مثلاً کمپنی نے ایک موبائل بیچا اور یہ کہا کہ یہ موبائل واٹر پروف نہیں ہے اور نہ ہی اس کی وارنٹی ہے اگر خریدنے والا اس موبائل کو پانی میں گرا دے پھر کمپنی کے پاس لے آئے تو اس کو یہی کہا جائے گا کہ مثلاً موبائل کی مشین کی وارنٹی تھی کہ یہ چلے گی نہیں یونہی اس کی اسکرین کی وارنٹی تھی کہ آف نہیں ہوگی اس بات کی وارنٹی نہیں تھی کہ یہ واٹر پروف ہے اس لئے اس موبائل کو واپس نہیں کیا جائے گا اور وارنٹی کلیم (Claim) کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

احکامِ تجارت

Rulings of Trade

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی*

دکان سے پیک چیز خریدی اگر خراب نکلے تو کیا حکم ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم سے دکاندار یا گاہک ہول سیل پر مال لے کر جاتے ہیں سامان پیک ہوتا ہے اور وہ گنتی کرکے سامان لے جاتے ہیں پھر کچھ دنوں کے بعد آکر کہتے ہیں کہ آپ کی یہ چیز خراب نکلی ہے کیا اس صورت میں ہم ان کو یہ کہہ کر منع کرسکتے ہیں کہ ہم نے آپ کو سامان دے دیا تھا آپ کا کام تھا کہ چیک کرکے لے جاتے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اشیاء کی خرید و فروخت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک وہ اشیاء جن کو چیک کیا جاسکتا ہے جیسے کھلے آئٹم کہ ان کو ہاتھ لگا کر چیک کرنا ممکن ہے، دوسری وہ اشیاء کہ جن کو چیک نہیں کیا جاسکتا مثلاً ڈبے میں چائے کی پتی، ڈبّے میں بند دودھ یا انڈے وغیرہ کو عام طور سے دکان ہی پر چیک نہیں کیا جاتا۔ ایسے معاملات میں اصول یہ ہے کہ کوئی بھی ایسی چیز جس کو صحیح کہہ کر بیچا گیا اگر اس میں عیب نکل آیا اور جیسی کہہ کر بیچی گئی تھی ویسی نہیں نکلی تو خریدار کو وہ چیز واپس کرنے کا حق ہوتا ہے اور دکاندار کو وہ چیز واپس کرنی پڑے گی وہ واپس کرنے سے منع نہیں کرسکتا۔ خریدار کے اس حق کو فقہاء **"خیارِ عیب"** کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور کتبِ فقہ میں یہ پورا باب ہے جس میں اس کے مسائل لکھے ہوئے ہیں بہارِ شریعت میں بھی حصہ 11 میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ خریداری کے وقت اگر بیچنے والے نے یہ کہہ دیا کہ آپ یہ چیز چیک کرلیں یہ جیسی بھی ہے آپ کی ہے میں اس کے عیب سے بری الذمہ ہوں تو اس صورت میں دکاندار کو وہ چیز واپس لینا ضروری نہیں۔ واضح رہے کہ خریدار کو جن صورتوں میں یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ عیب نکلنے پر چیز واپس کرسکتا ہے یہ اختیار کچھ شرائط سے مشروط ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس چیز میں خریدار نے مالکانہ تصرف نہ کیا ہو۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کیا پلاٹ خریدنے پر بھی کوئی عیب نکل سکتا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم نے ایک پلاٹ یہ کہہ کر بیچا کہ اس میں کوئی فالٹ (عیب) نہیں ہے اور بیعانہ بھی ہوگیا اس کے بعد پلاٹ میں کوئی فالٹ نکل آیا تو اس کو ٹھیک کروانے کی ذمہ داری کس کی ہوگی؟ ہماری یا پھر خریدار کی؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پلاٹ میں عیب کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں مثلاً کاغذات میں کوئی پیپر کم ہے یا پلاٹ خریدنے کے بعد پتا چلا کہ بیچنے والے کی فیملی نے کورٹ میں کیس کیا ہوا ہے کہ یہ پلاٹ تو ہمارے والد کا ہے وراثت کا ہے اور ایک پارٹی نے بیچ دیا ہے یا پھر یہ کہہ کر پلاٹ بیچا گیا کہ یہ پلاٹ لیز کا ہے لیکن بعد میں

* دارالافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، باب المدینہ کراچی

پتا چلا کہ ابھی تک اس کی لیزنگ نہیں ہوئی ہے۔ عیب کی تعریف ہی یہ ہے کہ جس کے پائے جانے پر تاجروں کے عرف میں اس چیز کی قیمت کم ہو جائے جیسا کہ کار کی خریداری میں اگر نمبر پلیٹ ڈپلیکیٹ ہو اور اصل گم ہو گئی ہو تو عام طور سے کم از کم پچاس ہزار قیمت کم ہو جاتی ہے۔

جب پلاٹ کو متعلقہ عیوب سے خالی کہہ کر بیچا گیا تھا لیکن بعد میں کوئی نقص نکلا ہے تو اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو قبضہ دینے کا جو وقت مقرر ہوا تھا اس سے قبل بیچنے والا وہ خرابی دور کر دے اگر ایسا نہ ہو اور قبضہ دینے کا وقت آجائے اور یہ نقص دور نہ ہو تو ایسی صورت میں خریدار یکطرفہ سودا کینسل کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کیا زمین ٹھیکے پر دینا جائز ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ زمین کو ٹھیکے پر دینا اور اس پر اُجرت لینا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: زمین ایک کار آمد چیز ہے اس کو کرائے پر دینا جائز ہے چاہے وہ کرایہ ماہانہ ہو یا سالانہ۔ البتہ کرایہ میں طے ہو کہ اس میں کیا کام ہو گا مثلاً کھیتی باڑی ہو گی، اس میں گودام بنایا جائے گا یا اس میں گھر کی تعمیر کی جائے گی وغیرہ ذٰلك۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

مال بیچنے کے لیے سچی قسم کھانا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ سچی قسم کھا کر مال بیچا جا سکتا ہے؟ بعض اوقات کسٹمر کہتا ہے کہ قسم کھاؤ کہ تم نے یہ چیز اتنے میں خریدی ہے تو کیا ہم سچی قسم کھا سکتے ہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: سچی قسم کھانا گناہ نہیں بلکہ جائز ہے اور ضرورتاً سچی قسم کھانے کی اجازت بھی ہے۔ قسم کا معنی ہے "تاکید" اور اپنے کلام کو پختہ و مؤکد کرنے کے لیے قسم کھائی جاتی ہے لیکن کاروبار میں قسم کھانا معیوب بات ہے۔ حدیث پاک میں ہے: "عَنْ اَبِي قَتَادَةَ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: اِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلِفِ فِي الْبَيْعِ فَاِنَّهُ يُنَفِّقُ ثُمَّ يَمْحَقُ" ترجمہ: حضرت سیّدنا ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسولُ اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو فرماتے سنا کہ بیع میں قسم کی کثرت سے پرہیز کرو کہ یہ اگرچہ چیز کو بکوا دیتی ہے مگر برکت کو مٹا دیتی ہے۔

(مسلم، ص668، حدیث:4126)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

نیلامی کے ذریعے مال بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ بازار وغیرہ میں سامان رکھ کر بولی لگائی جاتی ہے کوئی شخص ایک قیمت پر خریدنے کیلئے تیار ہو جائے تو دوبارہ اس سے زیادہ کیلئے بولی لگائی جاتی ہے اس طرح یہ معاملہ چلتا رہتا ہے آخر میں اس کے ہاتھ چیز فروخت کر دی جاتی ہے جو سب سے زیادہ قیمت پر لینے کو راضی ہوتا ہے ایسا کرنا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: بعض اوقات کسی چیز کو نیلامی کے ذریعے بیچا جاتا ہے یہ طریقہ بھی فی نفسہ جائز ہے البتہ نیلامی کے کام میں بھی بہت ساری شرعی خرابیاں لوگوں نے داخل کر دی ہیں ان سے بچنا بھی ضروری ہے۔ نیلامی کے ذریعے زیادہ قیمت کی بولی دینے والے کو چیز بیچنا خود رسولِ اکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک صحابی کی مدد کے لئے ان کا پیالہ وغیرہ نیلامی کے طریقے پر زیادہ بولی لگانے والے کو بیچا۔

(سنن ابی داؤد، 2/168، حدیث:1641)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

Rulings of Trade

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی*

کافروں کے استعمال شُدہ کپڑے بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا پُرانے کپڑوں کا ٹھیلہ ہے اور اس میں کافروں کے بھی استعمال شدہ کپڑے ہوتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ پاک کے ساتھ ساتھ ناپاک کپڑے بھی ہوتے ہوں تو کیا اس طرح کپڑوں کو بیچنا جائز ہے؟ اگر بالفرض کسی کپڑے کا ناپاک ہونا مجھے معلوم بھی ہو تو اس کو بیچنا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: کپڑے پاک ہوں یا ناپاک دونوں صورتوں میں ان کا بیچنا جائز ہے البتہ جب تک کپڑوں کا ناپاک ہونا معلوم نہ ہو ان کو پاک ہی سمجھا جائے گا۔ رہی بات کہ کسی کپڑے کے بارے میں آپ کو یقین کے ساتھ ناپاک ہونے کا علم ہے تب بھی اس کی خرید و فروخت تو جائز ہوگی لیکن خریدار کو ضرور بتایا جائے تاکہ وہ اسے پاک کئے بغیر استعمال نہ کرے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

جمعہ کی کونسی اذان کے بعد کاروبار بند کرنے کا حکم ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ جمعہ کے دن کونسی اذان پر کاروبار بند کرنے کا حکم ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جمعہ کی پہلی اذان ہوتے ہی کاروبار بند کرنا اور جمعہ کے لئے سعی کرنا واجب ہے۔ اذان ہونے کے بعد خرید و فروخت کرنا ناجائز و گناہ ہے۔ صدرُ الشریعہ، بدرُ الطریقہ حضرتِ علّامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی ارشاد فرماتے ہیں: ”پہلی اذان کے ہوتے ہی سعی واجب ہے اور بیع وغیرہ ان چیزوں کا جو سعی کے مُنافی ہوں چھوڑ دینا واجب، یہاں تک کہ راستہ چلتے ہوئے اگر خرید و فروخت کی تو یہ بھی ناجائز اور مسجد میں خرید و فروخت تو سخت گناہ ہے۔“ (بہار شریعت، 1/775)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

مسائل سیکھے بغیر تجارت یا ملازمت کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص تجارت کے مسائل سیکھے بغیر تجارت کرتا ہے یا کوئی ملازم اجارے کے مسائل سیکھے بغیر ملازمت کرے تو اس کی کمائی حلال ہوگی یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: تجارت کرنے والے کے لئے تجارت کے اور ملازمت کرنے والے کے لئے ملازمت و اجارہ کے ضروری مسائل سیکھنا فرض ہے اور نہ سیکھنا گناہ ہے۔ البتہ کوئی بغیر مسائل جانے کاروبار یا نوکری کرتا ہے تو اگر کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جس سے روزی حرام ہو جاتی ہو تو ایسے شخص کی آمدنی کو حلال ہی کہیں گے۔ اور اگر کوئی ایسی بات پائی جائے جس سے روزی حرام ہو جاتی ہے مثلاً کاروبار میں کم تول کر پورے پیسے لئے یا ملازمت میں چھٹی کرنے کے باوجود جھوٹی حاضری لگا کر تنخواہ لی تو اب اس قدر روزی حرام ہوگی جتنی قیمت کم تول کر اضافی وصول کی یا جو رقم جھوٹی حاضری کے

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، باب المدینہ کراچی

دن کی اسے ملی۔ ضروری مسائل نہ جاننے والے کی مطلقاً پوری روزی حرام نہیں ہوتی۔ البتہ یہ بات ہے کہ دینی مسائل نہ جاننے والے غلطیوں کے زیادہ مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ بَسا اوقات روزی بھی حرام ہو جاتی ہے لیکن انہیں معلوم ہی نہیں پڑتا۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

ذخیرہ اندوزی کی تعریف اور اس کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اِحْتِکار کا حکم کیا ہے اور اِحْتِکار کس کو کہتے ہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اِحْتِکار سخت ممنوع، ناجائز و گناہ ہے، اس کی مذمّت پر کئی احادیث وارد ہیں۔

حضرتِ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا: ”جس نے مسلمانوں پر غلّہ روک دیا، اللہ تعالٰی اُسے جُذام (کوڑھ) اور اِفْلاس میں مبتلا فرمائے گا۔“ (مشکوۃ المصابیح، 1/535، حدیث: 2895)

اِحْتِکار کا لغوی معنٰی ہے گرانی کے انتظار میں کسی بھی چیز کا ذخیرہ کرلینا۔ جبکہ شریعت کی اصطلاح میں وہ چیز جو انسانوں یا جانوروں کی بنیادی خوراک ہے اسے اس نیت سے روک کر رکھنا کہ جب اس کی قیمت زیادہ ہو گی تب بیچیں گے بشرطیکہ نہ بیچنے سے لوگوں کو ضرر ہو اور وہ چیز شہر یا شہر کے قریب سے خریدی ہو، یہ اِحْتِکار کہلاتا ہے۔ لہٰذا اگر اس کے نہ بیچنے سے لوگوں کو ضرر نہیں ہوتا، یا وہ چیز اس کی اپنی زمین کی ہے یا وہ دور سے خرید کر لایا ہے تو ان صورتوں میں روک کر رکھنا اِحْتِکار میں داخل نہیں۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرَّحمٰن لکھتے ہیں: ”غلّہ کو اس نظر سے روکنا کہ گرانی کے وقت بیچیں گے بشرطیکہ اسی جگہ یا اس کے قریب سے خریدا اور اس کا نہ بیچنا لوگوں کو مُضِر ہو مکروہ و ممنوع ہے اور اگر غلّہ دُور سے خرید کر لائے اور بانتظارِ گرانی نہ بیچے یا نہ بیچنا اس کا خلق کو مُضِر نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔“ (فتاویٰ رضویہ، 17/189)

صدرُ الشریعہ، بدرُ الطریقہ حضرتِ علّامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی لکھتے ہیں: ”اِحْتِکار یعنی غلّہ روکنا منع ہے اور سخت گناہ ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ گرانی کے زمانہ میں غلّہ خریدلے اور اُسے بیع نہ کرے بلکہ روک رکھے کہ لوگ جب خوب پریشان ہوں گے تو خوب گراں کرکے بیع کروں گا اور اگر یہ صورت نہ ہو بلکہ فصل میں غلّہ خریدتا ہے اور رکھ چھوڑتا ہے کچھ دنوں کے بعد جب گراں ہو جاتا ہے بیچتا ہے یہ نہ احتکار ہے نہ اس کی ممانعت۔ غلّہ کے علاوہ دوسری چیزوں میں اِحْتِکار نہیں۔“

(بہارِ شریعت، 2/725)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

جعلی پروڈکٹ بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک کمپنی نے کوئی پروڈکٹ بناکر مارکیٹ میں فروخت کرنا شروع کی، اب کوئی دوسرا شخص اسی نام سے اس پروڈکٹ کی نقل بناتا ہے اور اصل کمپنی کا نام استعمال کرکے یہ نقلی پروڈکٹ مارکیٹ میں سستے داموں بیچ رہا ہے۔ ایسا کرنا کیسا ہے؟ نیز اس پروڈکٹ کو سپلائی کرنا اور دوکاندار کا اسے گاہک کو بیچنا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: کسی کمپنی کا نام استعمال کرکے جعلی پروڈکٹ بنانا اور خریدنے والے کو بتائے بغیر بیچ دینا حرام ہے کہ یہ دھوکا ہے اور دھوکا دے کر مال فروخت کرنا ناجائز و حرام ہے۔ مسلمان کی تجارت جھوٹ، وعدہ خلافی اور دھوکا دہی جیسے تمام خلافِ شرع امور سے پاک ہونا چاہیے۔ بکثرت احادیث ان کاموں کی مذمّت میں وارد ہوئی ہیں۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

تاجروں کے لئے

احکامِ تجارت

Rulings of Trade

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مدنی*

دَین بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کا بکر پر 2500 روپے دَین تھا، بکر ایک ساتھ اس دَین کو ادا نہیں کر سکتا، خالد نے زید سے کہا کہ تمہارا بکر پر جو دَین (1) ہے وہ مجھے 2000 روپے میں بیچ دو، میں تمہیں 2000 یکمشت دے دیتا ہوں پھر بکر سے میں تھوڑا تھوڑا کرکے وصول کرتا رہوں گا، کیا خالد اور بکر کا اس طرح کرنا درست ہے یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں خالد اور زید کا اس طرح بیع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ دَین کی بیع غیرِ مدیون کے ساتھ ہو رہی ہے اور کرنسی کے کرنسی سے لین دین میں ادھار کسی صورت جائز نہیں اگرچہ کہ برابر برابر ہو۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

فلموں اور گانوں کی سی ڈیز بیچنا کیسا؟

سوال: جو لوگ سی ڈی اور ڈی وی ڈی سینٹر چلاتے ہیں جہاں فلموں اور گانوں پر مبنی مٹیریل بیچا جاتا ہے تو کیا یہ کاروبار ناجائز اور حرام ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: ایسا کاروبار کرنا، ناجائز و حرام اور ایسا کاروبار کرنے والا نارِ جہنّم کا مستحق ہے اس کام میں گناہ پر معاونت ہے، اللہ ربُّ العزّت نے قرآنِ پاک میں گناہ پر معاونت سے ہمیں باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مائدہ میں ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ (پ6، المآئدۃ:2) ان لوگوں پر لازم ہے کہ اس حرام کام کو چھوڑ کر حلال ذریعۂ روزگار اپنائیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کفّار کے میلوں میں مسلمان کا دُکان لگانا کیسا؟

سوال: کفّار کے میلوں میں مسلمان کا دُکان لگانا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں امامِ اَہلسنّت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرَّحمٰن نے فتاویٰ رضویہ شریف میں بہت تفصیل سے جواب دیا ہے وہ ملاحظہ ہو: "اگر وہ میلہ اُن کا مذہبی ہے جس میں جمع ہوکر اعلانِ کفر و اَدائے رُسومِ شرک (یعنی اعلانیہ شعائرِ کفر و شرک کی ادائیگی) کریں گے تو بقصدِ تجارت بھی جانا ناجائز و مکروہِ تحریمی ہے، اور ہر مکروہِ تحریمی صغیرہ، اور ہر صغیرہ اصرار سے کبیرہ۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مَعابدِ کفّار (یعنی کفار کی عبادت گاہوں) میں جانا مسلمان کو جائز نہیں، اور اس کی علّت یہی فرماتے ہیں کہ وہ

(1) جو چیز واجب فی الذمہ ہو کسی عقد مثلاً بیع یا اجارہ کی وجہ سے یا کسی چیز کے ہلاک کرنے سے اسکے ذمہ تاوان ہو یا قرض کی وجہ سے واجب ہو، ان سب کو دَین کہتے ہیں۔ (حاشیہ بہار شریعت، 2/752)

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، باب المدینہ کراچی

مجمعِ شیاطین (شیطانوں کے جمع ہونے کی جگہیں) ہیں، یہ قطعاً یہاں بھی مُتَحَقَّق، بلکہ جب وہ مجمع بغرضِ عبادتِ غیرِ خدا (یعنی غیرِ خدا کی عبادت کے لئے) ہے تو حقیقۃً معابدِ کفّار (کافروں کے عبادت خانے کے حکم) میں داخل کہ مَعْبَد (عبادت خانہ) بوجہِ اُن اَفعال کے مَعْبَد ہیں، نہ بسببِ سقف و دیوار (نہ کہ چھت اور دیوار کی وجہ سے)۔۔۔ اور اگر وہ مجمع مذہبی نہیں بلکہ صرف لہوولعب (کھیل کود) کا میلا ہے تو محض بغرضِ تجارت جانا فی نفسہٖ ناجائز وممنوع نہیں جبکہ کسی گناہ کی طرف مُؤَدِّی (لے جانے والا) نہ ہو، علماء فرماتے ہیں مسلمان تاجر کو جائز کہ کنیز وغلام وآلاتِ حرب (جنگی ساز وسامان) مثلِ اَسْپ (گھوڑا) و سِلاح (لڑائی کے ہتھیار) وآہن وغیرہ کے سوا اور مال کفّار کے ہاتھ بیچنے کے لئے دارُالحرب میں لے جائے اگرچہ اِحْتِراز افضل، توہندوستان میں کہ عندالتحقیق دارُالحرب نہیں، مجمعِ غیرمذہبی کَفَرہ (کافروں کے غیر مذہبی مجمع) میں تجارت کے لئے مال لے جانا بدرجۂ اولیٰ جوازرکھتاہے۔۔۔ پھر بھی کراہت سے خالی نہیں کہ وہ ہروقت مَعَاذَ اللہ مَحَلِّ نزولِ لعنت (لعنت کے اُترنے کی جگہیں) ہیں تو اُن سے دوری بہتر، یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں اُن کے محلّہ میں ہو کر گزر ہو تو شِتابی (جلدی) کرتاہوا نکل جائے وہاں آہستہ چلنا ناپسند رکھتے ہیں تو رُکنا ٹھہرنا بدرجۂ اولیٰ مکروہ۔۔۔ پھر ہم صدرِکلام (ابتدائے کلام) میں ایما (اشارہ) کر چکے کہ یہ جواز بھی اُسی صورت میں ہے کہ اسے وہاں جانے میں کسی معصیَّت (گناہ) کا ارتکاب نہ کرنا پڑے مثلاً جلسہ ناچ رنگ کا ہو اور اسے اُس سے دور و بیگانہ موضع (یعنی دُور الگ تھلگ مقام) میں جگہ نہ ہو تو یہ جانا مستلزمِ معصیَّت (یعنی گناہ کو لازم کرنے والا) ہو گا اور ہر ملزومِ معصیَّت، معصیَّت (گناہ کو لازم کرنے والی ہر بات خود گناہ ہے) اور جانا محض بغرضِ تجارت ہو نہ کہ تماشا دیکھنے کی نیت کہ اس نیت سے مطلقاً ممنوع اگرچہ مجمع غیر مذہبی ہو۔ (فتاویٰ رضویہ، 23/523 تا 526ملتقطاً)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

ٹی وی بیچنا کیسا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گھر میں دو ٹی وی ہیں، اگر ان میں سے ایک بیچیں اور خریدنے والا اس کا غلط استعمال کرے تو کیا گناہ ہمیں ملے گا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: صورتِ مسئولہ میں آپ گنہگار نہیں ہوں گے، کیونکہ ٹی وی بذاتِ خود بُرا نہیں، اس کا استعمال اچھا بھی ہے اور بُرا بھی، خریدنے والا اس کا جیسا استعمال کرے، اس کا وبال آپ پر نہیں، اس کا وہ خود ذمہ دار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ ترجمۂ کنزالایمان: کوئی اور بوجھ اُٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گی۔ (پ8، الانعام:164)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

مُردہ جانور کی کھال بیچنا کیسا؟

سوال: بعض لوگ مُردہ جانور کی کھال اُتار کر بیچ دیتے ہیں ان کا کھال اُتارنا اور اس کو بیچنا کیسا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں کھال اُتار کر اگر دَباغَت کے بعد بیچتے ہیں تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت امامِ اَہلِسنت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے سوال ہوا کہ کھالِ مُردہ کا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب کچھ یوں ارشاد فرمایا: "کھال اگر پکا کر یا دھوپ میں سکھا کر دباغت کر لی جائے تو بیچنا جائز ہے لِطَهَارَتِهٖ وَ حِلِّ الْاِنْتِفَاعِ (بسبب اس کی طہارت کے اور اس سے نفع کے حلال ہونے کے) ورنہ حرام وباطل ہے لِاَنَّهٗ جُزْءُ مَيِّتٍ وَبَيْعُ الْمَيْتَةِ بَاطِلٌ (اس لئے کہ وہ مردار کی جُز ہے اور مردار کی بیع باطل ہے)۔" (فتاویٰ رضویہ، 17/161)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

تاجروں کے لئے

Rulings of Trade

اَحکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی*

حرام مال سے خریدی ہوئی چیز کا حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید سود کے پیسوں سے کھانے کے لئے چیز خریدتا ہے تو وہ کھانے کی چیز حلال کہلائے گی یا حرام ہوگی؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: کسی حرام مال سے خریدی ہوئی چیز میں حرمت و خباثت کے سرایت کرنے یعنی اس خریدی ہوئی چیز کے حرام و خبیث ہونے کے لئے خرید و فروخت میں مالِ حرام پر عقد و نقد کا جمع ہونا ضروری ہے۔ مالِ حرام پر عقد و نقد جمع ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ حرام روپیہ دکھا کر کہے اس روپے کے بدلے فلاں چیز دے دو اور جو روپے دکھائے تھے وہی حرام روپے قیمت میں ادا کر دے، اس طرح عقد و نقد مالِ حرام پر جمع ہونے سے جو چیز خریدی جائے گی وہ بھی حرام ٹھہرے گی۔ لیکن اگر خرید و فروخت میں مالِ حرام پر عقد و نقد جمع نہ ہوں مثلاً (1) سامان خریدتے ہوئے حرام روپے دکھائے تھے مگر دیتے ہوئے حلال روپے دیئے کہ یہاں حرام مال پر عقد ہوا لیکن نقد نہیں پایا گیا۔ (2) سامان خریدتے وقت حلال روپے دکھائے مگر دیتے ہوئے حرام روپے دیئے۔ (3) خریدتے وقت حلال یا حرام کوئی سے بھی روپے نہیں دکھائے لیکن دیتے وقت حرام روپے دیئے۔ ان دونوں مثالوں میں حرام مال پر نقد پایا گیا لیکن عقد نہیں ہوا لہٰذا ان صورتوں میں خریدی ہوئی چیزوں میں حرمت پیدا نہیں ہوگی یعنی وہ چیزیں حلال رہیں گی لیکن یہ بات یاد رہے کہ مذکورہ حکم سودی روپے کے عوض خریدی جانے والی چیز کی حلت و حرمت کے بارے میں تھا جہاں تک سودی مال میں تصرف کرنے کا معاملہ ہے تو وہ بہر صورت ناجائز و حرام ہے۔ (ملخص از فتاویٰ رضویہ، 16/298)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

نیلامی کے ذریعے سامان خریدنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض اوقات حکومتی ادارے اپنی تحویل میں لئے ہوئے سامان کو نیلام کرتے ہیں، اس کا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جس سامان کی نیلامی مالک کی اجازت سے ہو اس مال کا خریدنا اور اس خریدے ہوئے مال میں تصرف جائز ہے البتہ جو مال مالک کی اجازت کے بغیر نیلامی میں فروخت کیا گیا ہو اس کا عقد مالک کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر مالک اس عقد کو جائز کر دے تو جائز ہو جائے گا اور خریدار اس کا مالک کہلائے گا اور اس کا تصرف اس مال میں جائز ہوگا اور اگر مالک اس عقد کو رد کر دے تو وہ عقد باطل ہو جائے گا اور مالک کی اجازت کے بغیر کئے گئے سودے کو جب تک مالک جائز و نافذ نہ کرے اس وقت تک سامان میں خریدار کو تصرُّف حلال نہ ہو گا۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اسمگلنگ کے بارے میں شرعی حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ اسمگلنگ کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ یعنی دوسرے ملک سے

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، باب المدینہ کراچی

چاندی سونا یا گھڑی اور کپڑا وغیرہ لاکر بیچنا شرع کے نزدیک کیسا ہے جب کہ ملکی قانون کے اعتبار سے جرم ہے؟ مطلب اس صورت میں جرم ہے جب چُھپا کر لایا جائے اور جو ٹیکس بنتا ہے وہ نہ دیا جائے ایسا دو طرح سے ہوتا ہے ایک تو رسمی راستوں کے بجائے کشتیوں یا خفیہ راستوں کے ذریعے کیا جاتا ہے دوسرا یہ کہ سی پورٹ یا ائیرپورٹ کے ذریعے ہی سامان آتا ہے لیکن اندر کے لوگوں سے کھانچے ہوتے ہیں جس کی بنا پر رشوت وغیرہ دے کر ٹیکس بچا لیا جاتا ہے؟ اس بارے میں راہنمائی فرمائیں۔

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جن چیزوں کی خرید و فروخت حلال ہے صرف اسمگلنگ کی وجہ سے وہ چیزیں حرام نہیں ہو جائیں گی البتہ ایسا طریقہ اختیار کرنا، ناجائز کہلائے گا۔ ناجائز ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا غیر قانونی ہے، پکڑے جانے پر قید و بند اور رسوائی لازمی چیز ہے پھر اس کام کو جاری رکھنے کے لئے رشوتیں دینا پڑتی ہیں جو خود الگ سے حرام کام ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

خون کی خرید و فروخت کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض بلڈ بینک (Blood bank) والے خون کی خرید و فروخت کرتے ہیں ان کا خون کی خرید و فروخت کرنا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: خون کی خرید و فروخت ناجائز و گناہ و باطل ہے۔ ہاں اگر مریض کو حاجت و ضرورت کی حالت میں بغیر پیسوں کے نہیں ملتا تو اس کو یا اس کے لواحقین کو خریدنا جائز ہے لیکن بیچنے والے کے لئے یہ پیسے حلال و طیب نہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

نیا موبائل ڈبہ کھل جانے کے بعد کم قیمت میں بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم ڈبہ پیک نیا موبائل لے کر رقم کی ادائیگی بھی کر دیتے ہیں مگر ڈبہ کھولنے کے بعد موبائل پسند نہیں آتا تو دکان دار سے واپس کرنے کا کہتے ہیں تو وہ ہزار، دو ہزار بلکہ بعض اوقات اس سے بھی زیادہ رقم کم کر کے واپس کرتا ہے جس سے خریدار کو نقصان ہوتا ہے، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ کیا یہ صورت سود میں داخل ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: نیا موبائل جب کھول کر چیک کرنے کے لیے اسٹارٹ کر لیا تو اس کی قیمت گر جاتی ہے ایسے موقع پر ہمارا عُرف یہ ہے کہ اس طرح کا دوسرا موبائل دیکھ کر پہلے اطمینان حاصل کیا جاتا ہے پھر ڈبہ پیک موبائل خریدا جاتا ہے اور اگر اس میں کوئی عیب نہ ہو تو واپس نہیں کیا جاتا اگر کوئی واپس کرنا چاہے تو نئی خریداری ہوتی ہے یعنی وہ بعد میں آکر دکاندار کو فروخت کرتا ہے اور ایسی فروخت بہت ساری چیزوں میں ہوتی ہے لوگ گاڑیاں لیتے ہیں، مہینا پندرہ دن استعمال کرنے کے بعد اسی شخص کو جس سے خریدی تھی کم قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں تو دوسری ڈیل ایک نئی خریداری ہوتی ہے جس میں خرید و فروخت کی شرائط و تفصیل پائی جاتی ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

بیعانہ ضبط کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ عام طور پر رائج ہے کہ جب ایک شخص کسی سے کوئی مال خریدتا ہے تو وہ بیچنے والے کو کچھ رقم بیعانہ دیتا ہے پھر کسی وجہ سے وہ دونوں آپس میں بیع ختم کر دیتے ہیں تو بیچنے والا بیعانہ کی رقم ضبط کر لیتا ہے خریدار کو واپس نہیں کرتا اس کا ایسا کرنا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: سودا ختم ہو جانے پر بیعانہ ضبط کرنا، ناجائز و گناہ اور ظلم ہے۔ اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرَّحمٰن فرماتے ہیں: ”بیع نہ ہونے کی حالت میں بیعانہ ضبط کر لینا جیسا کہ جاہلوں میں رواج ہے ظلمِ صریح ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ، 17/94)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

احکامِ تجارت

ٹیکس بچانے کے لئے کم بل بنانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خریدار نے ہم سے جتنے کی چیز خریدی ہے وہ اس سے کم کا بل بنواتا ہے تاکہ اس کو زیادہ ٹیکس نہ دینا پڑے۔ یہ ارشاد فرمائیں کہ اس طرح کم بل بنا کر دینا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: بل پر جو رقم آپ لکھ رہے ہیں وہ خلافِ واقع ہے مثلاً ایک ڈیل ہوئی دس ہزار روپے کی اور آپ نے لکھی پانچ ہزار روپے کی، تو یہاں جھوٹ لکھنا پایا جارہا ہے جو کہ بلا اجازتِ شرعی گناہ کا کام ہے۔ لہٰذا جھوٹ لکھنے اور اس طرح غیر قانونی کام کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

دوسری شادی کی صورت میں جرمانے کی شرط لگانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ نکاح فارم میں یہ شرط لگانا کیسا ہے کہ اگر شوہر نے طلاق دی یا دوسری شادی کی تو دو لاکھ روپے کی رقم دینی پڑے گی؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: یہ صورت تعزیر بالمال یعنی مالی جرمانے میں آتی ہے یوں لکھوانا جائز نہیں ہے۔ البتّہ اس طرح کی رقم مہر کے طور پر لکھوائی جاسکتی ہے، نکاح نامہ میں مہر کا کالم موجود ہوتا ہے اور مہر ہمارے یہاں دو طرح سے لکھا جاتا ہے ایک یہ ہوتا ہے کہ فوری دیا جائے اور ایک وہ ہوتا ہے جو فوری نہیں دیا جاتا بلکہ طلاق ہوجائے یا شوہر کی وفات ہوجائے تو ترکے سے دیا جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں سے کسی بھی قسم میں مہر کے طور پر لکھوایا جاسکتا ہے کہ شوہر نے بیوی کے لئے اتنا مہر مقرر کیا ہے مہر چاہے کتنا ہی مقرر کرلیں کوئی منع نہیں ہے قرآنِ پاک کی واضح آیت موجود ہے لیکن الگ سے لکھوانا کہ اگر طلاق دے دی تو اتنے پیسے اور دینے پڑیں گے یہ جائز نہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

پرندوں کا کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا پرندوں کا کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کرنا جائز ہے مثلاً ایک اچھی نسل کے طوطے کے بدلے میں زیادہ تعداد میں کبوتر دینا جائز ہے یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: ایک اچھی نسل کے طوطے یا کسی اور پرندے کو

* دارالافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، بابُ المدینہ کراچی

دوسرے کئی پرندوں کے بدلے میں بیچنا جائز ہے کیونکہ پرندوں کوناپ یاتول کر نہیں بلکہ تعداد کے اعتبار سے خریدا اور بیچا جاتا ہے اور عددی ہونے سے سود پائے جانے کی ایک علت ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر ایک ہی جنس کے پرندوں کو کمی بیشی سے خریدا یابیچا جائے تو ادھار کرنے کی اجازت نہیں۔

حضرت سیّدنا جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبیِّ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ”الحیوان اثنان بواحد لا یصلح نسیئا، ولا بأس بہ یدا بید“ ترجمہ: ایک جانور کو دو کے بدلے میں ادھار بیچنا جائز نہیں اور ہاتھوں ہاتھ بیچنے میں حرج نہیں۔(ترمذی،3/19،حدیث:1242)

شمسُ الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: ”فإن الجنس عندنا یحرم النساء بانفرادہ“ ترجمہ: ہمارے نزدیک صرف جنس ایک ہونا بھی ادھار کو حرام کر دیتا ہے۔

(المبسوط للسرخسی، جز12،6/143)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کمیشن ایجنٹ کا زائد قیمت پر چیز بیچنا

سوال: کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کمیشن ایجنٹ کمپنی ریٹ سے زیادہ قیمت پر چیز بیچ کر اضافی رقم خود رکھ سکتا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: شرعی قوانین کی رو سے بروکر ایک نمائندہ ہوتا ہے خود پارٹی نہیں ہوتا بلکہ دو پارٹیوں کو ملوارہا ہوتا ہے۔ سودا اگر زیادہ پیسوں میں ہوتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ مال بیچنے والے کو اسی قیمت سے آگاہ کرے جس قیمت میں مال بکا ہے اور پوری قیمت بیچنے والے کے حوالے کرے اصل قیمت میں سے خود رکھنا اور مالکان کو آگاہ نہ کرنا یہ حرام فعل ہے نہ ہی یہ اضافی رقم اس کیلئے حلال ہوگی۔ یہ صرف اپنی مقررہ کمیشن کا حق دار ہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

زیادہ ایڈوانس دے کر کرایہ کم کروانا کیسا؟

سوال: کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں ایک مکان کرایہ پر لیناچاہتاہوں جس کا کرایہ عام طور پر پچیس ہزار روپے اور ایڈوانس پانچ لاکھ روپے ہوتا ہے لیکن مالک مکان نے مجھے یہ آفر کی ہے کہ اگر آپ مجھے بارہ لاکھ روپے ایڈوانس دے دو تو میں کرایہ کم کرکے پندرہ ہزار کردوں گا۔ کیا اس طرح زیادہ ایڈوانس دے کر کرایہ کم کروانا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں رائج ایڈوانس کے مقابلے میں زائد رقم اسی لئے لی گئی ہے کہ مالک مکان اس کرایہ دار کو بدلے میں فائدہ پہنچائے کہ اس سے کرایہ کم لیاجائے۔

رائج مقدار سے ہٹ کر لیا گیا زیادہ ایڈوانس بھی عام ایڈوانس کی طرح قرض ہے لیکن عام ایڈوانس کے مقاصد میں سب سے نمایاں پہلو سیکیورٹی کا ہوتا ہے جبکہ زائد ایڈوانس میں بدلہ یامعاوضہ دینا مقصود ہوتا ہے۔ زائد ایڈوانس لینے والا قرض پر نفع دیتے ہوئے عرف سے کم کرایہ وصول کرتا ہے یا بالکل ہی کرایہ نہیں لیتا۔ یہ سودی صورت ہے کہ قرض سے نفع اٹھانا پایا جارہا ہے۔ لہٰذا یہ طریقہ کار سودی معاملہ ہونے کی وجہ سے ناجائز وگناہ ہے کیونکہ ایڈوانس کی رقم پراپرٹی کے مالک پر قرض ہوتی ہے اور کرایہ دار قرض دے کر اس سے مالی فائدہ حاصل کرناچاہتا ہے جو کہ سودی فائدہ ہے لہٰذا جائز نہیں۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی*

ڈش ری چارج کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں موبائل شاپ چلاتا ہوں اور پہلے ڈش ری چارج بھی کرتا تھا۔ اس معاملے میں میری رہنمائی فرمائیں کہ کیا ڈش ری چارج کر سکتے ہیں اس پر کمیشن ملتا ہے اگر ہم نہیں کریں گے تو کوئی اور کرے گا تو کیا ڈش ری چارج کر سکتے ہیں؟ اسی طرح نیٹ ری چارج کا بھی ارشاد فرمائیں کیونکہ نیٹ کا بھی لوگ غلط استعمال کر سکتے ہیں تو کیا نیٹ کی سہولت فراہم کرنا بھی ناجائز ہوگا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: چینل کی دنیا بہت وسیع ہے اور نت نئے انداز پر دنیا کے مختلف ممالک میں یہ سہولت دی جاتی ہے۔ پاکستان میں خاص طور پر پڑوسی ملک کے فلموں اور ڈراموں کے چینلز ڈش کے ذریعے ماہانہ معاوضہ دے کر حاصل کئے جاتے ہیں ورنہ اس چینل کی سروس بند ہو جاتی ہے۔ عام طور سے تو لوگ یہ چینلز کیبل کے ذریعے دیکھ رہے ہوتے ہیں جن کو کیبل آپریٹر خود فیس ادا کر کے آگے سپلائی کر رہا ہوتا ہے لیکن براہِ راست ڈش سے دیکھنے والے خود یہ سہولت حاصل کرنے کے لئے ری چارج کرواتے ہیں۔

شریعتِ مطہرہ کے اصولوں کی روشنی میں یہ پورا عمل سروس اور خدمات پر مشتمل ہے جائز سروس اور خدمات کا معاوضہ بھی جائز ہے جبکہ ناجائز سروس اور خدمات کا معاوضہ و معاونت بھی ناجائز ہوتی ہے۔

پوچھی گئی صورت میں ان چینلز کا ری چارج کرنے والا گناہوں بھرے چینلز کی ترویج و اشاعت میں براہِ راست معاون و مددگار ہے اس لئے ایسے کسی بھی ڈش کا ری چارج کر کے نفع کمانا حلال نہیں جو گناہوں پر مشتمل ہے بلکہ بغیر معاوضے کے بھی یہ کام جائز نہیں ہو سکتا کیونکہ گناہ پر معاونت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ویسے بھی یہ کام ہمارے ملک پاکستان میں غیر قانونی ہے اور اس طرح کے بیشتر چینلز حکومت کی طرف سے اس طرز پر کام کرنے کے مجاز نہیں لیکن ناجائز ہونے کی اصل وجہ وہی ہے جو اوپر لکھی جاچکی۔ لہٰذا اگر قانون ایسے چینلز کی اجازت بھی دے تب بھی یہ کام ناجائز ہی رہے گا۔

جہاں تک انٹرنیٹ کا تعلق ہے تو انٹرنیٹ کے ہزارہا مثبت استعمال موجود ہیں اب استعمال کرنے والے پر ہے کہ وہ استعمال کر کے کہاں جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال خود ٹی وی یا ایل سی ڈی کی ہے کہ شرعی اصولوں کی روشنی میں ٹی وی یا ایل سی ڈی بیچنا جائز ہے کیونکہ خریدنے والے کی مرضی ہے وہ چاہے تو صرف مدنی چینل دیکھے کوئی اور چینل نہ دیکھے، یوں دیکھنے والے پر ہے کہ وہ اس کا کیا استعمال کرے گا۔ یعنی یہاں گناہ ہونا متعین نہیں لیکن جہاں گناہ ہونا متعین ہو وہاں رخصت یا چھوٹ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ جن چینلز کو ہمارے ملک میں ری چارج کر

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، باب المدینہ کراچی

کے دیکھا جاتا ہے وہ فحاشی و عریانیت اور کفار کی تہذیب اور بے ہودگی پر مشتمل ہیں لہٰذا یہاں گناہ متعین ہے اس کی کسی بھی سطح کی براہِ راست معاونت کیسے جائز ہو سکتی ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

میرج بیورو کی آمدنی کا شرعی حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو لوگ شادیاں کرواتے ہیں یعنی میرج بیورو چلاتے ہیں وہ اس کام کے پیسے لیتے ہیں۔ کیا ان کا پیسہ لینا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: نکاح کروانے اور رشتے کروانے کی اجرت لی جاسکتی ہے یعنی یہ کام جائز ہے جبکہ اس معاملے میں لین دین اور اجرت کے تمام شرعی تقاضے بھی پورے کیے جائیں۔

عام طور پر رشتہ کروانے والے رئیل اسٹیٹ کی طرح دو پارٹیوں کو ملانے کا ہی کام کرتے ہیں۔ یہاں یہ ضروری ہے کہ رشتہ کروانے والے کو کام پہلے سپرد کیا ہو اور اس نے دوڑ دھوپ اور عملی محنت بھی کی ہو۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

نیوز ایجنسی قائم کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نیوز ایجنسی قائم کرنا کیسا ہے؟ نیوز ایجنسی کے اندر مختلف قسم کے اخبارات اور میگزین وغیرہ فروخت کیے جاتے ہیں ان میگزین اور اخبارات میں مختلف قسم کی چیزیں ہوتی ہیں تو نیوز ایجنسی قائم کرنا اور یہ اخبارات فروخت کرنا کیسا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اخبارات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو خبروں پر مشتمل ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو فلمی اخبارات کہلاتے ہیں اور بنیادی طور پر فلموں یا ناجائز کاموں کی تشہیر کے لئے ہوتے ہیں ان کے خریدنے کا مقصد تصویریں دیکھنا ہوتا ہے یا پھر صرف فلموں ہی کے بارے میں جاننا دوسری قسم یعنی فلموں کے میگزین کی خرید و فروخت جائز نہیں۔ البتہ وہ اخبارات جو بنیادی طور پر خبروں پر مشتمل ہوتے ہیں ان میں خبریں اصل مقصد ہوتی ہیں لہٰذا ان کی خرید و فروخت جائز ہے۔ جہاں تک ان میں موجود تصاویر کا تعلق ہے تو چونکہ ان میں خریدنے والے کا مقصد تصاویر نہیں ہوتیں بلکہ اس کا مقصد خبروں کے ذریعے منفعت حاصل کرنا ہوتا ہے جو کہ جائز منفعت ہے اور ان اخبارات کا غالب حصہ خبروں اور معلومات پر مشتمل ہوتا ہے باقی چیزیں ضمناً ہوتی ہیں لہٰذا "انما الامور بمقاصدھا" کے تحت مقصود کو دیکھتے ہوئے اس کام کو جائز ہی کہا جائے گا، ناجائز نہیں کہہ سکتے۔

وَقارُ الفتاویٰ میں ایسی کتب جن میں تصاویر بھی ہوتی ہیں ان کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "ان کتابوں کا بیچنا جائز ہے کہ یہ کتابوں کی خرید و فروخت کرنا ہے نہ کہ تصاویر کی۔ البتہ علیحدہ سے تصویر کا بیچنا حرام ہے۔" (وقار الفتاویٰ، 218/1)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

بروکری کی ایک ناجائز صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص دکاندار کے پاس پرندوں کا جوڑا مثلاً مہنگے طوطے بیچنے آیا، دکاندار نے اس سے کہا کہ ٹھیک ہے میں ان کو اپنی دکان میں رکھ لیتا ہوں جتنے کے بکیں گے اس میں بیس ہزار آپ کو دوں گا اور اُوپر جو ہوں گے وہ میں رکھ لوں گا۔ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں ان دونوں افراد کے درمیان خرید و فروخت تو نہیں ہوئی بلکہ گاہک نے دکاندار کو طوطے بیچنے کا وکیل بنایا ہے، اب دکاندار یہ طوطے بیچ کر اس کی اجرت لے گا اور اجرت یہاں مجہول ہے کیونکہ معلوم نہیں کتنے کا بکے گا لہٰذا یہ طریقہ شرعاً جائز نہیں۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

مفتی محمد ہاشم خان عطاری مدنی*

چیز بیچنے پر اجارہ کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ زید کو قسطوں کی دکان پر نوکری مل رہی ہے، تنخواہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ مارکیٹنگ کرکے مہینہ میں 4لاکھ کی سیل کروائے گا تو اس کو 25000روپے تنخواہ ملے گی اور اگر اس سے کم ہوئی تو 1لاکھ سیل پر ایک ہزار تنخواہ ہوگی، اور سیل کے کم زیادہ ہونے کی صورت میں اسی تناسب سے تنخواہ ملے گی۔ کیا یہ نوکری جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: وقت کا اجارہ نہیں ہوگا، کام پر ہوگا، وقت کی کوئی پابندی نہیں ہوگی نیز قسط لیٹ ہونے پر مالی جرمانہ کی شرط بھی ہوتی ہے۔ سائل: محمد محسن (مرکز الاولیاء، لاہور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: سوال میں مذکورہ طریقہ کے مطابق نوکری کرنا جائز نہیں کہ اولاً تو یہاں چیز بیچنے پر اجارہ کیا گیا ہے یعنی اگر ملازم ایک لاکھ کی اشیاء فروخت کرے گا تو اسے ایک ہزار روپے ملیں گے اور اگر چار لاکھ کی فروخت کرے گا تو اسے پچیس ہزار روپے ملیں گے (اسی طرح کم زیادہ بیچنے کی صورتیں ہیں) اور چیز بیچنے پر اجارہ کرنا جائز نہیں کہ یہ ایسا کام ہے جو اجیر کی قدرت میں نہیں ہے۔ اور ثانیاً قسط میں تاخیر کی وجہ سے جو مالی جرمانہ کی شرط لگائی گئی ہے یہ بھی جائز نہیں کیونکہ مالی جرمانہ منسوخ ہوچکا ہے اور منسوخ پر عمل کرنا حرام ہے۔

درمختار اور تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے (والنظم للتبیین) ”لو استؤجر باجرۃ معلومۃ علی ان یشتری او یبیع شیا معلوما لا تجوز الاجارۃ لانہ استؤجر علی عمل لا یقدر علی اقامتہ بنفسہ فان الشراء والبیع لا یتم الا بمساعدۃ غیرہ وھو البائع والمشتری فلا یقدر علی تسلیمہ“ ترجمہ: اگر کسی کو ایک معین اجرت کے بدلے میں شے بیچنے یا خریدنے پر اجیر رکھا تو یہ اجارہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس کو ایسے کام پر اجیر رکھا گیا ہے جس کو کرنے پر وہ قادر نہیں، اس لئے کہ خریدنا اور بیچنا کسی دوسرے کی کوشش کے بغیر تام نہیں ہوتا اور دوسرا شخص بائع اور مشتری ہے لہٰذا اجیر اس منفعت کو سپرد کرنے پر قادر نہیں۔ (تبیین الحقائق، 5/67)

ردالمحتار میں بحرالرائق کے حوالے سے ہے ”فی شرح الآثار التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ“ ترجمہ: شرح الآثار میں ہے کہ تعزیر بالمال ابتدائے اسلام میں تھی پھر اس کو منسوخ کردیا گیا۔ (ردالمحتار، 4/61) حاشیہ شلبی علی تبیین الحقائق میں ہے ”العمل بالمنسوخ حرام“ ترجمہ: منسوخ پر عمل کرنا حرام ہے۔ (حاشیہ شلبی مع تبیین الحقائق، 4/189)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

مجہول نفع پر خرید و فروخت کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں کپڑا سیل کرتا ہوں۔ طریقہ یہ ہے کہ میرے

*دارالافتاء اہلِ سنت، مرکز الاولیاء لاہور

ماموں اپنے پیسوں سے دوسرے ملک سے کپڑا منگواتے ہیں، میں وہ کپڑا ان سے اُدھار پر خرید لیتا ہوں اور طے یہ ہوتا ہے کہ اس کی وہ مالیت جس پر ماموں نے خریدا ہے اور مزید بیچنے کے بعد جو نفع ہو گا اس میں سے آدھا ماموں کو دوں گا، کیا اس طرح کرنا درست ہے؟ اگر اس میں کوئی خرابی ہے تو اس کا حل بھی بتادیں۔ سائل: محمد ارشد عطاری (مرکز الاولیاء، لاہور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: آپ کا اپنے ماموں سے اس طرح کپڑا خریدنا "ناجائز و گناہ" ہے اور یہ بیع فاسد ہے جس کو ختم کرنا دونوں پر لازم ہے کیونکہ اس میں کپڑے کی قیمت مجہول ہے کہ آپ نے یہاں دو چیزوں کو بطورِ قیمت مقرر کیا ہے (1) آپ کے ماموں کی قیمتِ خرید (2) آپ کو ہونے والے نفع میں سے آدھا حصہ۔ اور آپ کو نفع کتنا ہو گا یہ مجہول ہے لہٰذا اس وجہ سے یہ بیع فاسد ہے۔ بدائع الصنائع میں بیع کی صحت کی شرائط کے بیان میں ہے "ان یکون المبیع معلوما وثمنه معلوما" ترجمہ: بیع کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ مبیع (یعنی جس چیز کو بیچا جارہا ہے) اور اس کی قیمت معلوم ہو۔ (بدائع الصنائع، 5/156)

محیط برہانی میں ہے "جهالة المبيع أو الثمن مانعة جواز البيع" ترجمہ: مبیع یا ثمن کی جہالت بیع کے جواز سے مانع ہے۔

(محیط برہانی، 6/363)

امامِ اہلِ سنّت سیّدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرَّحمٰن فرماتے ہیں: "وكل شرط فاسد فهو يفسد البيع وكل بيع فاسد حرام واجب الفسخ على كل من العاقدين فان لم يفسخا اثما جميعا وفسخ القاضي بالجبر" جو شرط فاسد ہو وہ بیع کو فاسد کر دیتی ہے اور ہر فاسد بیع حرام ہے جس کا فسخ کرنا بائع اور مشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے اگر وہ فسخ نہ کریں تو دونوں گنہگار ہوں گے اور قاضی جبراً اس بیع کو فسخ کرائے۔

(فتاویٰ رضویہ، 17/160)

اس کا حل یہ ہے کہ آپ ایک مدت طے کر کے مقررہ قیمت پر اپنے ماموں سے وہ کپڑا خریدیں مثلاً اگر ان کو وہ کپڑا 5 ہزار میں پڑا ہے تو آپ ان سے ایک ماہ کے ادھار پر 5 ہزار 5 سو کا خرید لیں یا 6 ہزار کا خرید لیں، قیمت جو بھی طے ہو وہ معین ہو اور ساتھ ہی پیسے دینے کی تاریخ بھی طے کرلیں تو آپ کا خریدنا "جائز" ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

ایک روپے کی چیز دس روپے میں بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ کیا ایک روپے کی چیز دس روپے میں بیچنا جائز ہے؟ سائل: محمد محسن عطّاری (مرکز الاولیاء، لاہور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جب کوئی مانعِ شرعی (جیسا کہ جھوٹ اور دھوکا وغیرہ) نہ ہو تو ایک روپے کی چیز باہم رضامندی سے دس روپے میں بیچنا جائز ہے کیونکہ شریعتِ مطہرہ نے نفع کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرَّحمٰن سے سوال ہوا کہ "چار پیسے کی چیز کا دُگنی یا تین گنی قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے؟" تو جواباً ارشاد فرمایا: "(ماقبل اور یہ) دونوں باتیں جائز ہیں جبکہ جھوٹ نہ بولے فریب نہ کرے مثلاً کہا خرچ وغیرہ ملا کر مجھے سوا چار میں پڑی ہے اور پڑی تھی پونے چار کو یا خرید وغیرہ ٹھیک بتائے مگر مال بدل دیا، یہ دھوکا ہے یہ صورتیں حرام ہیں ورنہ چیزوں کے مول لگانے میں کمی بیشی حرج نہیں رکھتی۔" (فتاویٰ رضویہ، 17/139)

لیکن مناسب یہ ہے کہ لوگ جو نفع عمومی طور پر لیتے ہیں وہی لیا جائے کیونکہ جو زیادہ نفع لیتا ہے لوگ اس سے کم خریداری کرتے ہیں اور باتیں بھی بناتے ہیں۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

Rulings of Trade

اَحکامِ تجارت

مفتی محمد ہاشم خان عطّاری مَدَنی*

اِجارہ کے وقت میں کوئی اور کام کرنا

کیا فرماتے ہیں عُلَمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک محکمہ میں مسجد کی تعمیر کا سلسلہ جاری تھا، مکمّل کام ٹھیکے پر کروایا جارہا تھا، مسجد کے دوسرے فلور پر جانے کے لیے سیڑھی بنائی گئی، ٹھیکیدار نے سیڑھی کو پانی نہیں لگوایا، جب وہاں کے ذمّہ دار نے سیڑھی کو دیکھا تو اس نے ٹھیکیدار کو کہا کہ ”اس سیڑھی کو پانی لگوائیں ورنہ یہ خراب ہوجائے گی“ تو ٹھیکیدار نے جواباً کہا: ”آپ کسی سے پانی لگوالیں، میں ایک ہزار روپے اجرت دے دوں گا“، پھر ٹھیکیدار نے اس محکمہ کے خادم سے اس کے اجارہ ٹائم میں پانی لگوایا اور اسے ایک ہزار روپے اجرت دیدی، حالانکہ اس خادم کا محکمہ میں جس کام پر اجارہ تھا وہ موجود تھا اس کو چھوڑ کر اس نے پانی لگایا۔ شرعی رہنمائی درکار ہے کہ 1 خادم کا وقتِ اجارہ میں سیڑھی کو پانی لگانے کا کام کرنا اور ہزار روپے اجرت لینا کیسا تھا؟ 2 اگر وہ اجرت کا حقدار نہیں ہے تو کیا یہ رقم خادم سے لے کر ٹھیکیدار کو واپس دی جائے یا مسجد کے فنڈ میں ڈال دیں؟ 3 خادم نے جتنا وقت سیڑھی کو پانی لگانے کا کام کیا اس کی اتنے وقت کی کٹوتی ہوگی یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

(1تا3)صورتِ مسئولہ میں اس محکمہ کا خادم اجیرِ خاص ہے۔ اس کے لیے دورانِ اجارہ ٹھیکیدار سے سیڑھی کو پانی لگانے کا اجارہ کرنا، ناجائز و حرام تھا، البتّہ جب اس نے پانی لگادیا تو وہ اجرت کا مستحق ہوگیا، لہٰذا جو اجرت ٹھیکیدار نے اسے دی وہ اسی کا حق ہے، وہ نہ تو ٹھیکیدار کو واپس دی جائے گی اور نہ ہی مسجد فنڈ میں ڈالی جائے گی، نیز خادم کے لیے لازم ہے کہ اس گناہ سے توبہ کرے اور جتنا وقت دورانِ اجارہ سیڑھی کو پانی لگایا اتنے وقت کا صحیح تعیّن کرکے اپنی اجرت سے کٹوتی کروائے۔

اس میں تفصیل یہ ہے کہ اجیرِ خاص (یعنی جو شخص خاص وقت میں خاص شخص کا اجیر ہو اس) پر لازم ہوتا ہے کہ وہ وقتِ اجارہ میں مُستاجر (جس کا ملازم ہے اس) کے ساتھ کئے گئے معاہدے کے مطابق اچّھے طریقے سے کام سرانجام دے، اس دوران وہ اپنا ذاتی یا کسی اور کا کام یا دوسری جگہ اجارہ نہ کرے، اگر وہ کرے گا تو گنہگار ہوگا، اگر اس دوران وہ دوسری جگہ اجارہ کرے تو پہلے مقرّرہ کام میں سے جتنا وقت کام ترک کیا اتنے وقت کی کٹوتی کروانا بھی لازم ہوگا، البتّہ اس صورت میں دوسری جگہ جو کام کیا، اس کی اجرت کا اجیر مستحق ہوجاتا ہے۔

اجیرِ خاص کی تعریف کے متعلّق درِّ مختار مع رد المحتار میں ہے: ترجمہ: اجیرِ خاص کا دوسرا نام اکیلے شخص کا اجیر ہے، اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو وقتِ خاص میں کسی ایک کا کام کرے، اور یہ مدّتِ

*دارالافتاء اہلِ سنّت، مرکز الاولیاء لاہور

اجارہ میں تسلیمِ نفس کے ساتھ اجرت کا حق دار ہو گا اگرچہ (مستاجر کی طرف سے کام نہ ملنے کی صورت میں) کام نہ کرے، مثلاً کسی کو ایک ماہ تک خدمت یا بکریاں چرانے کے لیے معیّن اجرت کے بدلے میں اجیر رکھنا۔ (در مختار، 9/117)

اجیرِ خاص کا بوقتِ اجارہ کسی دوسرے کا کام کرنے کے متعلّق درِّ مختار میں ہے: ترجمہ: اجیرِ خاص کو جائز نہیں کہ دوسروں کا کام کرے اگر اس نے ایسا کیا تو اتنی رقم اس کی تنخواہ سے کاٹ لی جائے گی۔ (در مختار، 9/119)

محیطِ برہانی میں ہے: ترجمہ: جو شخص من کلّ الوجوہ اجیرِ خاص ہو یعنی خاص مدّت تک اس سے عقدِ اجارہ کیا گیا اور اس نے اسی مدّت میں دوسرے سے بھی ایسے کام پر اجارہ کر لیا کہ دونوں کام ایک ساتھ کرنا ممکن نہیں مثلاً کسی دن ایک درہم کے بدلے میں کھیتی کی کٹائی یا خدمت کرنے پر اجارہ کیا پھر جس سے اجارہ کیا تھا اس کے علاوہ کسی کے لیے کچھ وقت کھیتی کی کٹائی یا خدمت کرنے میں وقت صرف کیا تو پہلی جگہ سے پوری تنخواہ کا مستحق نہیں ہو گا (بلکہ جتنا ٹائم دوسری جگہ صرف کیا پہلی جگہ سے اتنی کٹوتی کروانی ہو گی) اور گناہ گار بھی ہو گا۔

(محیط برہانی، 9/331)

امامِ اہلِ سنّت سیّدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرَّحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: اجیرِ خاص پر وقتِ مقرّرہ معہود میں تسلیمِ نفس لازم ہے، اور اسی سے وہ اجرت کا مستحق ہوتا ہے اگرچہ کام نہ ہو۔۔۔۔ بہر حال جس قدر تسلیمِ نفس میں کمی کی ہے اتنی تنخواہ وضع ہو گی۔ (فتاویٰ رضویہ، 19/506)

بہارِ شریعت میں ہے: اجیرِ خاص نے اگر دوسرے کا کام کیا تو جتنا کام کیا ہے اُسی حساب سے اُس کی اُجرت کم کر دی جائے گی۔ (بہارِ شریعت، حصہ 14، 3/161)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

تقریر کی اجرت لینا

کیا فرماتے ہیں عُلَمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ جو مقرّر پیسے طے کر کے آئے اور پیسے نہ ملنے پر نہ آئے کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ ایسے مقرّر کا وعظ و نصیحت سننا چاہئے کہ نہیں؟ ایسے مقرّر کا وعظ سننا جائز ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

فی زمانہ مقرّر کا تقریر و بیان کی اجرت لینا جائز ہے اور جو مقرّر طے کر کے اجرت لیتا ہے اس کا وعظ و بیان سننا جائز ہے بشرطیکہ صحیح العقیدہ سنّی ہو۔ امامِ اہلسنّت مجدّدِ دین و ملّت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرَّحمٰن فرماتے ہیں: ''اصل حکم یہ ہے کہ وعظ پر اجرت لینی حرام ہے۔ درِّ مختار میں اسے یہود و نصاریٰ کی ضلالتوں میں سے گِنا مگر ''کم مّن احکام یختلف باختلاف الزّمان، کما فی العٰلمگیریۃ'' (بہت سے احکام زمانہ کے اختلاف سے مختلف ہو جاتے ہیں جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے۔) کلیہ غیرِ مخصوصہ کہ طاعات پر اُجرت لینا ناجائز ہے ائمہ نے حالاتِ زمانہ دیکھ کر اس میں سے چند چیزیں بضرورت مستثنیٰ کیں: امامت، اذان، تعلیمِ قرآنِ مجید، تعلیمِ فقہ، کہ اب مسلمانوں میں یہ اعمال بلانکیر معاوضہ کے ساتھ جاری ہیں، مجمع البحرین وغیرہ میں ان کا پانچواں وعظ گنا و بس۔ فقیہ ابواللیث سمرقندی فرماتے ہیں، میں چند چیزوں پر فتویٰ دیتا تھا، اب ان سے رجوع کیا، ازانجملہ میں فتویٰ دیتا تھا کہ عالم کو جائز نہیں کہ دیہات میں دورہ کرے اور وعظ کے عوض تحصیل کرے مگر اب اجازت دیتا ہوں، لہٰذا یہ ایسی بات نہیں جس پر نکیر لازم ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔'' (فتاویٰ رضویہ، 19/538)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: ''بعض عُلَماء نے وعظ کو بھی ان امورِ مستثنیٰ میں داخل کیا جن پر اس زمانہ میں اخذِ اجرت (اجرت لینا) مشائخِ متاخرین نے بحکمِ ضرورت جائز رکھا''۔

(فتاویٰ رضویہ، 19/435)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

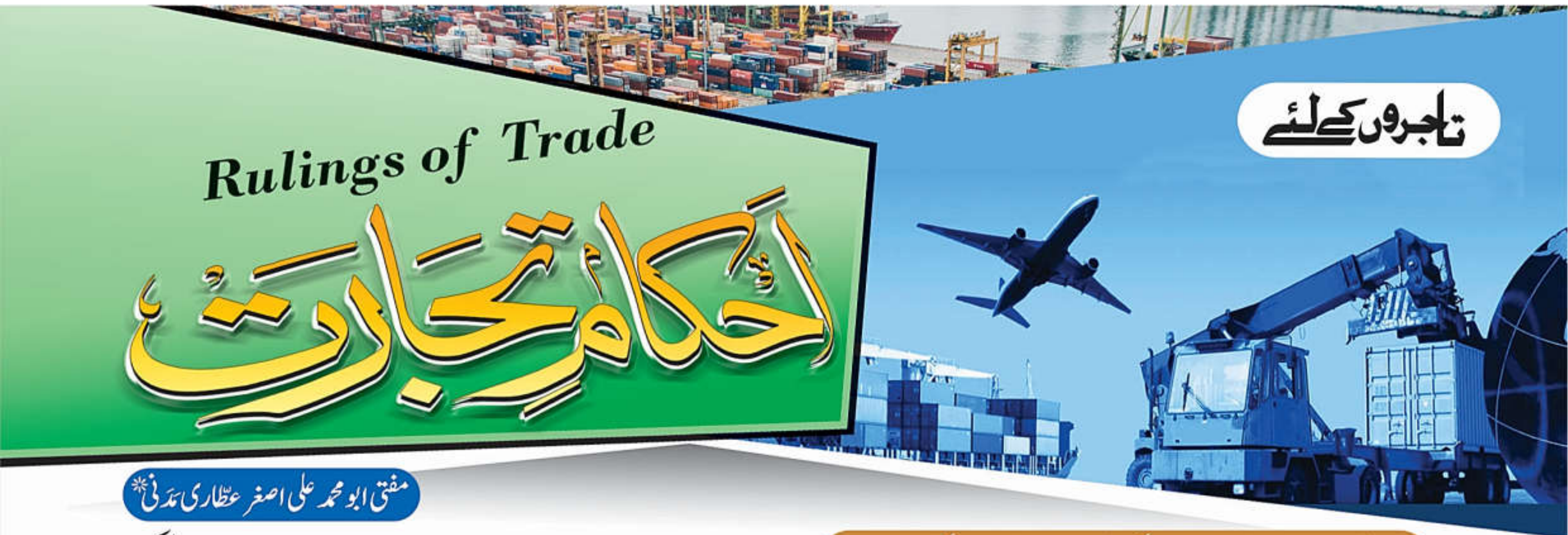

Rulings of Trade

اَحکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

سُنار کے ساتھ اِنویسٹمنٹ کی ایک نئے انداز کی صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا سونے کا کاروبار ہے تو کچھ لوگ ہمارے پاس اِنویسٹمنٹ (Investment) کرنے آتے ہیں اور اِنویسٹ اس حساب سے کرتے ہیں کہ مثلاً ہمیں ایک تولہ پر ڈھائی ہزار روپے پرافٹ (Profit) ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ آپ ہمارے دس لاکھ روپے چھ ماہ کے لئے انویسٹ کرلیں، آپ خود سامان لائیں خود ہی بیچیں اور ہر ماہ پچیس سو کے حساب سے ہمیں نفع دے دیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس شخص کو مہینے بعد پیسے واپس کر دیئے جائیں اور وہ دوبارہ ہمیں سامان لاکر دے تب اسے پرافٹ دیں؟ یاماہانہ ہم سامان لے آئیں اور ہر مہینے اس کو پرافٹ دیں؟ اس کا جائز طریقۂ کار کیا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جو صورت سوال میں بیان کی گئی ہے یہ تو ناجائز طریقے پر مشتمل ہے لیکن اس کو نیچے بیان کئے گئے اصولوں کی روشنی میں درست کرلیا جائے تو جائز ہوجائے گی۔

پوچھی گئی صورت میں اگر آپ کے پیسے نہیں لگے ہیں بلکہ آپ کی صرف محنت ہے اور پیسے دوسرے فریق کے لگے ہیں تو یہ صورت مُضاربت کی ہے کہ ایک کا پیسہ اور دوسرے کا کام، اگرچہ پوری دکان آپ کی ہے لیکن ان دس لاکھ روپے سے جو سونا آپ خرید کر بیچیں گے تو اس چھوٹے سے کام میں مضاربت کے طور پر دو افراد کا الگ سے کام کرنا پایا جائے گا۔

مضاربت کے ویسے تو بہت سارے اصول و ضوابط ہیں لیکن پوچھی گئی صورت کے تَناظُر میں کچھ اہم اصول ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا اصول مضاربت کو مہینوں سے مؤقّت کیا جاسکتا ہے کہ چھ مہینے کے لئے ڈیل ہورہی ہے یا سال کے لئے ہورہی ہے اور اس سے پہلے ختم بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ جب بھی کوئی آدمی مل کر کسی کے ساتھ کام کرتا ہے تو حساب کتاب کرنا ان کے مابین انڈراسٹینڈنگ (Understanding) پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ ہر مہینے حساب کریں یا ہر ہفتے حساب کریں، جو ٹائم طے کریں گے اس پر وہ حساب کریں گے۔ بعض دفعہ ہر مہینے نفع ہونا ممکن ہوتا ہے بعض اوقات ہوسکتا ہے کہ نفع ہی نہ ہو۔

دوسرا اصول پوچھی گئی صورت میں دکاندار کا اپنا بھی مستقل کام ہے لہٰذا یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ اِنویسٹر (Investor، سرمایہ کار) کے پیسوں سے جو کاروبار ہوگا اس کی بُک الگ بنی چاہئے اور اس کا حساب دکان کے دیگر مال سے بالکل علیحدہ ہونا چاہئے۔ بہت سارے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اِنویسٹر سے رقم تو لے لیتے ہیں لیکن اس سے قرضے ادا کردیتے ہیں یا اِدھر اُدھر کے کاموں میں لگا دیتے ہیں اور سامنے والے کو خوش کرنے کے لئے جیب سے نفع دے دیتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ انویسٹر کی رقم سے مال تو خرید لیتے ہیں لیکن نفع و نقصان کا حساب نہیں رکھتے اور اندازے سے اس کو ایک فِکْس نفع یا اپنی مرضی سے کم زیادہ کرکے نفع دے دیتے ہیں، یہ دونوں طریقے ناجائز ہیں۔

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، باب المدینہ کراچی

تیسرا اصول یہ بھی ذہن میں رہے کہ اگر انویسٹر کے ساتھ چھ ماہ کی مدّت مقرر کرکے مضاربت کی تب بھی اسے آگے بڑھایا جاسکتا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جب چھ مہینے پورے ہوں اس وقت تک مال دکان میں ہی موجود ہو، فروخت نہ ہوا ہو۔ لہٰذا آخری ڈِیل (Deal) کا جو مال ابھی فروخت نہیں ہوا، اس کے فروخت ہونے کا انتظار کیا جائے گا پھر آپ کلوزِنگ (Closing) کریں گے، مزید جاری رکھنا چاہیں تو جاری رکھیں ختم کرنا چاہیں تو ختم کردیں۔

چوتھا اصول نفع تَناسُب کے اعتبار سے طے ہوگا کہ اتنے فیصد نفع دکاندار کا اور اتنے فیصد دوسرے کا۔ سوال میں جو ذکر کیا گیا کہ ایک تولے پر پچیس سو کا نفع ہوجاتا ہے تو مضاربت میں یہ طے نہیں ہوگا کہ اتنے تولے پر اتنا نفع ملے گا بلکہ مُضارِب یعنی انویسٹ لے کر کام کرنے والے کی ذمہ داری ہے مال لانا اور اس کو بیچنا، اس تجارت پر جو نفع ہوگا اس میں سے جو تناسب دونوں فریق نے مقرر کیا ہے اس کے مطابق دونوں اپنا نفع تقسیم کریں گے۔

بہت سارے لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ نفع کیا ہوتا ہے اسی بنا پر مضاربت میں بعض اوقات انویسٹر دعویٰ کررہا ہوتا ہے کہ اسے کچھ نہیں مل رہا اور بعض اوقات کام کرنے والے کا شکوہ ہوتا ہے کہ اس کو گھر چلانا ہے اور آمدنی چاہیے۔

مضاربت شروع ہونے کے بعد جب کام ہوگا، مال خریدا جائے گا، پھر وہ مال بکے گا تو اخراجات کو نکال کر دیکھا جائے گا کہ جتنے کا مال تھا اگر اس سے زیادہ رقم بن رہی ہے تو زائد رقم نفع کہلائے گی، اگر اخراجات زیادہ ہوئے اور جتنے کا مال خریدا گیا اس کے برابر یا اس سے کم رقم بن رہی ہو تو نفع ہونا نہیں کہلائے گا۔

ایسے کاروبار میں ایک ایک چیز کا حساب رکھنا ضروری ہے تاکہ اس کو سامنے رکھ کر نفع ہونے یا نہ ہونے کا تعیّن کیا جاسکے۔

پانچواں اصول اگر نقصان ہو تو اس کو نفع کی طرف پھیریں گے یعنی سَرمائے کو نقصان سے بچائیں گے حتّٰی کہ جو کچھ نفع دونوں فریق حاصل کرچکے ہوں، وہ واپس کریں گے تاکہ پہلے نفع سے نقصان پورا ہو۔ اگر نقصان زیادہ ہو کہ نفع سے بھی پورا نہ ہوسکتا ہو تو پھر نقصان کو سَرمائے کی طرف پھیرا جائے گا اور اس مَرحلے پر ظاہر ہے کہ مالی نقصان تنہا انویسٹر کو ہی برداشت کرنا ہوگا جبکہ کام کرنے والے کی محنت رائیگاں جائے گی۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

"یہ تو قیمتِ خرید بھی نہیں ہے"... یہ جملہ کہنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کاروبار کے دوران چیز بیچتے ہوئے یہ بولنا کیسا ہے کہ یہ میری خرید بھی نہیں حالانکہ اس کی خرید اس سے سَستی ہوتی ہے تو اس طرح چیز بیچنا جائز ہے یا ناجائز؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

یہ عمل جھوٹ پر مشتمل اور ناجائز ہے۔ اس طرح کی گئی تجارت میں اگر دھوکا نہیں پایا گیا مثلاً قیمتِ خرید میں جھوٹ تو بولا لیکن جو اس چیز کا مارکیٹ ریٹ ہے اسی ریٹ پر دیا ہے اور بیع مُرابَحَہ (1) بھی نہیں ہے تو خرید وفروخت جائز ہے اور آمدنی بھی حلال ہوگی البتہ جھوٹ بولنے کا قبیح عمل پایا گیا۔ لیکن اگر دھوکا بھی پایا گیا جیسے یہ کہا کہ یہ چیز تو ہزار روپے کی ہے حالانکہ اس کی مارکیٹ ویلیو پانچ سو روپے کی ہو تو یہاں جھوٹ بھی ہے اور دھوکا بھی، اور دھوکے میں حقُوق العباد کا معاملہ بھی آجائے گا اور آمدنی پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

(1) جو چیز جس قیمت پر خریدی جاتی ہے اور جو کچھ مصارف اُس کے متعلق کیے جاتے ہیں ان کو ظاہر کرکے اس پر نفع کی ایک مقدار بڑھا کر کبھی فروخت کرتے ہیں اس کو مرابحہ کہتے ہیں۔ (بہارِ شریعت، 2/739)

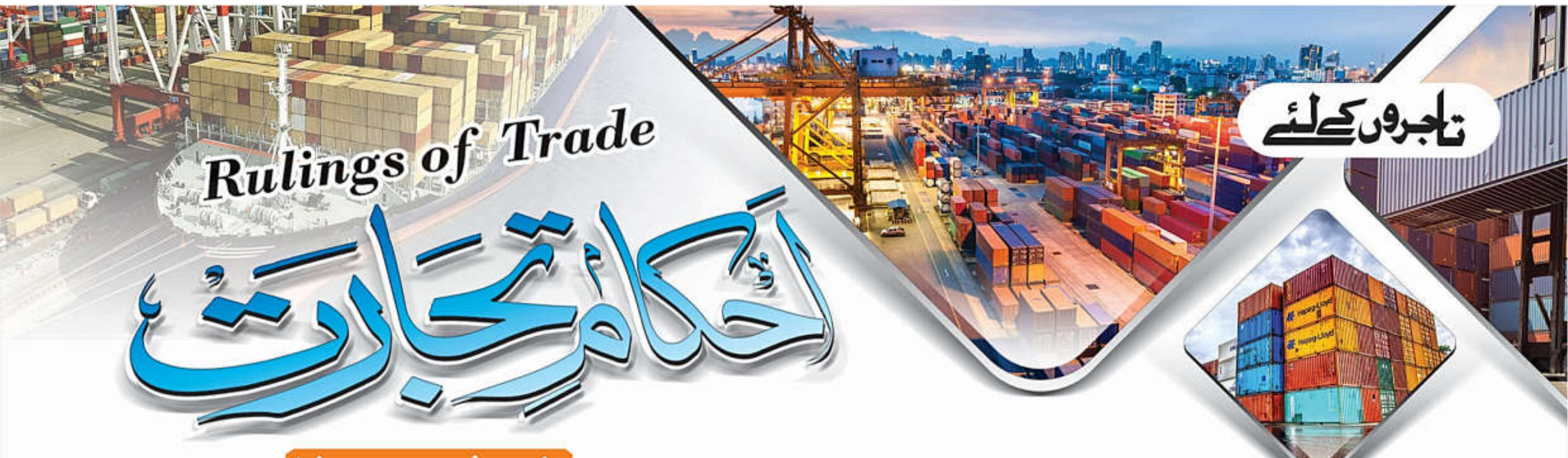

تاجروں کے لئے

Rulings of Trade
اَحکامِ تجارت

مفتی محمد ہاشم خان عطّاری مَدَنی *

شرکت کے کاروبار میں نفع نقصان کا تناسب طے کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں عُلَمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تین اشخاص (سیّد سلمان زیدی، سیّد جنید علی اور ملک زید) شراکت کے ساتھ موبائل اسیسریز(Accessories) کا کاروبار کرنا چاہ رہے ہیں جس کی شرائط وضوابط درج ذیل ہیں: 1 سیّد سلمان زیدی چار لاکھ روپے، سیّد جنید علی ایک لاکھ 35 ہزار روپے اور ملک زید 50 ہزار روپے انویسٹ کرے گا، اور تمام تر کام ملک زید کرے گا۔ 2 35 دن بعد حساب ہوا کرے گا۔ 3 کاروبار میں جو نفع نقصان ہوگا، تینوں شریک اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ 4 نفع میں تینوں برابر کے شریک ہوں گے، اسی طرح نقصان کے بھی تینوں برابر کے ذمہ دار ہوں گے۔ 5 کام چھوڑنے کی صورت میں جس جس شریک کی جتنی جتنی رقم انویسٹ ہے پہلے وہ سب کو واپس کی جائے گی اور پھر باقی جو رقم بچے گی وہ تینوں میں برابر تقسیم کی جائے گی۔ 6 تینوں کی رضامندی کے ساتھ منافع کا 10 فیصد حصّہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے گا۔

ہماری رہنمائی فرمائی جائے کہ کیا یہ شرائط درست ہیں؟ اگر ان میں کوئی خامی ہو تو بتائی جائے تاکہ اس کو درست کرکے ہی معاہدہ کیا جائے۔ سائل: سید جنید علی (مدینۃ الاولیاء ملتان روڈ، لاہور)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

سوال میں مذکور کاروبار کے طریقہ میں شرط نمبر 4 کا یہ حصّہ "نقصان کے بھی تینوں برابر کے ذمّہ دار ہوں گے" درست نہیں ہے کیونکہ نفع کی مقدار تو برابر رکھی جاسکتی ہے لیکن نقصان تینوں شرکا کے اصل سرمایہ کے تناسب کے لحاظ سے ہوگا یعنی جس نے زیادہ پیسے لگائے ہیں اس کا نقصان بھی زیادہ ہوگا اور جس نے کم پیسے لگائے ہیں اس کا نقصان بھی کم ہوگا۔ اس کے علاوہ باقی شرائط درست ہیں۔

اَلْاِخْتِیَار لِتَعْلِیْلِ الْمُخْتَار میں ہے :ترجمہ: جب دونوں کے مال برابر ہوں اور دونوں نفع و نقصان میں کمی زیادتی کی شرط لگائیں تو نفع ان کے طے شدہ حساب سے ہوگا اور نقصان دونوں مالوں کی مقدار کے لحاظ سے ہوگا۔ حضور علیہ الصّلٰوۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا: نفع دونوں کے طے شدہ حساب سے اور نقصان دونوں مالوں کی مقدار سے ہے۔ (الاختیار لتعلیل المختار، 16/3)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:ترجمہ: اگر ان میں سے ایک کا رأس المال (سرمایہ) کم ہو اور دوسرے کا زیادہ اور دونوں نے آپس میں نفع کی برابری یا زیادہ کی شرط لگائی تو نفع ان کے درمیان طے شدہ حساب سے ہوگا اور نقصان ان کے مالوں کی مقدار کے لحاظ سے ڈالا جائے گا جیسا کہ سراج الوہاج میں ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، 320/2)

بہارِ شریعت میں ہے: "نفع میں کم و بیش کے ساتھ بھی شرکت ہوسکتی ہے مثلاً ایک کی ایک تہائی اور دوسرے کی دو تہائیاں اور نقصان جو کچھ ہوگا وہ رأس المال (سرمائے) کے حساب سے ہوگا اسکے خلاف شرط کرنا باطل ہے۔" (بہار شریعت، حصہ:10، 491/2)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

شرکت کے کاروبار میں ایسے شخص کو شریک کرنا جو وقتِ عقد نہ ہو

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنے ایک دوست کے ساتھ مل کر شرکت پر کاروبار کیا ہے، ہم دونوں نے برابر روپے ملا کر اَچار خریدا ہے اور ہمارے درمیان نفع

* دارالافتاء اہلِ سنت، مرکز الاولیاء لاہور

آدھا آدھا طے ہوا ہے، ابھی سامان بیچنا شروع نہیں کیا۔ میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے حصّے میں سے آدھے میں اپنے بھائی کو شریک کرلوں یعنی آدھے سامان کا مالک میرا دوست رہے بقیہ ایک چوتھائی کا میں مالک رہوں اور ایک چوتھائی کا میرا بھائی مالک ہوجائے، دوست بھی اس پر راضی ہے اور ہم میں نفع بھی اسی حساب سے تقسیم ہوجائے تو اس کا شرعی طریقہ کار کیا ہے؟

نوٹ: ہمارے درمیان یہ طے ہے کہ اچار خرید کر وہ دوست لائے گا اور اچار بیچنے کے لئے جو اسٹال لگائیں گے اس پر ہم دونوں باری باری بیٹھیں گے یعنی بیچنے میں دونوں کام کریں، اسی طرح اگر تیسرے کو شریک کرتے ہیں تو پھر بھی یہی ہوگا کہ خریداری کا کام صرف میرا دوست کرے گا لیکن بیچنے کا کام ہم تینوں باری باری کریں گے۔ سائل: محمد وقاص (بادامی باغ، مرکز الاولیاء لاہور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

تیسرے شخص (یعنی بھائی) کو اپنے ساتھ شریک کرنے کا آسان طریقہ تو یہ ہے کہ آپ سارا اچار بیچ لیں، جب رقم کی صورت میں مال آجائے تو آپ دونوں تیسرے شریک کو شامل کرلیں اور جس تناسب سے رقم ملانا چاہیں ملالیں اور پھر اس مکمل رقم سے کاروبار کرلیں۔ اور آپس میں نفع کا تناسب طے کرلیں۔

اور اگر آپ اسی حالت میں اپنے بھائی کو شریک کرنا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اس اَچار میں اپنے حصے میں سے آدھا حصہ اسے بیچ کر اس سے قیمت لے لیں، مثلاً آپ اس طرح کہیں: میں نے اس اچار میں اپنے حصے میں سے آدھا حصہ آپ کو اتنے روپے کے بدلے بیچا۔ وہ کہے: میں نے قبول کیا۔ اس کے بعد آدھے سامان کا مالک آپ کا دوست ہوگا، ایک چوتھائی کے آپ مالک ہوں گے اور ایک چوتھائی کا مالک آپ کا بھائی ہوجائے گا۔ اس کے بعد اس نئے شریک کے ساتھ عقدِ شرکت کرلیں اور ایک چوتھائی نفع اس کے لیے مقرّر کردیں (جیسا کہ آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے) اگر کبھی نقصان ہوا تو وہ ہر ایک کا اس کی ملکیت کے تناسب کے لحاظ سے ہوگا۔

درمختار میں ہے ”لایملك الشریك (الشرکة) الا باذن شریکه۔ جوھرة“ ترجمہ: شریک مزید کسی کے ساتھ شرکت کا مالک نہیں مگر دوسرے شریک کی اجازت کے ساتھ۔ جوہرہ (یہ کتاب کا نام ہے۔)

(درمختار مع ردالمحتار، 6/487)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے، ترجمہ: جب گندم یا وزنی چیز دو شخصوں کے درمیان مشترک ہو پھر ان میں سے ایک نے اپنا حصّہ اپنے شریک یا اجنبی کو بیچا تو ہم کہتے ہیں کہ جب شرکت میراث یا خریداری یا ہبہ کے سبب ہو تو ان میں سے ایک کا اپنا حصّہ شریک کو بیچنا اور شریک کی اجازت کے ساتھ اجنبی کو بیچنا جائز ہے اور یہ شریک کے حصّے میں تصرّف کا مالک نہیں ہے، فتاویٰ صغریٰ میں اسی طرح ہے۔ (فتاوی عالمگیری، 3/155)

درمختار میں ہے ترجمہ: اگر کسی نے کہا مجھے اس (میں) شریک کرلو اس نے کہا: کرلیا پھر دوسرا شخص ملا اور اس نے بھی اس طرح کہا اور اسے بھی نَعَم (یعنی ہاں) کے ساتھ جواب دیا گیا، اگر تو یہ دوسرا قائل پہلی شرکت کو جانتا ہے تو اس کا چوتھائی ہوگا اور اگر نہیں جانتا تو اس کا نصف ہوگا کیونکہ اسے مکمل شے میں شرکت مطلوب ہے اور اس وقت غلام پہلے شخص کی ملکیت سے نکل جائے گا۔ (درمختار، 6/502) بہارِ شریعت میں ہے: ”ایک شخص نے کوئی چیز خریدی ہے دوسرے نے کہا مجھے اس میں شریک کرلے اُس نے منظور کرلیا پھر تیسرا شخص اُسے ملا اس نے بھی کہا مجھے اس میں شریک کرلے اور اس کو شریک کرنا بھی منظور کیا تو اگر اس تیسرے کو معلوم تھا کہ ایک شخص کی شرکت ہوچکی ہے تو تیسرا ایک چوتھائی کا شریک ہے اور دوسرا نصف کا اور اگر معلوم نہ تھا تو یہ بھی نصف کا شریک ہوگیا یعنی دوسرا اور تیسرا دونوں شریک ہیں اور پہلا شخص اب اُس چیز کا مالک نہ رہا اور یہ شرکت شرکتِ ملک ہے۔“ (بہارِ شریعت، حصہ: 10، 2/515)

درمختار میں ہے: ترجمہ: نقدین (یعنی درہم ودینار) کے علاوہ سامان میں شرکت صحیح ہے اگر ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنے سامان کا نصف دوسرے کے سامان کے نصف کے بدلے بیچ دے پھر وہ دونوں اس میں شرکتِ مُفاوَضہ یا شرکتِ عنان کرلیں۔

ردالمحتار میں ہے: ترجمہ: اسی طرح اگر دراہم کے بدلے سامان بیچا پھر اس سامان میں عقدِ شرکت کرلیا تو یہ بھی جائز ہے۔ (ردالمحتار، 6/476)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

تاجروں کے لئے

Rulings of Trade

اَحکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

وکالت کا پیشہ اختیار کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وکالت کا پیشہ اختیار کرنا، جائز ہے یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: وکالت کا پیشہ فی نفسہٖ جائز ہے کیونکہ ہر شخص اپنا مؤقف پیش کرنے، اس کو ثابت کرنے کے لیے دلائل دینے اور اپنا حق وصول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، نیز بعض اوقات کورٹ کچہری جانے میں ذلت سے بچنا بھی مقصود ہوتا ہے۔ لہٰذا شریعتِ مطہرہ نے اپنی طرف سے کسی دوسرے کو مقدمے کی پیروی کا وکیل بنانے کی اجازت دی ہے اور یہ طریقہ قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔

وکیل سے مخاصمہ کرنے کے متعلق حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں: "طلقنی زوجی ثلاثاً، ثم خرج الی الیمن، فوکل اخاہ بنفقتی، فخاصمتہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" ترجمہ: میرے شوہر مجھے تین طلاقیں دے کر یمن چلے گئے اور اپنے بھائی کو میرے نفقے کا وکیل بنایا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں، ان (شوہر کے بھائی) سے مخاصمہ کیا۔ (کتاب الاصل، 11/205)

حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثابت ہے کہ وہ تنازعات میں اپنی طرف سے دوسرے کو وکیل بنایا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: "کان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یکرہ الخصومۃ فکان اذا کانت لہ خصومۃ وکل فیہا عقیل بن ابی طالب فلما کبر عقیل وکلنی" ترجمہ: حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ جھگڑے کو ناپسند فرماتے تھے، لہٰذا جب ایسا موقع درپیش ہوتا تو حضرت عقیل بن ابو طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو وکیل بنا دیتے تھے پھر جب حضرت عقیل کی عمر زیادہ ہوگئی تو مجھے وکیل بنایا۔ (سنن الکبری للبیہقی، 6/134)

تنازعات پر وکیل بنانے کے جواز اور حکمت کے متعلق امام سرخسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: "اذا وکل الرجل بالخصومۃ فی شئ فھو جائز لانہ یملك المباشرۃ بنفسہ فیملك ھو صکہ الی غیرہ لیقوم فیہ مقامہ وقد یحتاج لذلك اما لقلۃ ھدایتہ او لصیانۃ نفسہ عن ذلك الابتذال فی مجلس الخصومۃ وقد جری الرسم علی التوکیل علی ابواب القضاء من لدن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی یومنا ھذا من غیر نکیر منکر وزجر زاجر" ترجمہ: جب کوئی شخص کسی جھگڑے میں وکیل بنائے تو یہ جائز ہے کیونکہ وہ خود یہ کام کرسکتا ہے تو کسی اور سے کروانے کا اختیار بھی رکھتا ہے تاکہ دوسرا اس کے قائم مقام ہوجائے، بسا اوقات وکیل بنانے کی ضرورت اس لئے بھی ہوتی ہے کہ مؤکل کو پوری سمجھ نہیں ہوتی یا کورٹ میں ذلت سے بچنا مقصود ہوتا ہے۔ بہرحال فیصلوں میں وکیل بنانے کا جواز نبیِّ کریم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم کے زمانۂ مبارکہ سے آج تک بغیر کسی انکار کے رائج ہے۔ (مبسوط سرخسی، 6/19)

معاہدۂ اجرت کے شرعی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے وکیل مقدمہ لڑنے کی اجرت لے سکتا ہے۔ جیسا کہ درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے: "لو وکل احد آخر بالمحاکمۃ والمخاصمۃ مع آخر وبین وقت مدۃ معینۃ للخصومۃ والمرافعۃ وقاولہ علی اجرۃ کانت الاجارۃ صحیحۃ ولزم

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، باب المدینہ کراچی

الاجر" ترجمہ: اگر کسی نے دوسرے کو جھگڑے کا فیصلہ کروانے کا وکیل بنایا اور معاملہ بیان کرکے مقدمے کے وقت کو معین کردیا اور وکیل نے اجرت پر یہ کام کیا تو اجارہ صحیح ہے اور اجرت لازم ہوگی۔

(درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام، 3/594)

وکالت کے جواز کے متعلق صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علّامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "انسان کو اللہ تعالیٰ نے مختلف طبائع عطا کیے ہیں، کوئی قوی ہے اور کوئی کمزور، بعض کم سمجھ ہیں اور بعض عقلمند، ہر شخص میں خود ہی اپنے معاملات کو انجام دینے کی قابلیت نہیں، نہ ہر شخص اپنے ہاتھ سے اپنے سب کام کرنے کیلئے تیار، لہٰذا انسانی حاجت کا یہ تقاضا ہوا کہ وہ دوسروں سے اپنا کام کرائے۔۔۔ حقوق العبد جو شبہہ سے ساقط نہیں ہوتے، ان سب میں وکیل بالخصومۃ بنانا درست ہے، وہ حق از قبیل دین ہو یا عین۔"

(بہار شریعت، 2/973، 977)

یاد رہے کہ ہر پیشہ کی طرح وکیل پر بھی شریعت کے اصولوں کی پابندی لازم ہے وکیل کے لئے ضروری ہے کہ کسی کی ناحق طرف داری، جھوٹ، دھوکا دہی، خلافِ شریعت فیصلہ کروانے، ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم بنانے، ناحق کسی کا حق دبانے وغیرہ ناجائز کاموں سے بچتے ہوئے کام کرے۔ اگر گناہ کے کام پر مددگار بنے گا تو ظالم قرار پائے گا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے تعلیمِ اُمت کیلئے اپنے محبوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو جو حکم دیا قرآن پاک میں ان الفاظ سے وہ حکم موجود ہے: ﴿ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآىٕنِیْنَ خَصِیْمًا(۱۰۵) وَّ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَؕ-اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًاۚ(۱۰۶) وَ لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْؕ-اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًاۚۙ(۱۰۷) ﴾ ترجَمۂ کنزالایمان: اور دغا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو۔ اور اللہ سے معافی چاہو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ان کی طرف سے نہ جھگڑو جو اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے ہیں، بے شک اللہ نہیں چاہتا کسی بڑے دغاباز گنہگار کو۔ (پ5، النساء: 105تا107)

معاملے کی حقیقت جانتے ہوئے ظالم کا ساتھ دینا بہت بڑا ظلم ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کا شانِ نزول بیان کرکے امام جصاص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "وهذا يدل على انه غير جائز لاحد ان يخاصم عن غيره في اثبات حق او نفيه وهو غير عالم بحقيقة امره" ترجمہ: یہ آیتِ مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ معاملے کی حقیقت جانے بغیر کسی کا حق ثابت کرنے یا اس کے انکار کے لیے دوسرے سے مقدمہ لڑنا جائز نہیں۔ (احکام القرآن للجصاص، 2/279)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

پانی کی خرید و فروخت کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پانی کی خرید و فروخت کرنا کیسا ہے؟ نیز یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ بعض جگہوں پر پانی لیٹر میں بیچا جاتا ہے اور بعض جگہوں پر گیلن میں، تو اس میں سے کون سی صورت جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جو پانی اپنی ملکیت میں ہو، اس کی خرید و فروخت جائز ہے۔ چنانچہ بہارِ شریعت میں ہے: "وہ پانی جس کو گھڑوں، مٹکوں یا برتنوں میں محفوظ کر دیا گیا ہو اس کو بغیر اجازتِ مالک کوئی شخص صَرف میں نہیں لاسکتا اور اس پانی کو اس کا مالک بیع بھی کرسکتا ہے۔" (بہارِ شریعت، 3/667)

عام طور پر بوتل یا گیلن وغیرہ جس میں پانی دیا جاتا ہے وہ خود ایک پیمانہ ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے البتہ وہ بوتل کتنے لیٹر کی ہے بعض اوقات یہ معلوم نہیں ہوتا لیکن بوتل ہمارے سامنے ہی ہوتی ہے اور یہ پتا ہوتا ہے کہ اس بوتل میں ہم نے خریدا ہے تو یہاں بوتل خود ایک پیمانہ ہے اور ابہام یہاں موجود نہیں ہے لہٰذا اس طرح خرید و فروخت جائز ہے۔ بہارِ شریعت میں ہے: "اگر یہ کہہ دیا کہ مہینے میں اتنی مشکیں پلاؤ اور مشک معلوم ہے تو جائز ہے۔" (بہارِ شریعت، 2/698)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

Rulings of Trade

تاجروں کے لئے

احکامِ تجارت

مفتی محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

کار کرایہ پر لی جائے تو معاہدہ میں کیا باتیں پیشِ نظر رکھی جائیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے یہاں کار کرائے(Rent) پر دی جاتی ہے ایک گھنٹے کے لئے یا پورے دن کے لئے، ایسا کرنا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: فی نفسہٖ کار کو کرائے پر دینے اور لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں جبکہ اجارے کے شرعی تقاضے پورے ہوں مثلاً اُجرت طے کرلی جائے، جتنے وقت کے لئے گاڑی کرایہ پر لینی ہے وہ وقت بیان کردیا جائے یا جس جگہ جانا ہے مثلاً شہر میں یا شہر سے باہر وہ بیان کردی جائے۔ نیز جن وجوہات کی بناء پر جھگڑا ہوسکتا ہے وہ بھی طے کرلینی ضروری ہیں مثلاً پیٹرول کون ڈلوائے گا اور ڈرائیور کو کھانا کون کھلائے گا وغیرہ وغیرہ۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

چندے کی بچ جانے والی رقم سے پرائز بانڈ خریدنا کیسا؟

سوال: بعض اوقات مخصوص مد میں چندہ جمع کرتے ہیں جس میں سے کچھ چندہ بچ جاتا ہے کیا ان پیسوں سے ہم پرائز بانڈ خرید سکتے ہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جس مد کے لئے چندہ لیا گیا وہ کام اگر پورا ہوجائے اور چندہ بچ جائے یا وہ کام نہ ہوسکے تو دوبارہ چندہ دینے والوں کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور یہ پیسے ان کو واپس دیئے جائیں گے کیونکہ چندہ، چندہ دینے والوں کی مِلک پر ہی باقی رہتا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چندہ لیتے وقت ہی صراحت کردیں کہ اگر چندے سے پیسے بچ گئے تو اگلی مرتبہ اسی طرح کے کام میں خرچ کردیں گے، اور پھر بچ گیا تو اگلی مرتبہ اسی طرح کے کام میں خرچ کردیا جائے۔

واضح رہے کہ چندے کی رقم امانت ہوتی ہے اسے معروف انداز میں ہی خرچ کیا جاسکتا ہے، اس رقم سے پرائز بانڈ نہیں خرید سکتے کیونکہ اس کا عرف نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں: ”چندہ جس کام کے لئے کیا گیا ہو جب اس کے بعد بچے تو وہ انہیں کی مِلک ہے جنہوں نے چندہ دیا ہے، کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاویٰ میں کی ہے) ان کو حصۂ رسد واپس دیا جائے یا جس کام میں وہ کہیں صرف کیا جائے۔“ (فتاویٰ رضویہ، 16/247)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

جو چیز دکاندار کے پاس نہیں ہے اس کی خرید و فروخت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کوئی شخص پرندے کی ڈیمانڈ کرتا ہے لیکن وہ پرندہ

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، باب المدینہ کراچی

دکاندار کے پاس نہیں ہے تو دکاندار کہتا ہے کہ اگر آپ کہو تو پچاس ہزار روپے میں منگوا کر دیتا ہوں۔ یہ ارشاد فرمائیں کہ اس طرح خریداری کرنا کیسا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جو چیز ملکیت میں نہ ہو اسے بیچنا جائز نہیں۔ لہٰذا پوچھی گئی صورت میں جب تک دکاندار پرندہ خرید نہ لے اس وقت تک آگے اس کا سودا نہیں کر سکتا۔

ہاں اگر سودا نہ کیا جائے بلکہ محض وعدہ کر لیا جائے تو جائز ہے کہ میں آپ کو لا دوں گا اور دونوں سمجھتے ہوں کہ یہ وعدہ ہو رہا ہے ڈیل(Deal) نہیں ہو رہی، نیز اس وعدے کے نتائج سے بھی دونوں واقف ہوں کہ وعدہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خریداری کی طرح لازم ہو گیا ورنہ وعدے اور خریداری میں فرق نہیں رہے گا بلکہ وعدے کا مطلب یہ ہے کہ کسی بناء پر اس کا ارادہ بدل جائے تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ چیز نہ لے۔

وعدہ کرنے کے بعد دکاندار پہلے وہ مال خود خرید کر لے آئے پھر گاہک کو بیچے۔ ایک صورت یہ بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ دکاندار بطورِ بروکر اپنا معاوضہ لے مثلاً گاہک سے یوں طے کر لے کہ پرندہ جتنے کا بھی آئے گا مجھے اس پر مثلاً دو سو روپے کمیشن کے طور پر دے دینا تو اس صورت میں پرندہ دکاندار کی ملکیت میں آنا بھی ضروری نہیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ دکاندار نے جس قیمت میں خریدا ہے وہی آگے بتانا ہوگی کیونکہ کمیشن والی صورت میں دکاندار اصل خریدار کا وکیل اور نمائندہ بن کر خرید رہا ہے۔ یونہی یہ مسئلہ بھی پیشِ نظر رہے کہ بروکری یا کمیشن میں فریقین رقم کے تعین کرنے میں آزاد نہیں ہوتے بلکہ عُرف کے مطابق اس قسم کے کام کی جو بروکری بنتی ہے صرف وہی مقرر کر سکتے ہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

پان، بیڑی، سگریٹ بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ جو لوگ پان، بیڑی، سگریٹ وغیرہ بیچتے ہیں کیا ان کے لئے ان پیسوں سے حج کرنا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پان کھانا جائز ہے اور سگریٹ بیڑی پینا بھی جائز ہے، گناہ نہیں۔(1) ان کو بیچنے میں بھی حرج نہیں اور اس کا نفع بھی حلال ہے۔ لہٰذا اس رقم سے حج وغیرہ بھی کر سکتے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "پان کھانا جائز ہے اور اتنا چونا بھی کہ ضرر نہ کرے اور اتنا تمبا کو بھی کہ حواس پر اثر نہ آئے۔"

(فتاویٰ رضویہ، 558/24)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کمیٹی کی جمع شدہ رقم استعمال کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ مارکیٹ میں کمیٹی ڈالتے ہیں، جس بندے کے پاس پیسے جمع ہوتے ہیں کیا وہ انہیں استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: بیسی یا کمیٹی کے پیسے جمع کرنے والا اگر کمیٹی جمع کر کے وقتِ ادائیگی کے دوران خرچ کرتا ہے تو زیادہ تر علاقوں میں عرف یہی ہے کہ اس کے رقم خرچ کرنے پر شرکا کو اعتراض نہیں ہوتا اور یہ رقم قرض کے حکم میں ہے اور جب کوئی رقم قرض کے حکم میں ہو تو اسے خرچ کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس رقم کو خرچ کیا جاسکتا ہے۔ مگر جب دینے کا وقت آئے گا تو اسے دینے ہوں گے، ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہوگی کہ وقت پر جس کی کمیٹی کھلی ہے اس کو رقم کی ادائیگی نہ کرے۔ البتہ اگر کسی جگہ عرف یہ ہو کہ کمیٹی ڈالنے والا رقم خرچ نہیں کر سکتا تو پھر یہ رقم امانت کہلائے گی اور خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

---

(1) البتہ ان کے طبّی نقصانات بھی ہیں، تفصیل جاننے کے لئے امیرِ اہلِ سنّت دَامَتْ بَرَكَاتُهُمُ الْعَالِيَه کا رسالہ "پان گٹکا" پڑھئے۔

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی*

عمرہ پیکیج اور اُدھار؟

سوال: کوئی عمرے پر جانا چاہتا ہے مگر ایک بار اس کے ساتھ فراڈ ہو چکا ہے اب اس کی ہمت نہیں ہو رہی تو کیا میں اس کو اس طرح کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے جو اخراجات ہیں ایک ٹکٹ کے 50 ہزار روپے اور دو ٹکٹوں کے ایک لاکھ روپے وہ میں دیتا ہوں عمرہ کرکے آنے کے بعد آپ مجھے دے دینا پھر وہ مجھے 90 ہزار میں خرچہ آئے یا 95 ہزار میں تو اس کے حوالے سے شرعی راہنمائی فرمادیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اس مسئلے کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ آپ نے اس کے ساتھ احسان و بھلائی کے طور پر ایسا کیا کہ آپ عمرے پر چلے جاؤ، فی الحال میں پیسے دے دیتا ہوں جب آپ آؤ گے تو مجھے واپس دے دینا، اس صورت میں آپ اتنے ہی پیسے لیں گے جتنے خرچ ہوئے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ آپ کا کاروبار ہے، کسٹمر کو زید کی دکان سے فراڈ ہوا تو وہ آپ کے پاس آگیا آپ بھی یہی کام کرتے ہیں اور آپ اسے کہتے ہیں کہ میں 50 ہزار کا پیکیج دے رہا ہوں، دو آدمیوں کا ایک لاکھ ہو جائے گا، پیسے آپ بعد میں دے دینا تو یہ صورت درست ہے۔ اور آپ اتنے ہی کا پیکیج بیچیں جو آپ کی لاگت ہے ضروری نہیں، اپنا نفع رکھ سکتے ہیں اور اگر آپ کو نقصان ہوتا ہے تب بھی گاہک پر اس کا بوجھ نہیں آئے گا۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

ٹھیکیدار اگر اُجرت نہ دے تو اس کا سامان اٹھالینا کیسا؟

سوال: اگر ٹھیکیدار لیبر (Labour) کے پیسے کھاجائے تو کیا ٹھیکیدار کا کوئی سامان اٹھا کر لے جاسکتے ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: دریافت کی گئی صورت میں بہتر یہ ہے کہ ٹھیکیدار سے ہی کلیم (Claim) کریں اس کے پاس جائیں اسے بار بار یاد دلائیں اور اس سے تقاضا کریں۔ ورنہ اگر اس کو بتائے بغیر اس کی چیز اٹھالیں گے تو اول تو اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں کہ جو چیز آپ اٹھائیں وہ اتنی ہی مالیت کی ہو جتنے پیسے آپ کے باقی ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ اس طرح چیز اٹھانے کو لوگ یہی کہیں گے کہ آپ نے چوری کی ہے، وہ یہ نہیں سمجھیں گے کہ جو پیسے دینا باقی رہ گئے تھے اس کے عوض میں یہ چیز لی ہے، یوں آپ کے اوپر تہمت آئے گی۔ لہٰذا اس طریقے سے خود بخود معاملہ ڈیل (Deal) نہ کریں یہی زیادہ بہتر ہے بلکہ جس کے پاس پیسے ہیں اسی سے تقاضا کریں یوں چوری چھپے چیزیں لے جانے سے فساد کا دروازہ کھلے گا۔ البتہ اصل حکم یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے پر نکلنے والے اپنے مالی حق کو جائز راستے سے وصول کیا تو آخرت میں اس پر گرفت نہ ہوگی۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ جلد اول پر حاشیہ میں موجود فوائد کے تحت یہ مسئلہ لکھا ہے: ”جس کے کسی پر مثلاً سو روپے آتے ہوں کہ اس نے دبالئے یا اور کسی وجہ سے ہوئے اور اسے اس سے روپیہ ملنے کی امید نہیں تو سو روپے کی مقدار تک اس کا جو مال ملے لے سکتا ہے۔ آج کل اس پر فتویٰ دیا گیا ہے مگر سچے دل سے

* دارالافتاء اہلِ سنّت نورالعرفان، کھارادر، باب المدینہ کراچی

بازار کے بھاؤ سے سو ہی روپے کا مال ہو، زیادہ ایک پیسہ کا ہو تو حرام
دَر حرام ہے۔“(فتاویٰ رضویہ، 1/ 167)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

رقم یا وزن راؤنڈ فگر میں نہ ہو تو دکاندار وصول کرے یا چھوڑ دے؟

سوال: ہمارا مچھلی کا کاروبار ہے اب کوئی مچھلی لینے آتا ہے تو 15 کلو سے اوپر مثلاً 550 گرام ہوتا ہے یا اوپر 100 گرام ہوتا ہے تو وہ پورے کے پیسے دے دیتا ہے، لیکن اگر اوپر 70 یا 75 گرام ہو تو اس کے پیسے وہ نہیں دیتا تو کیا میں اضافی گرام کے پیسے وصول کروں یا چھوڑ دوں؟ اور اگر 70 گرام زیادہ ہو تو کیا میں 100 گرام کے پیسے وصول کر سکتا ہوں؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَایَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جواب: دکاندار کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ ایک گرام کے پیسے بھی گاہک سے طلب کرے، لہٰذا چاہے اضافی 10 گرام ہو، 100 گرام ہو یا 200 گرام، دکاندار گاہک سے اس کے پیسے مانگ سکتا ہے لیکن اگر گاہک دکاندار سے یہ کہتا ہے کہ یہ اضافی پیسے چھوڑ دو اور دکاندار بھی اس پر راضی ہو جاتا ہے تو یہ بھی درست ہے۔ البتہ 70 گرام ہونے کی صورت میں پورے 100 گرام کے پیسے لینا گاہک کی مرضی کے بغیر جائز نہیں۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

پرانا اسٹاک نئے ریٹ پر بیچنا کیسا؟

سوال: میرا اسکول یونیفارم کا کارخانہ ہے میرے پاس اسٹاک پڑا رہتا ہے کپڑے کا ریٹ بڑھا ہے تو کیا میں یونیفارم نئے ریٹ پر بیچ سکتا ہوں؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَایَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جواب: جو مال آپ کے پاس رکھا ہوا ہے وہ آپ کا اپنا مال ہے اپنے مال کو کوئی شخص سستا بیچے یا مہنگا بیچے اس کا اسے اختیار ہے لیکن اتنی قیمت پر بیچیں کہ لوگوں کے لئے قابلِ برداشت ہو، بہت زیادہ مہنگا بیچنا اخلاقیات کے خلاف ہے۔ آپ اگر اپنا پرانا اسٹاک نئے مارکیٹ ریٹ پر بیچتے ہیں تو اس میں حرج نہیں۔ اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت علیہ الرَّحمہ لکھتے ہیں: ”اپنے مال کا ہر شخص کو اختیار ہے چاہے کوڑی کی چیز ہزار روپیہ کو دے، مشتری کو غرض ہو لے، نہ ہو نہ لے۔“(فتاویٰ رضویہ، 17/ 98)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

حکومت کی طرف سے مقرر کئے گئے ریٹ کی پابندی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ آپ نے فرمایا اپنی چیز ہو تو جتنے پیسے مناسب سمجھیں اس میں بیچ سکتے ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جب زیادہ پیسوں میں بیچتے ہیں تو حکومتی ادارے جرمانہ لگا دیتے ہیں۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَایَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جواب: ہم نے ایک شرعی حکم بیان کیا ہے۔ جہاں تک حکومت کی طرف سے ریٹ فکس کرنے کی بات ہے تو حکومت ہر چیز کا ریٹ فکس نہیں کرتی، مثال کے طور پر کپڑوں کا ریٹ فکس نہیں ہوتا، عام طور پر کھانے پینے کی اشیاء کا ریٹ مقرر ہوتا ہے، پیٹرول کا ریٹ مقرر ہوتا ہے، دواؤں کا ریٹ مقرر ہوتا ہے اور اس کی خلاف ورزی پر پکڑ دھکڑ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اکثر چیزوں میں مارکیٹ میں آزادی ہوتی ہے ہر چیز کی قیمت حکومت مقرر نہیں کرتی۔ جن چیزوں میں حکومت پکڑ دھکڑ کرتی ہے وہاں تو ہم پابند ہیں کیونکہ اپنے آپ کو ذلت پر پیش نہیں کر سکتے لہٰذا قانون کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں بلکہ وہاں پر قانون کی پاسداری کرنا لازم ہو گا۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت علیہ الرَّحمہ لکھتے ہیں: ”کسی جرمِ قانونی کا ارتکاب کرکے اپنے آپ کو ذلت پر پیش کرنا بھی منع ہے۔“(فتاویٰ رضویہ 29/ 93)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

Rulings of Trade
احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

مویشیوں میں انویسٹمنٹ کا شرعی طریقہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم پچیس ہزار کا جانور خریدتے ہیں اور کسی کو پالنے کے لئے دے دیتے ہیں، جب وہ جانور بڑا ہو جاتا ہے تو اس کو بیچ کر آدھے پیسے پالنے والا لے لیتا ہے اور آدھے پیسے خرید کر دینے والا۔ کیا یہ اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

یہ طریقہ کار جائز نہیں، کیونکہ یہاں جانور کو پالنے والا جو کام کر رہا ہے اس کی اجرت میں ابہام ہے۔ عام طور سے جانوروں میں دو افراد کے مشترکہ کام میں ایک کے جانور ہوتے ہیں اور دوسرا ان کو پال کر اپنی آمدنی کا ذریعہ پیدا کرتا ہے لیکن شرعی خرابی سے بچتے ہوئے درست طریقہ کار اپنا کر کام کریں تو شرعی طور پر ان کا معاہدہ اور آمدنی جائز ہو سکتی ہے۔

اس کا جائز طریقہ یہ ہے کہ جانور میں پالنے والے کو بھی مالک بنالیں یعنی جانور آدھا اسے کسی طویل المدت اُدھار میں بیچ دیں۔ اب چونکہ اس جانور کے دونوں مالک ہیں لہٰذا اس کے جو بھی منافع ہوں گے، یونہی اس کو فروخت کرنے پر جو رقم حاصل ہو گی وہ دونوں کے درمیان مشترک ہو گی۔ اس کو دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ جانور خریدا گیا بیس ہزار کا، جس نے خریدا اس نے اس جانور کی ملکیت میں دس ہزار روپے سے دوسرے شخص کو یعنی جس نے جانور پالنا تھا اس کو شامل کر لیا، اگرچہ پالنے والے کے پاس فوری طور پر اس ادائیگی کے پیسے نہیں ہیں جو جانور کا مالک بننے پر اس کو کرنی ہے لیکن چونکہ یہ سودا اُدھار میں ہوا ہے لہٰذا یہ اس کی ادائیگی بعد میں کرے گا اور اُدھار کی مدت ایسی ہونی چاہیے کہ اندازاً جب جانور بیچنا ہو اس کے آس پاس کی ہو مثلاً معلوم ہے کہ دو سال بعد بیچیں گے تو دو سال کی مدت رکھ لیں۔ اب مثلاً دو سال بعد یہ جانور اَسی ہزار کا فروخت ہوا، چالیس چالیس ہزار روپے دونوں میں تقسیم ہوئے اور پالنے والے نے دس ہزار روپے اپنے اُدھار کی مد میں ادا کر دیئے۔ یوں تیس ہزار روپے اس کو نفع ہو گیا۔ اس دوران اگر جانور کے بچے پیدا ہوتے ہیں تو ان کے مالک بھی دونوں افراد ہوں گے۔ اس مسئلے میں ایک بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جانور پالنے والا اگر خرید کر چارہ کھلاتا ہے تو اس کا خرچہ صرف اُسی پر نہیں ڈالا جائے گا بلکہ دونوں افراد پر آئے گا۔

بہار شریعت میں ہے: "ایک شخص کی گائے ہے اس نے دوسرے کو دی کہ وہ اسے پالے چارہ کھلائے نگہداشت کرے اور جو بچہ پیدا ہو اس میں دونوں نصف نصف کے شریک ہوں گے تو یہ شرکت بھی فاسد ہے، بچہ اس کا ہو گا جس کی گائے ہے اور دوسرے کو اسی کے مثل چارہ دلایا جائے گا، جو اسے کھلایا اور نگہداشت وغیرہ جو کام کیا اس کی اجرتِ مثل ملے گی..... اس کے جواز کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ گائے بکری مرغی وغیرہ میں آدھی دوسرے کے ہاتھ بیچ ڈالیں اب چونکہ ان جانوروں میں شرکت ہو گئی بچے بھی مشترک ہوں گے۔

(بہار شریعت،2/512)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم

* دارالافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، باب المدینہ کراچی

اخراجات کا جعلی بل بنوا کر کمپنی سے زائد رقم وصول کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں جس کمپنی میں نوکری کرتا ہوں وہاں کام کے سلسلے میں سفر زیادہ کرنا پڑتا ہے، دورانِ سفر اگر کسی ہوٹل میں رکنا پڑے تو کمپنی نے مجھے پابند کیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ پندرہ سو روپے سے دو ہزار روپے تک والے ہوٹل میں ٹھہرنا ہے، اگر میں کسی کم ریٹ والے ہوٹل میں ٹھہرتا ہوں مثلاً اس کا ریٹ پانچ سو سے سات سو روپے ہے اور میں پندرہ سو کا بل بنواتا ہوں تو کیا یہ جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

اگر آپ کی کمپنی یہ رقم بطورِ الاؤنس آپ کو دیتی ہے کہ آپ کہیں بھی رہیں چاہے فٹ پاتھ پر سوئیں یا ہوٹل میں ٹھہریں یا کسی اور جگہ رہیں آپ کو ہر صورت میں پندرہ سو روپے ملیں گے تب تو یہ الاؤنس لینا جائز ہوگا اور اس کے لئے آپ کو بل بنوانے کی بھی ضرورت نہیں۔

لیکن آپ کا بل بنوانا اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی کمپنی میں یہ اصول نہیں ہے بلکہ کمپنی نے دو ہزار روپے تک کی حد رکھی ہے کہ اس میں جتنا خرچہ ہوگا کمپنی آپ کو دے گی، اگر ہزار ہوا تو ہزار دے گی، پندرہ سو ہوا تو پندرہ سو دے گی، ایسی صورتحال میں آپ کا جتنا خرچہ ہوا اس سے زائد کا بل بنوا کر کمپنی سے زیادہ رقم وصول کرنا جائز نہیں بلکہ آپ خیانت کرنے والے کہلائیں گے اور جو زائد رقم وصول کریں گے وہ مالِ حرام ہوگی۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

پرچیزر (Purchaser) کو رشوت دینا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی دکان کا ملازم ہمارے پاس کوئی چیز خریدنے آئے اور ہم ہر مرتبہ اسے بیس تیس روپے خرچے کے طور پر دے دیں تاکہ وہ آئندہ ہم سے ہی خریدے تو ایسا کرنا کیسا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

یہ رشوت ہے کیونکہ آپ اس کو پیسے اسی لئے دے رہے ہیں تاکہ وہ آپ ہی سے چیز خریدے کسی اور سے نہ خریدے، یہ پیسے دینا جائز نہیں۔

پوچھے گئے سوال سے ملتی جلتی ایک صورت کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرَّحمٰن لکھتے ہیں: "بیع تو اس میں (اسٹیشن پر سودا بیچنے والے) اور خریداروں میں ہوگی، یہ (اسٹیشن پر سودا بیچنے کا ٹھیکہ لینے والا) ریل والوں کو روپیہ صرف اس بات کا دیتا ہے کہ میں ہی بیچوں، دوسرا نہ بیچنے پائے، یہ شرعاً خالص رشوت ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ، 19/558)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

پروموشن پر ٹریٹ دینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ آفس میں پروموشن (Promotion) پر ٹریٹ (Treat) دینی پڑتی ہے، کیا یہ جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پروموشن وغیرہ پر یا ویسے ہی اگر دوست آپس میں مل کر رضامندی کے ساتھ ایک دوسرے کو کھانا کھلاتے ہوں تو جائز ہے، کبھی کسی نے کھانا کھلا دیا کبھی کسی نے کھلا دیا آپس میں انڈر اسٹینڈنگ (Understanding) سے یہ معاملہ ہوتا ہے تو کوئی حرج نہیں جبکہ ایک دوسرے کو عار نہ دلائی جائے ایک دوسرے کو شرمندہ نہ کیا جائے۔

ہاں اگر ایسی صورت ہو کہ نہ کھلانے پر دیگر کی طرف سے عار دلائی جائے گی شرمندہ کیا جائے گا اور کھلانے والا شرمندگی سے بچنے کے لئے مجبوراً کھلاتا ہے تو یہ کھانا رشوت کے حکم میں ہوگا۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

تاجروں کے لئے

Rulings of Trade

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

میڈیکل اسٹور میں سرمایہ کاری (investment) کی ایک آسان صورت

سوال: میرا میڈیکل اسٹور ہے ایک شخص نے مجھے آفر دی کہ میرے پیسے بھی اس میں لگالو اور اس پر جو بھی پرافٹ ہو وہ دے دینا۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس کام میں حساب کتاب نہیں کرپاتے اور مجھے اپنے کام میں کوئی نقصان بھی نہیں ہے بلکہ ماہانہ پچاس ساٹھ ہزار روپے نفع ہی ہوتا ہے، اب میں اپنے حساب سے اس شخص کو کبھی آٹھ ہزار، کبھی دس ہزار، کبھی بارہ ہزار روپے دے دیتا ہوں، یہ سود میں تو شامل نہیں ہو گا؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

سوال میں مذکور طریقۂ کار جائز نہیں اور یوں اندازے سے رقم دینا شراکت نہیں۔ جب تک آپ شریعتِ مطہرہ کا بیان کردہ کاروباری طریقہ اختیار نہیں کریں گے اس طرح کی انویسٹمنٹ حلال نہیں ہوسکتی۔ وجہ یہ ہے کہ جب آپ اکیلے ہیں تو آپ ہی مالک ہیں آپ کا اختیار ہے کہ کم مال رکھیں زیادہ مال رکھیں سستا بیچیں مہنگا بیچیں، ماہانہ حساب کریں یا نہ کریں آپ کی مرضی ہے۔ البتہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے سالانہ حساب کرنا پڑے گا، لیکن جب آپ نے کسی دوسرے کو پارٹنر بنالیا تو سب سے پہلے تو شرعی تقاضے پورے کرنے ہوں گے۔

پہلا مرحلہ تو یہ ہو گا کہ آپ دونوں کا سرمایہ (Capital) واضح ہو کہ ان کا اور آپ کا سرمایہ (Capital) کتنا ہے؟

دوسرا مرحلہ یہ ہو گا کہ چلتے کام میں نَقْد رقم کے ساتھ ساتھ مال بھی ہو گا اور مال کو بطورِ سرمایہ شامل نہیں کرسکتے۔ پھر مال کو سرمایہ بنانے کا حل نکل بھی آئے تو آپ کو نفع کا تناسُب بھی طے کرنا پڑے گا۔ دکان کے سامان کو سرمایہ میں کس طرح شمار کیا جاسکتا ہے اس کا پورا ایک شرعی طریقۂ کار ہے جس پر آپ کو مستقل راہنمائی لینا ہو گی۔

تیسرا اہم مرحلہ یہ ہو گا کہ نفع کا تناسُب طے ہو جاتا ہے تو حسبِ موقع مثلاً سال میں یا چھ ماہ بعد کلوزنگ کر کے نفع و نقصان کا حساب لگانا ہو گا اور اسی کلوزنگ کے مطابق نفع تقسیم کرنا ہو گا۔

اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حساب کتاب اور کلوزنگ کی اہمیت کیوں ہے تو دیکھیے ایک بنیادی تقاضا یہ ہے کہ پارٹنر کا یہ حق ہے کہ اسے معلوم ہو کہ مال کتنے کا آتا ہے کتنے کا بکتا ہے دکان میں کتنا نفع ہوتا ہے کتنے خرچے ہوتے ہیں۔ یوں جب ایک شخص تنہا ہوتا ہے تو آزاد ہوتا ہے لیکن جب پارٹنر شپ ہو جاتی ہے تو آپ مُقَیَّد ہو جاتے ہیں اور آپ کو اس کے شرعی تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں۔

جہاں تک حساب کتاب کی بات ہے تو اس میں کوئی مشکل نہیں کیونکہ مال جب آتا ہے تو پہلے آپ آرڈر دیتے ہیں کہ فلاں کمپنی کی فلاں فلاں چیزیں اتنی چاہییں اور آنے کے بعد بھی آپ دیکھتے ہی ہیں کہ اتنے سیرپ آئے ہیں اتنی ٹیبلیٹس (Tablets) آئی ہیں جب وہ ساری چیزیں موجود ہیں تو مہینے میں اس کا ٹوٹل کرلیں کہ اتنے کی چیزیں آئی ہیں اتنے پیسے ہم نے

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، کراچی

دے دیئے یا دیتے ہیں اور جو روزانہ کی خرید و فروخت ہو رہی ہے اس کا بھی حساب لگالیں کہ آج اتنی سیل ہوئی کل اتنی ہوئی تھی مہینہ میں دو مہینہ میں اس کی کلوزنگ کرلیں، یہ کوئی زیادہ مشکل کام نہیں۔ جب تک کوئی کام نہیں کیا ہوتا تو بندہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ہو گا لیکن جب کرنے لگیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت آسان کام ہے۔

ایک آسان حل: میڈیکل اسٹور میں انویسٹمنٹ کی ایک آسان صورت یہ اختیار کی جاسکتی ہے کہ میڈیکل اسٹور پر چند آئٹمز ایسے ہوتے ہیں جو مہنگے ہوتے ہیں یا جن سے متعلق آپ چاہتے ہیں کہ یہ مال دکان میں زیادہ رکھا ہو تو زیادہ بکے گا، تو انویسٹر کو صرف انہیں آئٹمز میں انویسٹمنٹ کی دعوت دیں۔ اگر شراکت کرنا ہے تو اس میں کچھ رقم آپ کی ہو اور کچھ رقم انویسٹ کرنے والے کی ہو۔ یوں مشترکہ رقم سے وہ آئٹمز خرید لیں اور نفع کا ایک ریشو طے ہو جائے۔ اب ان مخصوص چیزوں میں ہی وہ دوسرا آدمی شامل ہو گا۔ یوں کلوزنگ بھی آسان ہو جائے گی اور اس میں انویسٹمنٹ بھی شاید آسان ہو جائے گی کیونکہ اب پورے کاروبار کی کلوزنگ کرنا اور حساب مینٹین کرنا ضروری نہیں ہو گا۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

گندم کی پسوائی کی اُجرت میں اسی سے آٹا دینا کیسا؟

سوال: چکی والے اور گندم پسوانے والے میں اگر یہ بات طے ہوتی ہے کہ چکی والا دس کلو گندم پیس کر دے گا اور اس میں سے ایک کلو آٹا بطورِ اُجرت رکھ لے گا اور دونوں اس پر راضی ہوں تو کیا کوئی حرج ہے؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَایَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

مسلمان شریعت کے بتائے گئے اصول و ضوابط کا پابند ہے۔ نبیِّ اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”نھی عن عسب الفحل وعن قفیز الطحان“ ترجمہ: نبیِّ اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے نَر جانور کی جُفتی کی اجرت اور قفیزِ طحان سے منع فرمایا ہے۔

(کنزالعمال، جز4،2/35، حدیث:9640)

علّامہ بدرُ الدّین عینی حنفی علیہ الرَّحمہ اس کی صورتیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”وتفسیر قفیز الطحان: ان یستاجر ثورا لیطحن له حنطة بقفیز من دقیقه۔۔۔ الخ“ ترجمہ: اور قفیزِ طحان کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے گندم پیسنے کے لئے بیل کرائے پر لیا اور طے یہ پایا کہ اسی آٹے میں سے ایک قفیز اجرت دی جائے گی۔

(عمدۃ القاری، 9/21)

صدرُالشریعہ بدرُالطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ”اجارہ پر کام کرایا گیا اور یہ قرار پایا کہ اسی میں سے اتنا تم اُجرت میں لے لینا یہ اجارہ فاسد ہے۔“ (بہارِ شریعت، 3/149)

واضح رہے کہ ہمارے پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے اس کے علاوہ بھی بہت سی باتوں سے ہمیں منع فرمایا ہے جن کے بارے میں باقاعدہ ابواب کتبِ حدیث میں موجود ہیں کہ کون سی بیوع ممنوع ہیں اور کون سے ایسے لین دین ہیں جو ہم نہیں کرسکتے ہمیں ان احادیث کا مطالعہ کرنا چاہیئے، بظاہر ہمیں کوئی خرابی معلوم نہیں ہو رہی ہوتی لیکن شرعاً وہ کام ممنوع ہوتا ہے جیسے کچھ شہروں میں انسان کے بالوں کی خرید و فروخت ہو رہی ہے خریدنے والا اور بیچنے والا دونوں ہی اس پر راضی ہیں لیکن شریعتِ مطہرہ فرماتی ہے کہ انسانی جسم کی تکریم اور عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے جسم کا کوئی بھی عضو فروخت نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ایسا کرنا انسانی تکریم کے خلاف اور ناجائز ہے اور ایسی خرید و فروخت سرے سے منعقد نہیں ہوتی۔ لہٰذا ہمیں ہر جگہ صرف یہ نہیں دیکھنا کہ دونوں راضی ہیں بلکہ یہ بھی دیکھنا ہے کہ اگر کسی چیز سے متعلق احادیثِ کریمہ میں ممانعت آئی ہے تو اس سے باز رہنا ہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

تاجروں کے لئے

Rulings of Trade

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مدنی*

اوور ٹائم دیئے بغیر اس کے پیسے لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں سرکاری نوکری کرتا ہوں، وہاں تنخواہ کے علاوہ اوور ٹائم بھی دیا جاتا ہے۔ جو لوگ اوور ٹائم نہیں کرتے ان کو بھی اوور ٹائم دے دیا جاتا ہے جیسے کسی کا ڈیوٹی ٹائم پانچ بجے تک ہے تو اس کو آٹھ یا نو بجے تک کا اوور ٹائم دے دیتے ہیں۔ لیکن لوگ اس اوور ٹائم میں کام نہیں کرتے اور معاوضہ وصول کر لیتے ہیں یہ بات افسرانِ بالا کے بھی علم میں ہے، ایم ڈی کو بھی معلوم ہے۔ یوں تقریباً پچیس سے پچاس کروڑ روپے اوور ٹائم کی مد میں جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ اسے جائز کہتے ہیں کہ تنخواہیں کم ہیں اور تنخواہ کافی عرصے بعد بڑھتی ہے اس لئے اوور ٹائم لینے میں کوئی مضائقہ نہیں حالانکہ جن لوگوں کی تنخواہ زیادہ ہے وہ لوگ بھی لیتے ہیں اور افسرانِ بالا بھی یہ بات جانتے ہیں تو کیا اس طرح اوور ٹائم لینا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جواب: اوور ٹائم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کام کا لوڈ زیادہ ہے مثلاً پانچ بجے تک ڈیوٹی ٹائم ہے اور اس وقت تک کام نہیں ہو سکتا تو ڈیوٹی ٹائم کے علاوہ وقت دے کر کام پورا کیا جائے اور جتنا وقت زیادہ دیا ہے اس کی طے شدہ اُجرت لے لی جائے۔ لیکن یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ مثلاً پانچ بجے تک ڈیوٹی ٹائم ہے اور پانچ بجے تک سب گھر چلے گئے یا پانچ بجے تو نہ گئے بلکہ آٹھ بجے ہی گئے لیکن کوئی کام نہیں کیا بلکہ ایسے ہی فارغ بیٹھے رہے اور ظاہر یہ کیا کہ آٹھ بجے تک کام کیا ہے، اسی بنیاد پر تو اوور ٹائم ملا ہے۔ یہ سراسر دھوکا ہے جس میں ملک اور سرکاری خزانے کو نقصان پہنچایا جارہا ہے آپ خود کہہ رہے ہیں کہ اس طرح کروڑوں روپے کا نقصان ہوتا ہے، جب ایک دفتر کی چار دیواری میں اتنا نقصان ہورہا ہے تو دیگر دفاتر میں، پورے ضلع اور پورے محکمے میں کتنا نقصان ہوگا۔ اگر یہ گورنمنٹ کا پیسہ ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مالِ مفت ہے، بلکہ یہ قوم کی امانت ہے جو کہ بیتُ المال کے حکم میں ہے، قیامت کے دن اس کے ایک ایک پیسے کا حساب دینا پڑے گا۔ مرتکب افراد پر لازم ہے کہ اس عمل سے باز آئیں۔

جہاں تک افسران کو معلوم ہونے کی بات ہے تو یہ انجمن امدادِ باہمی کی ایک اُلٹی مثال ہے جہاں سب نے برائی کے کام پر ایک دوسرے سے سمجھوتہ کیا ہوا ہے۔

لوگوں کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ لوگ گناہ کو گناہ سمجھنا ہی چھوڑ دیں گے۔ حضرتِ سیّدُنا حُذیفہ بن یَمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِّ اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: "علاماتِ قیامت بہتر (72) ہیں (ان میں سے چند یہ ہیں) جب تم لوگوں کو دیکھو کہ وہ نمازوں کو ضائع کریں گے، امانتیں ضائع کریں گے، سُود کھائیں گے، جُھوٹ کو حلال سمجھیں گے، خون بہانے کو معمولی سمجھیں گے، بلند و بالا عمارتوں پر فخر کریں گے، دین کو دنیا کے بدلے بیچیں گے، قطعِ رحمی (رشتہ داری توڑنا) عام ہوگی، مساجد میں گناہوں بھری آوازیں بلند ہوں گی، سرِعام شرابیں پی جانے لگیں گی اور ظلم

* دارالافتاء اہلِ سنّت نورالعرفان، کھارادر، کراچی

کرنے کو فخر سمجھا جانے لگے گا۔"

(حلیۃ الاولیاء، 3/410، 411، رقم:4448 ملتقطاً)

بہر حال سوال میں بیان کی گئی صورت دھوکا دہی، حرام اور گناہ کا کام ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔ پوچھی گئی صورت میں اوور ٹائم کے نام پر جو رقم حاصل ہو گی وہ خالص مالِ حرام ہے۔

بعض اوقات بندہ یہ خیال کرتا ہے کہ میں نہیں لوں گا تو کیا فرق پڑے گا، یہ ہرگز نہ سوچیں کیونکہ فرد سے ہی معاشرہ بنتا ہے، اگر تمام افراد ٹھیک ہو جائیں تو معاشرہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔

یاد رہے جو شخص حرام کھاتا ہے اس کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں اور حرام مال سے کیا ہوا صدقہ و خیرات بھی قبول نہیں ہوتا۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ نبیِّ اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: "بے شک اللہ پاک ہے اور پاک ہی قبول فرماتا ہے اور اس نے مومنین کو وہی حکم دیا ہے جو مرسلین کو حکم دیا تھا چنانچہ اس نے رسولوں سے ارشاد فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًاؕ-اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌؕ(۵۱)﴾ ترجَمۂ کنز الایمان: اے پیغمبرو پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھا کام کرو، میں تمہارے کاموں کو جانتا ہوں۔ (پ18، المؤمنون: 51)

اور مومنوں سے ارشاد فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ ترجَمۂ کنز الایمان: اے ایمان والو کھاؤ ہماری دی ہوئی ستھری چیزیں۔ (پ2، البقرۃ: 172) پھر آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ایک شخص کا ذکر کیا جو طویل سفر کرتا ہے، جس کے بال بکھرے ہوئے اور بدن غبار آلود ہے (یعنی اس کی حالت ایسی ہے کہ جو دعا کرے وہ قبول ہو) اور وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر یارب! یارب! کہتا ہے حالانکہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام، غذا حرام، پھر اس کی دعا کیسے قبول ہو گی۔

(مسلم، ص393، حدیث:2346)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

تجارت میں نفع نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے میں کہ اگر کسی شخص کی دکان ہو اور اس میں مالِ تجارت پڑا ہو لیکن اس کی سیل نہ ہونے کے برابر ہو، اگر سیل ہوتی بھی ہو تو اتنی ہو کہ ہول سیل والے کے پیسے بھی مشکل سے پورے ہوتے ہوں تو کیا اس مالِ تجارت پر بھی زکوٰۃ ہو گی؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جی ہاں! جو مال دکان پر بیچنے کے لئے رکھا ہوا ہے وہ مالِ تجارت ہے اس مالِ تجارت پر بھی زکوٰۃ لازم ہو گی جبکہ دیگر شرائطِ زکوٰۃ پائی جائیں اور قرض نکال کر نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت) کے برابر مال بچتا ہو۔ مثال کے طور پر دو لاکھ روپے کا مال ہے اور اس شخص کا کاروباری معاملہ اس انداز کا ہے کہ یہ مقروض ہے اور یہ مال ملا کر اور کیش اور دیگر قابلِ زکوٰۃ اموال ملا کر اگر اس میں سے قرض مائنس کیا جائے تو نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت) کے برابر مال نہیں بچتا تو زکوٰۃ لازم نہیں ہو گی۔ اگر قرض اور حاجت اصلیہ کو نکال کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی مقدار مال حساب میں بچتا ہے تو اس پر زکوٰۃ دینی ہو گی کیونکہ جن چیزوں پر زکوٰۃ دینا فرض ہے بیچنے کی چیز بھی ان ہی میں سے ہے، ایسا نہیں کہ شریعتِ مطہرہ نے صرف نفع پر زکوٰۃ فرض کی ہے بلکہ شرائط پائے جانے پر مالِ تجارت پر زکوٰۃ لازمی طور پر فرض ہو گی بلکہ اگر نقصان ہو رہا ہو جب بھی زکوٰۃ دینا ہو گی مثال کے طور پر کسی نے تجارت و انویسٹ کی نیت سے چالیس لاکھ کا پلاٹ خریدا، اس کی مالیت کم ہو کر زکوٰۃ فرض ہونے کے دن تیس لاکھ ہو گئی اور زکوٰۃ فرض ہونے کی شرائط پائی جاتی تھیں تو یہ شخص مذکورہ پلاٹ پر بلاشبہ زکوٰۃ دے گا لیکن ایک رعایت یہ ہے کہ زکوٰۃ فرض ہونے کے دن اس مال کی جو کرنٹ ویلیو ہے اسی کے اعتبار سے حساب لگائے گا۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اَحکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مَدَنی*

کیا بیچا ہوا مال واپس لینا دکاندار پر لازم ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض اوقات گاہک کوئی چیز خریدنے کے بعد واپس کرنے آتا ہے تو کچھ دکاندار حضرات ایسے ہوتے ہیں جو خوش دلی کے ساتھ واپس لے لیتے ہیں اور کچھ دکاندار حضرات ایسے ہوتے ہیں جو واپس نہیں لیتے ۔ یہ ارشاد فرمائیں کہ چیز بیچنے کے بعد اگر خریدار وہ چیز پسند نہ آنے کی وجہ سے واپس کرنے آجائے تو کیا دکاندار پر واپس لینا لازم ہے یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جب کوئی چیز بیچ دی جائے تو وہ بیچنے والے کی ملکیت سے نکل کر خریدار کی ملکیت میں چلی جاتی ہے، اب اگر خریدار وہ چیز واپس کرنے آئے تو دکاندار پر واپس لینا شرعاً لازم نہیں۔ ہاں اگر اس چیز میں کوئی عیب پایا گیا تو خریدار واپس کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور اس صورت میں دکاندار پر اس چیز کو واپس لینا بھی لازم ہوگا۔ لیکن بغیر کسی عیب کے محض پسند نہ آنے کی بناء پر واپس کرنے کا اختیار نہیں۔ البتہ اگر دکاندار واپس لینے پر راضی ہو تو واپس لے سکتا ہے جیسے بعض گاہک پرانے یا جان پہچان والے ہوتے ہیں اور ان سے دکاندار چیز واپس لے لیتا ہے تو یہ اس کی مرضی ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

پرندہ پکڑا اور مالک معلوم نہیں تو کیا کریں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے آسٹریلین طوطا پکڑ کر اس کے پر کاٹ دیئے اب وہ اڑ نہیں سکتا اس نے مجھے یہ کہہ کر دیا کہ آپ نے گھر میں اور بھی طوطے رکھے ہوئے ہیں یہ بھی رکھ لیں جب اس کے پر بڑے ہوجائیں تو آزاد کر دیجئے گا۔ میں نے اس نیت سے رکھ لیا کہ جب اس کے پر بڑے ہوجائیں گے تو میں اسے دے دوں گا۔ میرا آپ سے یہ سوال ہے کہ اس معاملے میں کیا کیا جائے یہ ایک گمشدہ چیز تھی انہوں نے پکڑ لیا معلوم نہیں ہے کس کا ہے، اب اس کا کیا کریں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا پرندہ ہے جسے لوگ عموماً پالتے نہیں ہیں وہ اڑ کر گھر میں آجاتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ جو پکڑ لے گا اس کا ہوجائے گا جیسے جنگلی کبوتر یا چڑیا آزاد گھوم رہے ہوتے ہیں عام طور پر کسی کی ملکیت نہیں ہوتے اس طرح کے دیگر پرندے جو پکڑے گا وہ اسی کی ملک ہوں گے۔ جبکہ بعض جانور و پرندے وہ ہیں جن کے بارے میں ہمیں پتہ ہے کہ ان کا کوئی نہ کوئی مالک ہے جیسے آسٹریلین طوطے کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ یہ عام پرندہ نہیں ہے بلکہ لوگ اسے خرید کر پالتے ہیں اور زیادہ تر یہ پنجروں میں رہتے ہیں کبھی پنجرہ کھلا ہوگا تو یہ اُڑ گیا ہوگا۔ اس کا حکم لقطے والا ہے کہ اس کی تشہیر کرے اگر مالک مل جائے تو اسے واپس کرے اگر مالک نہ ملے اور ظنِ غالب ہوجائے کہ مالک اب اسے تلاش نہ کرتا ہوگا تو اسے صدقہ کردے۔ واضح رہے کہ اگر پکڑنے والے نے اس نیت سے پکڑا کہ خود رکھ لے گا مالک تک نہیں پہنچائے گا تو یہ حرام و گناہ ہے اور یہ غاصب قرار پائے گا۔

بہارِ شریعت میں ہے: ”باز یا شکرا وغیرہ پکڑا جس کے پاؤں میں جھنجھنی بندھی ہے جس سے گھریلو معلوم ہوتا ہے تو یہ لقطہ ہے اعلان کرنا ضروری ہے۔ یونہی ہرن پکڑا جس کے گلے میں پٹا یا ہار پڑا ہوا ہے یا پالتو کبوتر پکڑا تو اعلان کرے اور مالک معلوم ہوجائے تو اسے واپس کرے۔“

(بہارِ شریعت، 2/ 482)

لقطہ کا حکم بیان کرتے ہوئے صدرُ الشَّریعہ علیہ الرَّحمۃ لکھتے ہیں: ”ملتقط پر

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، کراچی

تشہیر لازم ہے یعنی بازاروں اور شارعِ عام اور مساجد میں اتنے زمانہ تک اعلان کرے کہ ظنِ غالب ہو جائے کہ مالک اب تلاش نہ کرتا ہوگا۔ یہ مدت پوری ہونے کے بعد اسے اختیار ہے کہ لقطہ کی حفاظت کرے یا کسی مسکین پر تصدق کردے۔" (بہارِ شریعت،2/ 482)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کریڈٹ کارڈ استعمال کرنا کیسا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے میں کہ میں بینک کا کریڈٹ کارڈ استعمال کر رہا ہوں۔ اگر میں چالیس دن کے اندر اس کی ادائیگی کر دیتا ہوں تو سود بھی نہیں دینا پڑتا تو کیا یہ کارڈ میں استعمال کر سکتا ہوں؟ یہ سود کے زمرے میں تو نہیں آتا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: کریڈٹ کارڈ کے ذریعے بینک یہ سہولت دیتا ہے کہ آپ ادھار میں اشیاء کی خریداری کر سکتے ہیں اور دکان دار کو بینک فوری ادائیگی کرے گا لیکن کارڈ ہولڈر بینک کو جو بھی انتہائی مدت مقرر ہے، تیس دن یا چالیس دن اس وقت سے پہلے پہلے ادائیگی کرے گا اور مقررہ انتہائی وقت سے پہلے ادائیگی کرنے پر تو کوئی سود لازم نہیں ہوگا لیکن تاخیر سے ادائیگی کرنے پر یومیہ کے حساب سے سود لگنا شروع ہو جائے گا۔ یہ سب باتیں کریڈٹ کارڈ بنواتے وقت فریقین طے کرتے ہیں جب ہی کارڈ جاری ہوتا ہے۔

پوچھی گئی صورت میں سودی معاہدہ تو آپ کر چکے ہیں کیونکہ کریڈٹ کارڈ بنواتے وقت آپ بینک سے یہ معاہدہ کر چکے ہیں کہ اگر ادائیگی میں تاخیر ہوئی تو میں سود ادا کروں گا لہٰذا سود دینے پر رضا مندی تو ثابت ہو چکی ہے اور یہ بھی گناہ ہے۔ مزید یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض اوقات لوگ وقت پر کسی وجہ سے ادائیگی نہیں کر پاتے تو پھر بینک سود ڈالنا شروع کر دیتا ہے یہ دوسرا گناہ ہوگا۔ پہلا گناہ تو اس وقت ہوا جب آپ نے کریڈٹ کارڈ بنواتے وقت فارم پر دستخط کیے کہ اگر آپ لیٹ ہوں گے تو سود دینا پڑے گا۔ دوسرا گناہ اس وقت ہوگا جب آپ سود کی ادائیگی کریں گے اور بعض اوقات ایسی نوبت آ بھی جاتی ہے۔ اگر بالفرض یہ نوبت نہ بھی آئے تب بھی کریڈٹ کارڈ بنوانا ہی ناجائز ہے کہ اس میں سودی معاہدہ لازمی طور پر کرنا پڑتا ہے۔ اس کی بجائے ڈیبٹ کارڈ استعمال کرنا چاہیے کیونکہ اس میں آپ بینک سے قرضہ نہیں لے رہے ہوتے بلکہ دکان دار کو بینک کے ذریعے اپنے ہی پیسے کی فوری ادائیگی کر رہے ہوتے ہیں اور ڈیبٹ کارڈ میں آپ کو کسی قسم کا سودی معاہدہ نہیں کرنا پڑتا ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

بزرگوں کی قناعت

ابو صفوان عطاری مَدَنی*

مالدار بزرگوں کی سیرت کے مطالعے سے ایک بات یہ پتا چلتی ہے کہ وہ مالدار ہونے کے باوجود سادہ زندگی گزارتے تھے اور غریبوں کی بہت زیادہ مدد کرتے تھے اور ایسا نہیں ہوتا تھا کہ مدد کرنے کے بعد ان پر احسان جتاتے تھے بلکہ وہ اپنی کمائی میں غریبوں کا حق سمجھتے تھے اور ان کا احسان مانتے تھے کہ انہوں نے ہمارا مال قبول کرلیا اور ان سے شکریہ کی بھی بالکل تمنا نہیں کرتے تھے، چنانچہ قراٰنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝﴾ ترجمۂ کنزُالایمان: اور ان کے مالوں میں حق تھا منگتا اور بے نصیب کا۔ (پ26، الذّٰریٰت: 19) (اس آیت میں) منگتا (سے مراد) وہ (ہے) جو اپنی حاجت کے لئے لوگوں سے سوال کرے اور محروم وہ کہ حاجت مند ہو اور حیاءً سوال بھی نہ کرے۔ (خزائن العرفان، ص960 ملخصاً) اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ان (پرہیزگاروں) کے مال میں غریبوں کا (بھی) حصہ ہوتا ہے اور ان کا دینا سائل کے مانگنے پر موقوف نہیں، وہ مانگنے والوں کو بھی دیتے ہیں اور تلاش کرکے ان مساکین کو بھی دیتے ہیں جو حیاء اور شرم کی وجہ سے مانگ نہ سکیں۔ (صراط الجنان، 9/493) **بھوکوں کو نہ بھول جاؤں:** حضرت سیّدُنا یوسف علیہ السّلام کے بارے میں منقول ہے کہ آپ اختیاری بھوک برداشت کرتے تھے حالانکہ آپ کے پاس زمین کے خزانے تھے، آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: مجھے خوف ہے کہ میں پیٹ بھر کر کھاؤں اور بھوکوں کو بھول جاؤں۔ (حسن التنبہ لما ورد فی التشبہ، 3/37) **جَو کی روٹی اور نمک:** حضرت سیّدُنا سلیمان علیہ السّلام کو بے مثل سلطنت و بادشاہت عطا ہوئی تھی، ہَوا آپ کے قابو میں تھی، جِنّات آپ کے تابع تھے، دنیا میں سب سے پہلے سمندر سے موتی نکلوانے والے آپ ہیں، لیکن اس کے باوجود جَو کی روٹی اور موٹے پسے ہوئے نمک پر اکتفا فرماتے تھے جبکہ بنی اسرائیل کو میدے یا سفید آٹے کی روٹیاں کھلاتے تھے۔ آپ کے باورچی خانے میں (بنی اسرائیل کے لئے) برتنوں میں پاکیزہ کھانا تیار ہوتا تھا۔ (حسن التنبہ لما ورد فی التشبہ، 3/36، صراط الجنان، 8/397، در منثور، 7/189 ملخصاً) **امیروں والا کھانا:** حضرت سیّدُنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ انتہائی مالدار تھے، لوگوں کو امیروں والا کھانا کھلاتے تھے اور خود جَو کی روٹی، سرکہ اور زیتون پر گزارہ کرتے تھے۔ (حسن التنبہ لما ورد فی التشبہ، 3/37) اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں تجارت کے ساتھ ساتھ خوب عبادت کرنے، سادگی کے ساتھ زندگی گزارنے اور دل کھول کر غریبوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

* ماہنامہ فیضان مدینہ، کراچی

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی*

مقدس تحریر والے کاغذات ردّی میں بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم کاپیاں، ردّی، کاغذ وغیرہ ایک کمپنی سے سترہ (17) روپے کے حساب سے خریدتے ہیں اور پھر اُنیس (19) روپے کے حساب سے آگے بیچ دیتے ہیں۔ اگر ہم اس کے پاس پچاس ہزار (50000) روپے رکھوا دیں تو ہمیں بارہ، تیرہ (12,13) روپے کے حساب سے ردّی مل جائے گی، یوں ہمیں اچھا خاصہ فائدہ ہو جائے گا۔ کیا ایسا کرنا ٹھیک ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: سب سے پہلے تو سوال یہ ہے کہ آپ کون سی ردّی خرید رہے ہیں؟ اسلامیات کی کاپیاں جن میں آیات لکھی ہوں گی احادیث لکھی ہوں گی اسی طرح اردو کی کتابوں میں بھی دینی مضامین ہوتے ہیں اور بہت سارا ایسا مواد ہوتا ہے جو دینیات پر مشتمل ہوتا ہے ایسی چیزوں کو ردّی میں بیچنے اور خریدنے کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے؟ کئی اخبارات میں بھی آیات، ان کا ترجمہ، احادیث اور دیگر مقدس کلمات لکھے ہوتے ہیں اور کتنی بڑی بے حسی ہے کہ مسلمان ان مقدس لکھائی والے کاغذات کو ایسی جگہ استعمال کر رہے ہوتے ہیں جہاں ان کا ادب و احترام بالکل نہیں پایا جاتا حالانکہ خود حروف بھی قابلِ تعظیم ہیں۔

جیسا کہ اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ نفسِ حروف قابلِ ادب ہیں اگرچہ جدا جدا لکھے ہوں جیسے تختی یا وصلی پر، خواہ ان میں کوئی برا نام لکھا ہو جیسے فرعون، ابو جہل وغیرہما تاہم حرفوں کی تعظیم کی جائے اگرچہ ان کافروں کا نام لائقِ اہانت و تذلیل ہے۔ حروفِ تہجی خود کلام اللہ ہیں کہ ہُود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر نازل ہوئے۔“ (فتاویٰ رضویہ، 23/ 336، 337)

پوچھی گئی صورت میں بھی جب معلوم ہے کہ یہ ردّی پکوڑے بیچنے والوں اور پرچون والوں کو بیچی جائے گی جس کی پڑیا بنا کر وہ اس میں سامان بیچیں گے تو یہاں اس تحریر کا احترام تو نہیں پایا جائے گا حالانکہ حروفِ تہجی (Alphabets) کا بھی احترام کرنے کا حکم ہے پھر اگر وہ لکھائی دینیات پر مشتمل ہے تو اور زیادہ احترام کرنا ہو گا۔ لہٰذا اولاً تو آپ اپنے کاروبار (Business) پر غور کریں کہ اس میں کیا ہوتا ہے اور جو بیان کیا گیا ہے اس کے مطابق عمل کریں۔

بالفرض ردّی نہ ہو بلکہ کوئی اور چیز ہو تب بھی یہ جائز نہیں کہ خریدنے والا ایک بڑی رقم بیچنے والے کے پاس رکھوا دے اور اس کی وجہ سے اس کو مال سستا دے دیا جائے کیونکہ جو رقم رکھوائی ہے وہ قرض ہے اور قرض کی وجہ سے سستا دینا سُود ہے، لہٰذا یہ طریقہ جائز نہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

مقروض کا انتقال ہو جائے تو قرض کیسے ادا ہو گا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، کراچی

مقروض کا اگر انتقال ہو جائے تو قرض کی ادائیگی کے حوالے سے کیا حکم ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: مقروض کا اگر انتقال ہو جائے اور اس نے مال و اسباب چھوڑا ہو تو اس کا قرض اس کے ترکے سے ادا کیا جائے گا۔ جب کسی کا انتقال (Death) ہو جائے تو پہلے تین چیزیں اس کے مال و اسباب سے پوری کی جائیں گی (1) سب سے پہلے تجہیز و تکفین کا خرچ پورا کیا جائے گا۔ عام طور پر دوست احباب رشتہ دار خرچ کر دیتے ہیں اور کوئی مطالبہ نہیں کرتے یہ بھی درست ہے، البتہ بیوی کا انتقال ہوا اور شوہر زندہ ہے تو اس کی تجہیز و تکفین (کفن دفن) کا خرچ اس کے مال سے نہیں کیا جائے گا بلکہ شوہر پر لازم ہو گا (2) دوسرے نمبر پر مرحوم کے قرض کی ادائیگی اس کے مال سے کی جائے گی (3) تجہیز و تکفین کے اخراجات نکالنے کے بعد اور قرض کی ادائیگی کے بعد اگر کوئی جائز وصیت کی ہو تو تہائی ترکے سے وصیت پوری کی جائے گی۔ اس کے بعد بچنے والا مال ورثاء میں ان کے حصوں کے مطابق تقسیم ہو گا۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرض کی ادائیگی کتنا اہم کام ہے کہ ورثاء قرض اتار کر ہی ترکہ تقسیم کریں گے اس سے پہلے نہیں کر سکتے کیونکہ قرض میت کے ذمہ پر تھا لہٰذا اس کی ادائیگی سے پہلے ترکہ تقسیم نہیں ہو سکتا۔ اگر مرنے والے نے کچھ نہ چھوڑا ہو تو ورثاء پر ادائیگی لازم نہیں لیکن پھر بھی ان کے لئے ترغیب ہے کہ وہ اپنی طرف سے اس کے قرض کی ادائیگی کر دیں۔

حضرت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِّ اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی خدمت میں جنازہ لایا گیا، ارشاد فرمایا: اس پر دَین (قرض) ہے؟ لوگوں نے عرض کی، جی ہاں۔ ارشاد فرمایا: اس نے دَین ادا کرنے کے لیے کچھ چھوڑا ہے؟ عرض کی، جی نہیں۔ ارشاد فرمایا: تم لوگ اس کی نمازِ جنازہ پڑھ لو۔ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی، اس کا دَین میرے ذمہ ہے، حضورِ اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے اس کی نماز پڑھا دی۔ اور ایک روایت میں ہے، کہ آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمہاری بندش کو توڑے، جس طرح تم نے اپنے مسلمان بھائی کی بندش توڑی، جو مسلمان اپنے بھائی کا دَین ادا کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کی بندش توڑ دے گا۔“ (مشکوۃ المصابیح، 1/539، حدیث:2920)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اُجرت ایڈوانس میں لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں رکشہ چلاتا ہوں اسکول کے بچے لگائے ہوئے ہیں ان سے ہم فیس ایڈوانس میں پہلے لیتے ہیں وہ لینا چاہئے یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں آپ کا ایڈوانس فیس وصول کرنا، جائز ہے کیونکہ آپ کو رکشے کے کرایہ کی مد میں ملنے والی رقم آپ کی اُجرت ہے اور کرایہ یا اُجرت پیشگی (Advance) بھی وصول کی جا سکتی ہے، لہٰذا فریقین پیشگی اُجرت پر راضی ہیں تو کوئی حرج نہیں۔

فقہِ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے: ”الاجرۃ لا تجب بالعقد و تستحق باحدی معانی ثلثۃ اما بشرط التعجیل او بالتعجیل من غیر شرط او باستیفاء المعقود علیہ“ ترجمہ: اُجرت محض عقد سے واجب نہیں ہوتی بلکہ تین چیزوں میں سے کوئی ایک پائی جائے تو اُجرت کا مستحق ہو گا، یا تو پیشگی دینے کی شرط لگائی ہو یا بغیر شرط ہی پیشگی اُجرت دے دی یا پھر کام پورا ہو گیا۔ (ہدایہ آخرین، ص 297، مطبوعہ لاہور)

بہارِ شریعت میں ہے: ”اُجرت ملک میں آنے کی چند صورتیں ہیں: (1) اُس نے پہلے ہی سے عقد کرتے ہی اُجرت دیدی دوسرا اس کا مالک ہو گیا یعنی واپس لینے کا اُس کو حق نہیں ہے (2) یا پیشگی لینا شرط کر لیا ہو اب اُجرت کا مطالبہ پہلے ہی سے درست ہے (3) یا منفعت کو حاصل کر لیا مثلاً مکان تھا اُس میں مدتِ مقررہ تک رہ لیا یا کپڑا درزی کو سینے کے لیے دیا تھا اُس نے سی دیا (4) وہ چیز مستاجر کو سپرد کر دی کہ اگر وہ منفعت حاصل کرنا چاہے کر سکتا ہے نہ کرے یہ اُس کا فعل ہے مثلاً مکان پر قبضہ دے دیا یا اجیر نے اپنے نفس کو تسلیم کر دیا کہ میں حاضر ہوں کام کے لیے تیار ہوں کام نہ لیا جائے جب بھی اُجرت کا مستحق ہے۔“ (بہارِ شریعت، 3/110)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

سرمایہ برابر ہو تو کیا نفع برابر ہونا ضروری ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ دو افراد نے مل کر یوں پارٹنر شپ کی ہے کہ دونوں نے برابر برابر (Equal) انویسٹمنٹ کی ہے۔ ان میں سے ایک فریق کام کرتا ہے وہ پچھتر فیصد (75٪) نفع (Profit) لیتا ہے اور جو کام نہیں کرتا وہ پچیس فیصد (25٪) نفع لے رہا ہے۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جی ہاں! پوچھی گئی صورت میں باہمی رضامندی (Mutual Understanding) سے کام کرنے والے کے لئے نفع کا ریشو زیادہ رکھ سکتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ بہارِ شریعت میں ہے: ”اگر دونوں نے اس طرح شرکت کی کہ مال دونوں کا ہوگا مگر کام فقط ایک ہی کرے گا اور نفع دونوں لیں گے اور نفع کی تقسیم مال کے حساب سے ہوگی یا برابر لیں گے یا کام کرنے والے کو زیادہ ملے گا تو جائز ہے اور اگر کام نہ کرنے والے کو زیادہ ملے گا تو شرکت ناجائز۔“ (بہارِ شریعت، 2/499)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

غیر مسلم کی دکان سے مچھلی خریدنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا غیر مسلم مچھلی فروش سے مچھلی خرید سکتے ہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جی ہاں! غیر مسلم سے مچھلی خرید کر کھا سکتے ہیں کیونکہ مچھلی میں ذبح شرط نہیں نہ ہی مسلمان سے خریدنا ضروری ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ”احلّت لنا ميتتان ودمان، الميتتان الحوت والجراد، والدمان الكبد والطحال“ ترجمہ: ہمارے لئے دو مرے ہوئے جانور اور دو خون حلال ہیں: دو مُردے مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون کلیجی اور تلی ہیں۔ (مشکاۃ المصابیح، 2/84، حدیث: 4132)

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، کراچی

علیہ رحمۃ الرَّحمٰن سے سوال ہوا:”جس شخص کے ہاتھ کا ذبح ناجائز ہے جیسے کہ ہنود، اس کے ہاتھ کی پکڑی مچھلی کھانا کیسا ہے؟“ آپ علیہ الرَّحمہ نے جواباً ارشاد فرمایا:”جائز ہے، اگرچہ اس کے ہاتھ میں مرگئی یا اس نے مار ڈالی ہو کہ مچھلی میں ذبح شرط نہیں جس میں مسلمان یا کتابی ہونا ضرور ہو۔“

(فتاویٰ رضویہ، 20/323)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

غیر مسلم کی دکان سے گوشت خریدنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا کسی غیر مسلم کی دکان سے گوشت خرید سکتے ہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جب مالک غیر مسلم ہے تو اس کی دکان سے مسلمان گوشت نہیں خرید سکتا۔ اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ سے فتاویٰ رضویہ میں سوال ہوا کہ جو شخص مسلمان باوجود سمجھانے کے مسلمان قصائی کو چھوڑ کر پُرانی رَوِش پر ضداً ہندو کھٹکوں (ایک ذات کا نام) کے یہاں پر گوشت لینے پر آمادہ ہو، اس پر کیا حکم ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:”ایسا شخص حرام خوار، حرام کار، مستحقِ عذاب پر ورد گار، سزاوارِ عذابِ نار ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ، 20/282)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کرایہ دار کا دکان میں مزید افراد کو بٹھا کر ان سے کرایہ لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص دکان کرائے پر لے کر اپنے نام سے اگریمنٹ بنوالے، پھر اس ایک دکان میں کیبن وغیرہ رکھ کر مزید تین چار افراد کو اپنے ساتھ اسی دکان میں کرائے پر دے دے تو ایسا کرنا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: فقہائے کرام نے کرائے پر لی ہوئی چیز، زیادہ رقم کے بدلے آگے دینے کی کچھ شرائط مقرر کی ہیں۔ سوال میں بیان کی گئی صورت میں وہ شرائط پائی جارہی ہیں لہٰذا پوچھی گئی صورت میں دکان کرائے پر لے کر کیبن وغیرہ رکھ کر آگے کرائے پر دینا جائز ہے۔

بہارِ شریعت میں ہے:”مستاجر نے مکان یا دکان کو کرایہ پر دے دیا، اگر اتنے ہی کرایہ پر دیا ہے جتنے میں خود لیا تھا یا کم پر جب تو خیر اور زائد پر دیا ہے تو جو کچھ زیادہ ہے اسے صدقہ کردے ہاں اگر مکان میں اصلاح کی ہو اسے ٹھیک ٹھاک کیا ہو تو زائد کا صدقہ کرنا ضرور نہیں یا کرایہ کی جنس بدل گئی مثلاً لیا تھا روپے پر دیا ہو اشرفی پر، اب بھی زیادتی جائز ہے۔ جھاڑو دے کر مکان کو صاف کرلینا یہ اصلاح نہیں ہے کہ زیادہ والی رقم جائز ہوجائے، اصلاح سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا کام کرے جو عمارت کے ساتھ قائم ہو مثلاً پلاستر کرایا یا مونڈیر بنوائی۔“ (بہارِ شریعت، 3/124)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

ملازم کا خریداری میں زیادہ ریٹ بتا کر زائد رقم خود رکھ لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں کنسٹرکشن کے شعبے سے وابستہ ہوں، میرے ٹھیکیدار بعض اوقات مجھے طے شدہ کام سے ہٹ کر ریت یا بجری وغیرہ لینے بھیج دیتے ہیں جس میں کافی وقت صرف ہوتا ہے، مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے اور اس کا عوض بھی کچھ نہیں ملتا۔ کیا مجھے یہ اجازت ملے گی کہ میں 3000 میں ملنے والی چیز کا ریٹ 3500 بتا کر 500 روپے خود رکھ لیا کروں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جی نہیں! پوچھی گئی صورت میں آپ کے لئے 500 روپے کی اضافی رقم لینا جائز نہیں کیونکہ یہ رقم آپ دھوکے سے حاصل کررہے ہیں اور کسی کو دھوکہ دینا، ناجائز و گناہ ہے۔ شرعاً آپ پر لازم ہے کہ جتنی رقم خریداری میں خرچ ہوئی، ٹھیکیدار کو اتنی ہی رقم بتائیں۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مدنی*

اجیر کا آگے کسی اور سے اُجرت پر کام کروانا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ خدمات فراہم کرنے کے حوالے سے آج کل ایک انداز یہ بھی اپنایا جارہا ہے کہ ایک کمپنی ہے جو خدمات فراہم کرتی ہے لیکن وہ خود براہِ راست خدمات فراہم نہیں کرتی بلکہ آگے کسی اور سے کام لیتی ہے، مثال کے طور پر میسن کا کام ہے یا کسی بہت بڑے پلازے یا ہوٹل کی صفائی ستھرائی کا معاملہ ہے تو یہ کام وہ کمپنی خود نہیں کرتی بلکہ آگے کسی چھوٹے ٹھیکیدار کو کم ریٹ میں یہ کام دے دیتی ہے اس سے پرافٹ حاصل ہوتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جی ہاں! یہ جائز ہے۔ بنیادی طور پر یہاں کام کا اِجارہ ہوتا ہے اور جس کام کا اجارہ کیا ہے وہ کام کمپنی کے مالکان خود تو نہیں کریں گے بلکہ ظاہر ہے ملازمین سے ہی کروائیں گے جب ملازمین سے کرواسکتے ہیں تو کسی اور کمپنی یا ٹھیکیدار سے بھی کرواسکتے ہیں۔ ایسا کرنا بالکل جائز ہے اور اس سے حاصل ہونے والا نفع بھی حلال ہے۔ بہارِ شریعت میں ہے: ”اگر یہ شرط نہیں ہے کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے کام کرے گا دوسرے سے بھی کرا سکتا ہے اپنے شاگرد سے کرائے یا نوکر سے کرائے یا دوسرے سے اُجرت پر کرائے سب صورتیں جائز ہیں۔“

(بہارِ شریعت، 3/119)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

واپسی کی شرط کے ساتھ چیز خریدنا اور بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری دکان پر آکر ایک شخص کہتا ہے کہ یہ موبائل میں آپ کو 2500 روپے میں فروخت کرتا ہوں، اس شرط پر کہ ایک دوماہ بعد میں 500 روپے اضافی دے کر 3000 روپے میں آپ سے خرید لوں گا۔ میں اس سے موبائل خرید کر اپنے

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، کراچی

پاس رکھ لیتا ہوں اور اس کے بدلے 2500 روپے اسے دے دیتا ہوں، ایک ڈیڑھ مہینے بعد وہ شخص واپس آکر مجھے 3000 روپے دیتا ہے اور میں اس کا موبائل اسے واپس کر دیتا ہوں۔ کیا میرا اس سے موبائل خرید کر رکھنا اور بعد میں وہی موبائل نفع لے کر اسی کو بیچنا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں آپ کا موبائل کے مالک سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنا، جائز نہیں۔

مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کی بیان کردہ صورت حقیقت میں رَہْن ہے کیونکہ آپ کے پاس آنے والے کو اپنی چیز بیچنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ عارضی طور پر پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ شخص آپ کے پاس موبائل گروی رکھوا کر آپ سے قَرْض لے کر چلا جاتا ہے اور بعد میں واپس آکر آپ کو اصل قرض کے ساتھ 500 روپے اضافی دیتا ہے جو کہ قرض پر نفع ہے اور حدیثِ پاک کے مطابق قرض پر نفع لینا سود ہے۔ جیسا کہ نبیِّ اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ”کل قرض جر منفعة فھو ربا“ ترجمہ: ہر وہ قرض جو نفع لے کر آئے وہ سود ہے۔ (کنزالعمال، جز6، 3/99، حدیث:15512) لہٰذا آپ کا سوال میں مذکور عَقْد کرنا جائز نہیں۔

اگر بالفرض اسے خرید و فروخت مان لیں، تب بھی یہ عقد جائز نہیں ہو سکتا کیونکہ بیع جائز ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں کوئی ایسی شرط نہ رکھی جائے جو عقد کے تقاضے کے خلاف ہو اور اس میں بیچنے یا خریدنے والے کا فائدہ ہو۔ بیان کردہ صورت میں رقم واپس کرنے پر موبائل واپس کرنے کی شرط عقد کے تقاضے کے خلاف ہے اور اس میں کم از کم ایک فریق کا فائدہ ہے لہٰذا یہ شرط عقد کو فاسد کر دے گی۔

نیز شریعت میں خرید و فروخت کا مقصد یہ ہے کہ خریدنے والا اس چیز کا مالک ہونے کے بعد اس میں جو تَصَرُّف کرنا چاہے، کر سکے جبکہ آپ کی بیان کردہ صورت میں آپ اس موبائل میں تصرف کرنے یعنی اسے بیچنے، کسی کو گفٹ کرنے وغیرہ کے مجاز نہیں کیونکہ عقد (Deal) کے مطابق آپ کو وہی موبائل کچھ عرصے بعد اسی شخص کو واپس کرنا لازم ہے اور یہ بات مقاصدِ شریعت کے خلاف ہے لہٰذا یہ صورت جائز بیع کی نہیں ہو سکتی۔ الغرض سوال میں ذکر کی گئی صورت کسی بھی شرعی عقد کے اعتبار سے جائز نہیں، اگر کبھی ایسا ہو چکا ہو تو جتنی رقم اضافی وصول کی ہو وہ مالِ خبیث ہے لہٰذا بلانیتِ ثواب وہ نفع صدقہ کر دیا جائے۔

صدرالشریعہ بدرالطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرَّحمہ بیع میں شرط لگانے سے متعلق لکھتے ہیں: ”جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں بائع یا مُشتری یا خود مبیع کا فائدہ ہو (جب کہ مبیع اہلِ استحقاق سے ہو) وہ بیع کو فاسد کر دیتی ہے۔“ (بہارِ شریعت، 2/702)

سوال میں ذکر کردہ صورت کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”بیعُ الوفا۔۔۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس طور پر بیع کی جائے کہ بائع جب ثَمَن مشتری کو واپس کر دے گا تو مشتری مَبیع کو واپس کر دے گا۔۔۔ بیعُ الوفا حقیقت میں رہن ہے۔۔۔ لہٰذا رَہْن کے تمام احکام اس میں جاری ہوں گے اور جو کچھ منافع حاصل ہوں گے، سب واپس کرنے ہوں گے۔۔۔ فقیر نے صرف اس قول کو ذکر کیا کہ یہ حقیقت میں رہن ہے کہ عاقِدَین کا مقصود اسی کی تائید کرتا ہے اور اگر اس کو بیع بھی قرار دیا جائے جیسا کہ اس کا نام ظاہر کرتا ہے اور خود عاقدین بھی عموماً لفظ بیع ہی سے عقد کرتے ہیں تو یہ شرط کہ ثمن واپس کرنے پر مبیع کو واپس کرنا ہو گا، یہ شرط بائع کے لیے مفید ہے اور مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور ایسی شرط بیع کو فاسد کرتی ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، اس صورت میں بھی بائع و مشتری دونوں گنہگار ہوں گے۔“ (بہارِ شریعت، 2/834، 835)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اَحکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

ڈرائیور کا کھانا بھی رِشوت؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہائی وے وغیرہ پر جو ہوٹلز ہیں ان کے مالکان گاڑیوں کے ڈرائیورز سے یہ طے کرتے ہیں کہ آپ اگر گاڑی ہمارے ہوٹل پر روکو گے تو آپ کا اور گاڑی کے دیگر عملے کا کھانا فری ہوگا۔ ڈرائیور گاڑی اسی مخصوص ہوٹل پر روکتا ہے جس میں ڈرائیور اور گاڑی کے دیگر عملے کا تو کھانا فری ہے البتہ مسافروں کو عُموماً مہنگا کھانا ملتا ہے۔ ڈرائیورز وغیرہ کے لئے اس کھانے کا کیا حکم ہے؟ پھر ڈرائیورز صرف کھانا ہی نہیں کھاتے بلکہ سگریٹ اور بیلنس وغیرہ بھی لیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں ڈرائیور اور دیگر عملے کے لئے یہ کھانا کھانا اور سگریٹ و بیلنس وغیرہ دیگر چیزیں لینا حرام و گناہ اور رِشوت کے حکم میں داخل ہے کیونکہ ہوٹل والے اپنا کام نکلوانے کیلئے یہ کھانا وغیرہ دیتے ہیں تاکہ ڈرائیور گاڑی اسی ہوٹل پر روکے اور یہی رشوت ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے: ”عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ“ ترجمہ: حضرت سیّدُنا عبدُ اللہ بن عَمْرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے رشوت دینے والے اور لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (ترمذی، 3/66، حدیث:1342) بحر الرائق میں رِشوت اور تحفہ میں فرق کے حوالے سے ہے: ”أن الفرق بين الهدية والرشوة أن الرشوة ما يعطيه بشرط أن يعينه والهدية لا شرط معها“ ترجمہ: ہدیے اور رشوت میں فرق یہ ہے کہ رشوت وہ مال ہے جو اس شرط کے ساتھ دیا جائے کہ رشوت لینے والا رشوت دینے والے کی کسی معاملے میں مدد کرے گا اور ہدیہ وہ مال ہے جس کے ساتھ کوئی شرط نہ ہو۔

(بحر الرائق، 6/441)

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”رشوت لینا مطلقاً حرام ہے کسی حالت میں جائز نہیں۔ جو پرایا حق دبانے کے لئے دیا جائے رشوت ہے یوہیں جو اپنا کام بنانے کے لئے حاکم کو دیا جائے رشوت ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ، 23/597)

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، کراچی

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ”بیع تو اس میں (اسٹیشن پر سودا بیچنے والے) اور خریداروں میں ہوگی، یہ (اسٹیشن پر سودا بیچنے کا ٹھیکہ لینے والا) ریل والوں کو روپیہ صرف اس بات کا دیتا ہے کہ میں ہی بیچوں، دوسرا نہ بیچنے پائے، یہ شرعاً خالص رشوت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، 19/559)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کلیئرنگ ایجنٹ سے متعلق ایک سوال کا جواب

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کنٹینر وغیرہ باہر سے شپ کے ذریعے آتے ہیں اب جس کا کارگو ہوتا ہے وہ کسی اور سے ڈپازٹ لگواتا ہے اور جس سے ڈپازٹ لگواتا ہے اسے اس کا نفع بھی دیتا ہے جس شپنگ لائن کا کنٹینر اس کے پاس جاتا ہے وہ شپنگ لائن ڈپازٹ رکھتی ہے، کوئی بھی بندہ ڈپازٹ لگوا سکتا ہے، ایک یا ڈیڑھ لاکھ کا ڈپازٹ ہوتا ہے۔ اب اگر ہم اپنے پیسے ڈپازٹ لگاتے ہیں تو جب کنٹینر واپس شپنگ لائن کو ریسیو ہوجاتا ہے تو وہ ڈپازٹ کے پیسے ہمیں واپسی دے دیتی ہے اور جس کا کارگو تھا اس سے دو تین ہزار جتنی بات ہوئی تھی وہ مزید اس سے ہم وصول کرلیتے ہیں تو کیا یہ پیسے لینا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پہلے تو ہم سوال کے پس منظر کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ جب کنٹینر باہر نکلتا ہے تو اسے خالی ہو کر واپس بھی آنا ہوتا ہے مثال کے طور پر کراچی سے رحیم یار خان گیا تو اب اگر وہاں سے واپس ہی نہ آئے تو کنٹینر والا پھنس جائے گا وہ اپنا خالی کنٹینر کیسے منگوائے گا؟ لہٰذا جس کا مال کنٹینر کے ذریعے جارہا ہے اس کے ذمّے یہ بات ڈالی جاتی ہے کہ وہ کچھ زرِ ضمانت جمع کروائے اور جب کنٹینر واپس کرے تو یہ زرِ ضمانت اس کو واپس مل جائے۔ اب وہ مالکان جو مال امپورٹ کرتے ہیں وہ زرِ ضمانت کے طور پر پیسے جمع کروانے سے منع کردیتے ہیں تو کلیئرنگ ایجنٹ یہ رقم اپنی جیب سے لگاتا ہے اور جب مال زیادہ آتا ہے اور جمع کروانے کے لئے پیسے کم پڑتے ہیں تو وہ دیگر لوگوں سے پیسے پکڑتا ہے اور جمع کروادیتا ہے۔ اگر یہ پیسے وہ تاجر یا سیٹھ جمع کرواتا جس نے یہ کنٹینر منگوایا ہے تو پھر سارا معاملہ اصول کے مطابق ہوتا لیکن یہاں ایک آؤٹ سائیڈر اپنے پیسے دیتا ہے اور وہ اس لالچ میں پیسے دیتا ہے کہ اتنے پیسے دینے پر اتنا نفع اوپر ملے گا، یہ سودی معاملہ ہے کیونکہ اس نے جو رقم دی وہ قرض ہے اور قرض پر نفع لینا سود ہے جو کہ حرام و گناہ ہے۔ حدیثِ مبارک میں ہے: ”كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا“ ترجمہ: قرض کے ذریعہ سے جو منفعت حاصل کی جائے وہ سود ہے۔ (کنز العمال، جز6، 3/99، حدیث: 15512)

اس رقم کے قرض ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس رقم سے کوئی کاروبار کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اسے لے کر زرِ ضمانت کے طور پر رکھ دیا جائے گا اور کنٹینر واپس ہونے پر وہ رقم اسے لوٹا دی جائے گی اور رقم والے کو فکس نفع ملے گا جو کہ قرض پر نفع ہے۔

واضح رہے کہ اس کے علاوہ بھی کلیئرنگ ایجنٹس کی غالب اکثریت بہت سے ناجائز کام کرتی ہے مثلاً رشوت دینا، غلط ڈاکومنٹس کے ذریعے مال کلیئر کروانا، دھوکا دینا وغیرہ۔ ان تمام ناجائز کاموں سے بچنا ضروری ہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اطلاع
(دعوتِ اسلامی)
دارُالافتاء اہلسنّت
سے شرعی رہنمائی حاصل کرنے کے لئے اب ان 3 نمبرز پر رابطہ کیجئے۔
ان تین کے علاوہ بقیہ تمام نمبرز بند کردیئے گئے ہیں۔
اوقاتِ کار:
صبح 10 تا شام 4
(علاوہ جمعۃ المبارک وعام تعطیل)
وقفہ برائے نماز و طعام:
دوپہر 1 سے 2
1 0311-3993312
2 0311-3993313
3 0311-7864100
نوٹ: دارالافتاء اہلسنت کی جانب سے وائرل ہونے والے کسی بھی فتوے کی تصدیق دارالافتاء اہلسنت کے آفیشل پیج daruliftaahlesunnat اور ویب سائٹ www.daruliftaahlesunnat.net کے ذریعے کی جاسکتی ہے۔

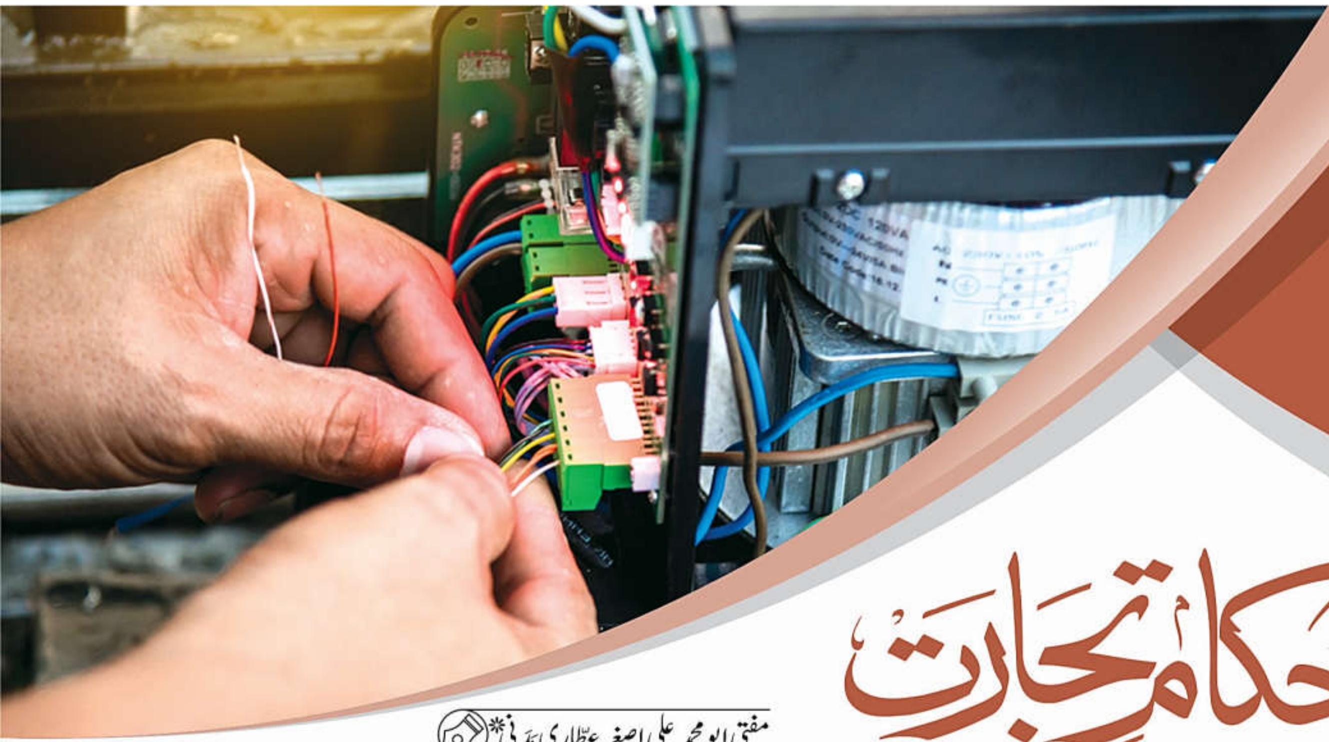

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

الیکٹریشن کا چیز کھول کر چیک کرنے کے پیسے لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض الیکٹریشنز نے اپنی دکان پر لکھا ہوتا ہے کہ کوئی بھی چیز چیک کرنے کی پچاس روپے فیس ہوگی، پھر اگر مالک وہ چیز بنوائے تو اس کا خرچہ بتا دیتے ہیں اور اس صورت میں کھول کر چیک کرنے کے الگ سے پیسے نہیں لیتے البتہ اگر مالک وہ چیز نہ بنوائے تو کھول کر چیک کرنے کے پچاس روپے لیتے ہیں اور خرابی (Fault) بتا کر، وہ چیز بند کر کے واپس دے دیتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: چیز کھولنے اور چیک کرنے میں وقت بھی صرف ہوتا ہے اور آلات بھی استعمال ہوتے ہیں اور بعض لوگوں نے باقاعدہ ملازمین رکھے ہوتے ہیں ان کا بھی وقت لگتا ہے اور ان کو سیلری بھی دی جاتی ہے، اس کھلوانے کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ خرابی (Fault) بتائی جا سکے، ایسا نہیں ہے کہ وہ صرف نٹ کھول کر بند کر کے واپس دے دے گا۔ لہٰذا یہ بھی باقاعدہ ایک ایسا کام ہے جس کی اجرت لی جا سکتی ہے۔ رہی بات یہ کہ جب کام بھی اسی سے کروایا جائے تو کھولنے کے بدلے پیسے نہیں لئے جاتے تو اس نہ لینے کی بھی فقہی توجیہ ممکن ہے ایک توجیہ یہ ہے کہ وہ اپنی اجرت میں کمی یا معاف کرنے کا حق رکھتا ہے اور اس کا یہ عمل کسی ممانعت میں داخل نہیں بلکہ جائز ہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

عقدِ مضاربت ختم کرنے کا طریقہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ربُّ المال اور مضارِب باہمی رضامندی سے عقدِ مضاربت ختم کرنا چاہیں تو اس کا کیا طریقۂ کار ہوگا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: ربُّ المال (Investor) اور مضارِب (Working Partner) باہمی رضامندی سے جب بھی مضاربت (Sleeping Partnership) ختم کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں۔ مضاربت ختم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مضاربت ختم ہو تو جتنی رقم کیش کی صورت میں موجود ہے، اس سے مزید خریداری نہ کریں، مضاربت کے پیسوں سے خریدا گیا مال موجود ہے تو مضارب اس مال کو بیچ کر کیش کی صورت میں لے آئے اور جمع ہونے والی اِس رقم سے بھی مزید کوئی خریداری نہ کرے۔ ساری رقم کیش کی

* دارالافتاء اہلِ سنّت نورالعرفان، کھارادر، کراچی

صورت میں آنے کے بعد تمام اخراجات (Expenses) مالِ مضاربت سے الگ کرلیں۔ پھر راسُ المال (Capital) کو ربُّ المال (Investor) کے سپرد کرنے کے بعد جو نفع ہوا، باہمی قرارداد کے مطابق آپس میں تقسیم کرلیں۔ اگر نقصان ہو تو پھر اس کی جداگانہ تفصیل ہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

حج و عمرہ کے ایجنٹس کا، فی پاسپورٹ کمیشن لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارا اسٹیٹ کا کام ہے ہم کسی کو کام دلواتے ہیں مثلاً کسی کارپینٹر کو کچن کا کام دلواتے ہیں تو ہم اسے کہتے ہیں کہ ہمارا کمیشن رکھ لیجئے گا وہ ہمارا کمیشن رکھ کر کسٹمر کو پیسے بتاتا ہے کہ اتنے میں کام ہوگا بعد میں وہ ہمیں ہمارا کمیشن دے دیتا ہے۔ اسی طرح حج و عمرہ کے کام میں اس طرح ہوتا ہے کہ ہم ان سے فی پاسپورٹ کے حساب سے بات کرلیتے ہیں کہ ہمارے ذریعے سے جتنے افراد جائیں گے فی پاسپورٹ کے ٹریول ایجنسی والے سے پانچ ہزار دو ہزار وغیرہ کمیشن لے لیتے ہیں۔ ہمارا اس طرح کام کرنا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: کسی کاریگر کو کام دلوا کر اس پر کمیشن لینا جائز ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ کاریگر سے آپ کا پہلے سے معاہدہ ہو کہ میں آپ کو کام دلواؤں گا تو آپ مجھے اس پر اتنا کمیشن دیں گے۔ دوسری بات یہ کہ کاریگر کو اس پارٹی سے ملوانے اور اسے کام دلوانے میں آپ کی محنت شامل ہو۔ اگر آپ کہیں سے گزر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ ایک مکان میں توڑ پھوڑ ہو رہی ہے اور آپ نے کاریگر کو فون کر دیا کہ اس مکان میں چلے جاؤ ہو سکتا ہے کہ تمہیں کام مل جائے، تو یہ کام دلوانا نہیں کہلائے گا اور اس پر کمیشن کے حقدار بھی نہیں ہوں گے۔ دونوں پارٹیوں کو ملوانے میں خود محنت (Physical Activity) کرتے ہیں اس کو ساتھ لے جاتے ہیں ملوادیتے ہیں تو یہ کام کرنے پر آپ کمیشن کے مستحق ہوں گے۔ یہی معاملہ حج و عمرہ کے ایجنٹس کا ہے یعنی جو کاروان والے ہوتے ہیں یا ٹریول ایجنٹس ہوتے ہیں ان کے لئے لوگ گاہک لے کر آتے ہیں ان کا پہلے سے ٹریول والے سے معاہدہ ہوتا ہے کہ میں آپ کے پاس گاہک لے کر آؤں گا تو مجھے فی پاسپورٹ اتنا کمیشن ملے گا یہ بھی ایک ایسا کام ہے جس کا معاوضہ طے کیا جا سکتا ہے لہٰذا اس کا معاوضہ لینا بھی درست ہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اسکول انتظامیہ کا وین والے سے فی طالب علم کمیشن لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض اسکول والے گاڑی والے سے فی اسٹوڈنٹ کے حساب سے ماہانہ کمیشن لیتے ہیں کہ جتنے بچے ان کے اسکول سے اٹھائیں گے فی اسٹوڈنٹ اتنے روپے اسکول والوں کو دینے ہوں گے۔ کیا ان کا گاڑی والے سے یہ کمیشن لینا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں اسکول والوں کا گاڑی والے سے ماہانہ کمیشن لینا جائز نہیں کیونکہ یہاں اسکول والوں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ کمیشن کے مستحق ہوں بلکہ گاڑی والے عموماً اسکول کے باہر کھڑے ہوتے ہیں والدین کو بھی معلوم ہوتا ہے والدین خود گاڑی والے سے بات کرتے ہیں اور بچے کو لانے لے جانے کے معاملات اور فیس وغیرہ خود طے کرتے ہیں تو یہاں اسکول والوں کی طرف سے کوئی ایسا کام کرنا نہیں پایا گیا جس کا وہ معاوضہ طلب کریں۔

ہاں اگر اسکول والوں نے دونوں پارٹیوں کو ملوانے میں کوشش و محنت کی ہو تو پھر زیادہ سے زیادہ ایک مرتبہ کمیشن لینے کے مستحق ہوں گے، ہر مہینے ایک مخصوص حصہ لینے کے پھر بھی مستحق نہیں ہوں گے لہٰذا ان کا ہر ماہ وین والوں سے رقم لینا حرام ہے اور یہ آمدنی بھی حرام ہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اَحکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

بغیر اطلاع نوکری چھوڑنے پر ایک ماہ کی تنخواہ کاٹنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی ادارے یا کمپنی میں یہ شرط ہو کہ نوکری چھوڑنے کی صورت میں آپ پر لازم ہے کہ ایک ماہ پہلے بتانا ہو گا ورنہ آپ کی ایک ماہ کی سیلری کاٹ لی جائے گی تو اس کا کیا حکم ہے اور ایسی شرط پر اجارہ کرنا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: کسی ادارے یا کمپنی والوں کا نوکری چھوڑنے کے حوالے سے اجیروں پر یہ شرط لگانا کہ ”نوکری چھوڑنے کی صورت میں آپ پر لازم ہے کہ ایک ماہ پہلے بتانا ہو گا ورنہ آپ کی ایک ماہ کی سیلری کاٹ لی جائے گی“ ناجائز و حرام کام ہے۔ بغیر بتائے چھوڑنے کی صورت میں ایک ماہ جو کام کیا اس کی اُجرت کاٹ لینا بھی جائز نہیں ہے۔ نیز معاہدے میں ایسی شرط لگانا ہی درست نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم فرماتے ہیں: ”مابال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وان کان مائۃ شرط قضاء اللہ احق وشرط اللہ اوثق“ یعنی لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتابُ اللہ میں نہیں ہیں اور جو شرط کتابُ اللہ کی رُو سے جائز نہ ہو وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں، اللہ تعالیٰ کا فیصلہ زیادہ سچا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شرط بہت مضبوط ہے۔

(بخاری، 2/36، حدیث:2168)

در مختار میں ہے: ”تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفۃ لمقتضی العقد“ یعنی ایسی شرائط اجارے کو فاسد کر دیتی ہیں جو عقد کے تقاضے کے خلاف ہوں۔ (در مختار مع رد المحتار، 9/77)

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرَّحمٰن ”فتاویٰ رضویہ“ میں اسی طرح کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ”تسلیم نفس کامل کر کے اور بات میں باوصف قبول و اقرار خلاف ورزی غایت یہ کہ جرم ہو، جرم کی تعزیرِ مالی جائز نہیں ہے کہ منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل حرام، مع ھذا حقوق العباد میں مطلقاً اور حقوق اللہ میں جرم کر چکنے کے بعد تعزیر کا اختیار صورِ معدودہ کے سوا قاضیٔ شرع

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، کراچی

کو ہے، نہ عام لوگوں کو، اور امرِ ناجائز رائج ہو جانے سے جائز نہیں ہو سکتا، یونہی ملازمت بلا اطلاع چھوڑ کر چلا جانا اس وقت سے تنخواہ قطع کرے گا نہ کہ تنخواہ واجب شدہ کو ساقط، اور اس پر کسی تاوان کی شرط کر لینی، مثلاً نوکری چھوڑنا چاہے تو اتنے دنوں پہلے سے اطلاع دے، ورنہ اتنی تنخواہ ضبط ہو گی، یہ سب باطل و خلافِ شرعِ مطہر ہے۔ پھر اگر اس قسم کی شرطیں عقدِ اجارہ میں لگائی گئیں جیسا کہ بیان سوال سے ظاہر ہے کہ وقتِ ملازمت ان قواعد پر دستخط لے لئے جاتے ہیں یا ایسے شرائط وہاں مشہور و معلوم ہو کر المعروف کالمشروط ہوں، جب تو وہ نوکری ہی ناجائز و گناہ ہے کہ شرطِ فاسد سے اجارہ فاسد ہوا، اور عقدِ فاسد حرام ہے، اور دونوں عاقد مبتلائے گناہ، اور ان میں ہر ایک پر اس کا فسخ واجب، اور اس صورت میں ملازمین تنخواہ مقرر کے مستحق نہ ہوں گے بلکہ اجر مثل کے جو مشاہرہ معینہ سے زائد نہ ہو، اجر مثل اگر مسمی سے کم ہے تو اس قدر خود ہی کم پائیں گے، اگرچہ خلاف ورزی اصلاً نہ کریں۔“

(فتاویٰ رضویہ، 19/506، 507)

وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

مِل والوں کا گندم کی بوری میں مٹی کنکر کے نام پر پیسے کاٹنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ باہر سے جب گندم آتی ہے تو اس میں کنکر بھی ہوتے ہیں مٹی بھی ہوتی ہے تو مل والے ایک اندازے سے گندم والے کے دو کلو وزن کے پیسے کاٹ لیتے ہیں جسے کاٹ کا نام دیا جاتا ہے مثلاً 100 کلو کی بوری تیس روپے فی کلو کے حساب تین ہزار روپے کی بنی تو اس میں کاٹ کر کے اسے اٹھانوے کلو شمار کرتے اور دو کلو مٹی کنکر کے نام سے کاٹ لیتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَةَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اگر یہ لوگوں کے درمیان رائج ہے اور اس پر لوگوں کا عرف ہے کہ 100 کلو کا جب بھی سودا ہو گا تو پیسے اٹھانوے کلو کے ہی دیئے جائیں گے تو یہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر فریقِ ثانی یعنی مال بیچنے والا اس بات پر راضی نہیں ہے تو پھر ایسا کرنا جائز نہیں ہو گا۔

وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

پائلیٹ لکڑی صوفے میں لگانا اور صوفہ نیا کہہ کر بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ باہر سے پائلیٹ کی صورت میں لکڑی آتی ہے جو کہ کنٹینر میں نیچے رکھی جاتی ہے اور اس کے اوپر سامان رکھا جاتا ہے پھر یہ پائلیٹ مارکیٹ میں فروخت ہوتے ہیں اور اس سے جڑی لکڑیاں کھول کر صوفہ بنانے والوں کو فروخت کر دیا جاتا ہے۔ صوفے والے اس لکڑی کو اندرونی فٹنگ میں استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ استعمال ہو چکی ہوتی ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ نیا صوفہ ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَةَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: صوفے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ ہوتے ہیں جن کے اندر کا اسٹرکچر (Structure) مختلف پھٹیوں اور لکڑی سے بنایا جاتا ہے۔ دوسرے وہ صوفے ہوتے ہیں جن کے اندرونی اسٹرکچر میں بھی صرف وہی لکڑی استعمال ہوتی ہے جو پہلے سے طے کی گئی ہو اور دونوں قسم کے ریٹ میں بھی دسیوں ہزار کا فرق ہوتا ہے۔ پہلی قسم کے جو صوفے ہیں ان میں پائلیٹ کی لکڑی استعمال کی جا سکتی ہے کیونکہ یہ بالکل نئی جیسی ہوتی ہے اور عرف میں کنٹینر میں استعمال ہو جانے کی وجہ سے اس پر اعتراض بھی نہیں کیا جاتا۔ البتہ ہر شخص یہ نہیں جانتا کہ صوفے کا اسٹرکچر کس انداز پر بنایا گیا ہے لہٰذا دکاندار کو چاہیے کہ گاہک پر واضح کرے کہ اندر کا اسٹرکچر مختلف قسم کی لکڑیوں سے بنایا جاتا ہے اور کسی خاص لکڑی کا التزام نہیں کیا جاتا مثلاً یہ نہیں کہ اندر شیشم کی لکڑی ہو گی یا فلاں درخت کی لکڑی ہو گی۔

وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

ٹھیکیدار کام میں تاخیر کرے تو اس کے پیسے کاٹنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم کسی کو اپنے گھر کے لئے فرنیچر بنانے کا ٹھیکہ دیتے ہیں اور وقت بھی طے ہو جاتا ہے کہ اس ٹائم تک بنا کر دے گا، رقم بھی طے ہو جاتی ہے کہ اتنے پیسے ایڈوانس دیئے جائیں گے اور اتنے پیسے بیچ میں دینے ہوں گے۔ پھر وہ دو چار مہینے لیٹ کر دیتا ہے جو پیسے طے ہوئے کیا ان میں سے ہم پیسے کاٹ سکتے ہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جی نہیں! یہ مالی جُرمانے کی صورت ہے اور دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق مالی جُرمانہ لینا جائز نہیں، فقہائے اَحناف کا یہی موقف ہے۔ لہٰذا یہ معاملہ اِفہام و تفہیم سے حل کیا جائے۔ یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ آپ اس سے کہیں کہ ہمارے پیسے واپس دے دو اور باہمی رضامندی سے سودا کینسل کر دیا جائے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

چیز خریدنے کے بعد اس کے ریٹ طے کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر میں کسی ورکشاپ یا کارخانے کے مالک سے مال اٹھاتا ہوں اور اپنے ڈسپلے سینٹر شوروم پر لے کر آتا ہوں اور اسے فروخت کر دیتا ہوں۔ اور فروخت کرنے کے بعد پھر کارخانے کے مالک سے اس کے ریٹ طے کرتا ہوں۔ میرا ان سے بعد میں ریٹ طے کرنا دُرست ہے یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ شریعتِ مُطَہَّرہ کا اُصول ہے کہ جو چیز آپ خرید رہے ہیں اس کی قیمت معلوم ہونا ضروری ہے۔ شریعت کے اُصول و قوانین کے پیچھے حکمتیں ہوتی ہیں ان میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ بعد میں تَنازُع نہ ہو، ایک دوسرے کا نقصان نہ ہو، ایک دوسرے کو ضَرَر نہ پہنچے۔ لہٰذا سوال میں بیان کیا گیا طریقہ جائز نہیں اور نہ ہی ایسے سودے کی آمدنی حلال ہوگی۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کمپنی کی طرف سے دکان دار کو دیئے گئے تحائف لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری فوم کی دکان ہے میرا سوال یہ ہے کہ کمپنی اپنی تشہیر

* دارالافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، کراچی

(Advertising) کے لئے جو تحفے دیتی ہے کیا وہ لینا ٹھیک ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اس مسئلے کی مختلف صورتیں ہیں، جن کا حکم درج ذیل ہے: (1) معمولی نوعیت کا گفٹ جس کا مقصد تشہیر ہوتا ہے جیسے عام طور پر کیلنڈر دے دیا جاتا ہے کہ دکان پر لگایا جائے گا کمپنی کا نام لکھا ہوا نظر آئے گا جس سے کمپنی کی تشہیر ہوگی، بعض اوقات کوئی ایسا پیپر دے دیتے ہیں جو ٹیبل پر رکھا جاتا ہے کہ یہ ٹیبل پر رکھا رہے گا اس پر کمپنی کا نام لکھا ہوا ہے تو اس سے کمپنی کی تشہیر ہوگی، اس کا مقصد تشہیر ہوتا ہے۔ یہ گفٹ لینا جائز ہے۔

(2) ایک وہ انعام ہوتا ہے جو پروڈکٹ کی فروخت پر لگایا ہوتا ہے کہ آپ اتنی پروڈکٹس فروخت کریں گے تو آپ کو یہ انعام ملے گا، یہ بھی جائز ہے۔

(3) ایک گفٹ وہ ہوتا ہے جس میں یہ طے ہوتا ہے کہ آپ صرف ہماری کمپنی کا مال فروخت کرو، دیگر کمپنیوں کا مال چھوڑ دو تو ہم آپ کو یہ گفٹ دیں گے۔ یہ رشوت کی صورت ہے۔ ڈاکٹروں کو میڈیکل کمپنیاں جو مختلف پیکجز دیتی ہیں تحفہ تحائف کی صورت میں وہ بھی یہی تیسری صورت ہوتی ہے۔

اگر آپ اپنی مرضی سے دیگر کمپنیوں کا مال چھوڑنا چاہیں تو چھوڑ سکتے ہیں آپ اس بات کے پابند نہیں ہیں کہ ہر کمپنی کا مال بیچیں یا کسی ایک ہی کمپنی کا مال بیچیں۔ کمپنی اگر آپ کو سیل پر انعام دے تو حرج نہیں، لیکن یہ کہہ کر دینا کہ آپ دیگر کمپنیوں کا مال چھوڑو گے تو یہ انعام ملے گا، یہ رشوت ہے اور یہ جائز نہیں۔

یہ جواب ایک عُمومی پس منظر میں تھا البتہ فوم کی کمپنیوں میں ڈیلر شپ ہوتی ہے کہ ڈیلر صرف ایک ہی برانڈ کا کام کرتا ہے کوئی اور کام کرتا ہی نہیں ہے چونکہ اس نے پہلے ہی سے ایک برانڈ منتخب کرلی ہے لہٰذا بیان کردہ صورتوں میں سے اب پہلی اور دوسری صورت ہی یہاں پائی جائے گی۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

لیبر سے تنخواہ کے ساتھ روزانہ کا دودھ طے کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ گوالے سے اگر اس طرح تنخواہ طے کی جائے کہ ماہانہ 8 ہزار روپے تنخواہ اور روزانہ ایک کلو دودھ ملے گا۔ اس طرح تنخواہ طے کرنا کیسا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: یہ جائز ہے۔ اس میں شرعاً حرج نہیں۔

عُموماً ہمارے یہاں جو لیبر رکھی جاتی ہے ان سے یہ بھی طے ہوتا ہے کہ کھانا ملے گا، اگر اس میں یہ طے کرلیا کہ ایک کلو دودھ بھی ملے گا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

شوّال المکرم کے چھ روزوں کی فضیلت

فرمانِ مصطفٰے صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ہے: جس نے رَمَضان کے روزے رکھے پھر اِن کے بعد چھ روزے شوّال میں رکھے تو گویا کہ اُس نے زمانے بھر کا روزہ رکھا۔ (مسلم، ص456، حدیث:2758)

عید کے بعد یہ چھ روزے ایک ساتھ بھی رکھ سکتے ہیں لیکن متفرق یعنی الگ الگ رکھنا افضل ہے۔ (در مختار مع رد المحتار، 3/485 ملخصاً)

"ماہنامہ فیضانِ مدینہ" شعبانُ المعظم 1441ھ کے سلسلہ "جواب دیجئے" میں بذریعہ قرعہ اندازی ان تین خوش نصیبوں کا نام نکلا: محمد فہد عطاری، محمد علی مقصود عطاری (راولپنڈی)، بنتِ محمد طفیل (حیدرآباد)، انہیں چیک روانہ کردیئے گئے۔ دُرست جوابات: (1) چار بزرگوں نے (2) ایک سال کے برابر۔ **دُرست جوابات بھیجنے والوں میں سے 12 منتخب نام:** (1) غلام مُرتضٰی (خانیوال) (2) بنتِ اعجاز عطاریہ (گجرات) (3) عامر عطاری (سرگودھا) (4) محمد مُعظَّم رضا عطاری (بدین) (5) بنتِ عبدُ الجبار (فیصل آباد) (6) محمد عثمان رضا عطاری (راولپنڈی) (7) عبدُ الرَّحمٰن عطاری (عمر کوٹ) (8) محمد عمر عطاری (وہاڑی) (9) اویس اسلم (سیالکوٹ) (10) وقاص علی (حیدرآباد) (11) صابر علی عطاری (جھنگ) (12) بنتِ محمد آصف (لاہور)۔

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

فرنیچر پر کارٹون بنانا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم بچوں کا فرنیچر بناتے ہیں تیار ہونے کے بعد کسٹمر بسا اوقات تصویر بنواتے ہیں اس کے بارے میں شرعی رہنمائی فرمادیں کہ کیا یہ جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: تصویر کے حوالے سے سب سے پہلے تو یہ یاد رہے کہ ڈیجیٹل تصویر بنانا، جائز ہے کیونکہ وہ تصویر نہیں ہے عکس ہے لیکن جب وہ چھپ جائے یعنی پرنٹ ہوجائے تو اب اس پر تصویر کا اطلاق ہوگا اور جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے۔ اب کارٹون پر تصویر کا اطلاق آتا ہے یا نہیں یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔

آجکل جس انداز کے کارٹون بن رہے ہیں ان میں عموماً دو طرح کے کارٹون ہوتے ہیں: (1) اگر وہ ذی روح کی حکایت نہ کرتا ہو تو جائز ہے جیسے بس کے آگے آنکھ لگادی تو اس طرح کی کوئی جاندار مخلوق دنیا میں نہیں پائی جاتی لہٰذا یہ خیالی مخلوق کا کارٹون ہے جو تصویر کے حکم میں نہیں آتا (2) اگر کسی شخص یا جانور وغیرہ کا کارٹون بنایا جو ذی روح کی حکایت کررہا ہوتا ہے تو ایسا کارٹون بنانا جائز نہیں۔ لہٰذا کسٹمر اگر فرنیچر پر ایسا کارٹون بنانے کا کہے جو ذی روح کی حکایت کرتا ہو تو وہ بناکر نہیں دیا جاسکتا۔

فتاوٰی رضویہ میں ہے: ”تصویر کسی طرح استیعاب مابہ الحیاۃ نہیں ہوسکتی فقط فرق حکایت وفہم ناظر کا ہے اگر اس کی حکایت محکی عنہ میں حیات کا پتہ دے یعنی ناظر یہ سمجھے کہ گویا ذوالتصویر زندہ کو دیکھ رہا ہے تو وہ تصویر ذی روح کی ہے اور اگر حکایت حیات نہ کرے ناظر اس کے ملاحظہ سے جانے کہ یہ حی کی صورت نہیں میت وبے روح کی ہے تو وہ تصویر غیر ذی روح کی ہے۔“

(فتاوٰی رضویہ، 24/587)

ایسی تصویر جو موضع اہانت میں ہو اس کا بھی بنانا اور بنوانا جائز نہیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت علیہ الرَّحمہ لکھتے ہیں: ”تصویر کی توہین مثلاً فرش پا انداز میں ہونا کہ اس پر چلیں پاؤں رکھیں یہ جائز ہے اور مانع ملائکہ نہیں اگرچہ بنانا بنوانا ایسی تصویروں کا بھی حرام ہے۔“ (فتاوٰی رضویہ، 24/587)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

وقت پر پیمنٹ نہ کرنے پر اضافی رقم لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی دکاندار سے کھاد وغیرہ چھ ماہ کی ادھار پر لیتا ہے مگر چھ ماہ میں نہیں دے پاتا بلکہ سال دو سال گزر جاتے ہیں تو کیا جس وقت وہ پیسے دے گا وہ اتنے ہی دے گا یا زیادہ بھی لے سکتے ہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جتنے کا سودا ہوا اتنے ہی پیسے لئے جائیں گے اس سے زیادہ نہیں لے سکتے۔ کیونکہ رقم اس نے مال کے عوض دینی ہے اور مال میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ اس نے قیمت ادا

* دارالافتاء اہلِ سنّت نورالعرفان، کھارادر، کراچی

کرنے میں جو تاخیر کی ہے اس تاخیر کی بناء پر اضافی رقم وصول نہیں کرسکتے، اگر کریں گے تو وہ سود ہوگا۔

ہاں اگر دینے والے نے بلاوجہ تاخیر کی ہے تو وہ گناہگار ہوگا۔

لیکن اگر تنگدست ہے کہ ادائیگی پر قادر نہیں نہ ہی کوئی ایسا مال ہے جسے بیچ کر ادا کرسکے تو گناہ نہیں بلکہ جہاں ادائیگی کے کوئی اسباب نہ ہوں تو وہاں تنگدست کو مہلت دینی چاہئے، یہی قرآن کی تعلیمات ہیں۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَیْسَرَةٍ ؕ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ تَرجَمۂ کنزُ الایمان: اور اگر قرضدار تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک اور قرض اس پر بالکل چھوڑ دینا تمہارے لئے اور بھلا ہے اگر جانو۔ (پ3، البقرۃ:280)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

پسند نہ آئی تو واپس کردیں گے، اس شرط پر خریدنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ جب کوئی چیز خریدتے ہیں تو بسا اوقات چیز پسند نہیں آرہی ہوتی یا خدشہ ہوتا ہے کہ گھر والوں کو پسند آئے گی یا نہیں اس لئے کہہ دیتے ہیں کہ اگر پسند نہیں آئی تو واپس کردیں گے۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: عام طور پر جو سودے ہوتے ہیں اس میں خریدتے وقت سودا فائنل ہوجاتا ہے۔ لہٰذا پسند نہ آنے پر واپسی کا اختیار نہیں۔ البتہ جب سودا کرتے ہوئے آپ نے یہ شرط رکھ لی کہ اگر پسند نہ آیا تو ایک دو دن میں واپس کردوں گا تو یہ جائز ہے اسے فقہ کی اصطلاح میں خیارِ شرط کہتے ہیں اور اس میں زیادہ سے زیادہ تین دن تک کی شرط رکھی جاسکتی ہے اگر چیز پسند نہ آئی تو تین دن کے اندر اندر واپس کرنے کا اختیار ہوگا تین دن کی مدت پوری ہونے پر بیع لازم ہوجائے گی اور اب واپسی کا اختیار ختم ہوجائے گا۔ خرید و فروخت میں خیار رکھے جانے کا یہ انداز حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہے چنانچہ بخاری شریف میں ہے: "قال رجل للنبی صلَّی اللہ علیہ وسلَّم انی اخدع فی البیوع فقال اذا بایعت فقل لا خلابة فکان رجل یقوله" ترجمہ: ایک شخص نے نبیِّ اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میں خرید و فروخت میں دھوکا کھاجاتا ہوں۔ ارشاد فرمایا: جب خرید و فروخت کرو تو کہہ دیا کرو "لا خلابة" یعنی دھوکا نہ ہو۔ چنانچہ وہ صاحب یہ کہہ دیا کرتے تھے۔" (بخاری، 1/324)

اس حدیث پاک کی شرح میں مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرَّحمہ لکھتے ہیں: "اس جملے کے بہت سے معانی کئے گئے ہیں اور ہر معنی کی بنا پر فقہاء کے مذاہب ہیں، ہمارے ہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کہہ دیا کرو کہ بھائی میں تجارتی کاروبار میں سادہ بندہ ہوں مجھ سے قیمت زیادہ نہ وصول کرلینا میں اپنے لیے اختیار رکھتا ہوں کسی کو دکھاؤں گا اگر قیمت زیادہ لگائی گئی تو مجھے خیارِ شرط ہے واپس کردوں گا۔ چنانچہ بعض روایات میں یوں ہے "لا خلابة ولی الخیار ثلثة ایام" یعنی دھوکا نہ ہو اور مجھے تین دن تک اختیار ہے اس صورت میں حدیث بالکل واضح ہے۔" (مراٰۃ المناجیح، 4/247)

بہارِ شریعت میں ہے: "بائع و مشتری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قطعی طور پر بیع نہ کریں۔ بلکہ عقد میں یہ شرط کردیں کہ اگر منظور نہ ہوا تو بیع باقی نہ رہے گی اسے خیارِ شرط کہتے ہیں اور اس کی ضرورت طرفین کو ہوا کرتی ہے کیونکہ کبھی بائع اپنی ناواقفی سے کم داموں میں چیز بیچ دیتا ہے یا مشتری اپنی نادانی سے زیادہ داموں سے خرید لیتا ہے یا چیز کی اسے شناخت نہیں ہے ضرورت ہے کہ دوسرے سے مشورہ کرکے صحیح رائے قائم کرے۔" (بہار شریعت، 2/647)

اسی میں ہے: "خیار کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن ہے اس سے کم ہوسکتی ہے زیادہ نہیں۔" (بہار شریعت، 2/649)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

احکامِ تجارت

غیر مسلم مردے کو دفن کرنے کے لئے صندوق بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ غیر مسلم مردے کو دفن کرنے کے لیے صندوق بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جی ہاں! غیر مسلم مردے کو دفن کرنے کے لیے صندوق بیچ سکتے ہیں۔ البتہ اس میں کفار کی اعانت کی نیت نہ کرے بلکہ اپنا ایک مال بیچے اور دام لے۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں: ”غیر ذمی سے بھی خرید و فروخت، اجارہ و استیجار، ہبہ و استیہاب بشروطہا جائز اور خریدنا مطلقاً ہر مال کا کہ مسلمان کے حق میں متقوم ہو اور بیچنا ہر جائز چیز کا جس میں اعانتِ حرب یا اہانت اسلام نہ ہو۔“

(فتاویٰ رضویہ، 14/421)

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا کہ ”مسلمان کو ہندو مردہ جلانے کے لئے لکڑیاں بیچنا جائز ہے یا نہیں؟“ تو اس کے جواب میں فرماتے ہیں: ”لکڑیاں بیچنے میں حرج نہیں لان المعصیۃ لاتقوم بعینہا (کیونکہ معصیت اس کے عین کے ساتھ قائم نہیں ہوتی) مگر جلانے میں اعانت کی نیت نہ کرے اپنا ایک مال بیچے اور دام لے۔“ (فتاویٰ رضویہ 17/168)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کتبــــــــــہ

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

12 شوال المکرم 1435 بمطابق 9 اگست 2014

خریداری کا وکیل اپنے لئے مال خریدے تو نئے قبضے کی صورت کیا ہوگی؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے بکر کو اس بات کا وکیل کیا کہ وہ اس کے لئے مطلوبہ مقدار میں دھاگا خریدے، بکر نے مقررہ مقدار میں دھاگا خرید لیا ابھی وہ دھاگا بکر کے قبضہ میں ہی ہے، اگر بکر خریدا ہوا دھاگا زید سے خود اپنے لئے خریدنا چاہے تو کیا یہ جائز ہے؟ اور اس خریداری کیلئے اسے جدید قبضے کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ واضح رہے کہ زید بیرونِ ملک رہتا ہے اور بکر اس سے

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، کراچی

فون ہی پر معاملات طے کرتا ہے۔

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جی ہاں! بکر کا زید سے وہ دھاگا خریدنا تو جائز ہے البتہ دوسری خریداری سے پہلے بکر کا جو دھاگے پر قبضہ ہے وہ خریداری کے قبضہ کے قائم مقام نہیں ہوسکتا بلکہ خریداری کے بعد بکر کو جدید قبضہ کی ضرورت ہوگی، کیونکہ بکر کے پاس جو دھاگا ہے وہ امانت ہے تو بکر کا اس پر قبضہ امانت کا قبضہ ہے، اب جب بکر زید سے وہ دھاگا خریدے گا تو خریدنے میں قبضہ ضمان کی ضرورت ہوتی ہے اور ضمان کا قبضہ تو امانت کے قبضہ کے قائم مقام ہوجاتا ہے لیکن امانت کا قبضہ ضمان کے قبضہ کے قائم مقام نہیں ہوتا بلکہ اس میں جدید قبضہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

چنانچہ بہارِ شریعت میں ہے "مبیع پر مشتری کا قبضہ عقدِ بیع سے پہلے ہی ہوچکا ہے، اگر وہ قبضہ ایسا ہے کہ تَلَف ہونے کی صورت میں تاوان دینا پڑتا ہے تو بیع کے بعد جدید قبضہ کی ضرورت نہیں مثلاً وہ چیز مشتری نے غصب کر رکھی ہے یا بیع فاسد کے ذریعہ خرید کر قبضہ کرلیا اب اسے عقد صحیح کے ساتھ خریدا تو وہی پہلا قبضہ کافی ہے کہ عقد کے بعد ابھی گھر پہنچا بھی نہ تھا کہ وہ شے ہلاک ہوگئی تو مشتری کی ہلاک ہوئی اور اگر قبضہ ایسا نہ ہو جس سے ضمان لازم آئے مثلاً مشتری کے پاس وہ چیز امانت کے طور پر تھی تو جدید قبضہ کی ضرورت ہے یہی حکم سب جگہ ہے، دونوں قبضے ایک قسم کے ہوں یعنی دونوں قبضۂ ضمان یا قبضۂ امانت ہوں تو ایک دوسرے کے قائم مقام ہوگا اور اگر مختلف ہوں تو قبضۂ ضمان، قبضۂ امانت کے قائم مقام ہوگا مگر قبضۂ امانت، قبضۂ ضمان کے قائم مقام نہ ہوگا۔"

(بہار شریعت، 645/2)

جدید قبضہ کس طرح ہوگا اس کی مختلف صورتیں ہیں، پوچھی گئی صورت کے مطابق قبضہ جدید کی ایک صورت یہ ہے کہ بکر، زید سے جب دھاگا خریدنے کیلئے ایجاب و قبول کرے گا تو وہ دھاگا وہاں موجود ہو ایسی صورت میں یہ موجودگی اور مال حاصل کرنے کی قدرت قبضہ جدید کہلائے گی جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے "ولو كان فی يده عارية أو وديعة او رهنا لم يصر قابضا بمجرد العقد الا ان يكون بحضرته" ترجمہ: اگر چیز مشتری کے ہاتھ میں عاریت یا امانت یا رَہن کے طور پر تھی تو صرف عقد کے ذریعے وہ قبضہ کرنے والا نہیں کہلائے گا سوائے یہ کہ اس وقت مبیع بھی مشتری کے پاس موجود ہو (تو قبضہ ہوجائے گا)۔

(فتاوی عالمگیری، 23/3)

دوسری صورت یہ ہے کہ دھاگا خرید و فروخت کے وقت اس جگہ موجود نہ ہو جس جگہ خرید و فروخت کا عقد ہو رہا ہے بلکہ کسی اور جگہ ہو تو اب بکر کو اتنی مہلت ملے کہ وہ جا کر دھاگے پر قبضہ کرسکے تو تب بھی جدید قبضہ ہوجائے گا، جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے "وان كانت يد المشتری يد امانة كيد الوديعة والعارية لايصير قابضا الا ان يكون بحضرته او يذهب الى حيث يتمكن من قبضه بالتخلی" ترجمہ: اور اگر مشتری کے ہاتھ میں مبیع امانت کے طور پر ہو جیسے ودیعت کے طور پر یا عاریت کے طور پر تو (وہی چیز خریدنے کی صورت میں) وہ اس پر قبضہ کرنے والا نہیں کہلائے گا سوائے اس کے کہ عقد مبیع کی موجودگی میں ہو یا مشتری اس جگہ تک پہنچ جائے کہ وہ تخلیہ کے ذریعے مبیع پر قبضہ کرنے پر قادر ہوجائے۔ (بدائع الصنائع، 248/5)

اسی طرح عنایہ میں ہے "ومعنى تجديد القبض ان ينتهی الى موضع فيه العين ويمضی وقت يتمكن فيه من قبضها" ترجمہ: جدید قبضہ سے مراد یہ ہے کہ وہ اس جگہ تک پہنچ جائے جہاں وہ چیز موجود ہے اور اتنا وقت گزر جائے کہ وہ اس چیز پر قبضہ کرنے پر قادر ہوجائے۔ (عنایہ، 493/7)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کتبــــــــــــــــــــــــہ

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

10 ربیع الاول 1432 بمطابق 14 فروری 2011

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی*

ایک ہی چیز مختلف کسٹمرز کو مختلف قیمت پر بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ دوکاندار اپنا سامان فروخت کرتے ہیں تو ہر کسٹمر کے لیے ان کا الگ الگ ریٹ ہوتا ہے، کسی کسٹمر سے دس بیس روپے زیادہ لیتے ہیں اور دوسرے کسٹمر کو وہی چیز سستی بیچ دیتے ہیں، گاہک جھگڑتا ہے تو اس کو اور سستا کر دیتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا شرعی اعتبار سے جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: بیچنے والا اپنی چیز کا مالک ہے وہ جتنے کی چاہے بیچ سکتا ہے جبکہ خریدار کو دھوکا نہ دیا جائے۔ البتہ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کے ریٹ حکومت کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں، ان چیزوں کو ان کے مقرر کردہ ریٹ پر ہی بیچنا ضروری ہے کیونکہ قانون کی پاسداری کرنا لازم ہے لیکن بہت ساری چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن میں یہ قانون نہیں ہوتا، جیسے کپڑے، فرنیچر وغیرہ جن کے ریٹ مقرر نہیں ہوتے تو ان چیزوں میں یہ کاروباری ٹول استعمال ہوتا ہے کہ "جیسا گاہک ویسا بھاؤ" اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ نیز بارگیننگ کرنا بھی خریدار و دکاندار کا حق ہے نبیِّ اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے بھاؤ کم کروانا ثابت ہے اگر بھاؤ کم ہی نہ ہو سکتا تو نبیِّ اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے ثابت کیسے ہوتا۔

حدیثِ پاک میں ہے: "حضرت سوید ابنِ قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور مخرفہ عبدی مقام ہجر سے کپڑا لائے ہم اسے مکۂ معظمہ میں لائے تو ہمارے پاس رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم پاپیادہ چلتے ہوئے تشریف لائے تو ہم سے پاجامہ کا بھاؤ چکایا۔ ہم نے وہ آپ کے ہاتھ بیچ دیا وہاں ایک شخص تھا جو مزدوری پر تول رہا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا تول دو اور نیچا تولو۔ (ترمذی، 52/3، حدیث: 1309)

مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: "بھاؤ چکانے کا مطلب یہ ہے کہ بھاؤ طے کر کے خرید لیا۔ (مرقات) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود دوکان پر جانا اور تاجر کی منہ مانگی قیمت نہ دینا بلکہ اس سے طے کرنا کچھ کم کرانا سنّت ہے، اگرچہ اپنے خدام سے ہی خرید کی جائے اس بھاؤ تاؤ کرنے میں عار نہیں۔

آپ علیہ الرحمہ مزید لکھتے ہیں: "چونکہ اس زمانہ میں نوٹ تو تھے نہیں درہم کا عام رواج تھا جن کے گننے میں بہت وقت لگتا ہے اس لیے تول کر ادا کئے جاتے تھے، درہم تولنے والا تاجر کی طرف سے مقرر ہوتا تھا جس کی اجرت (تولائی) خریدار کے ذمہ ہوتی تھی۔" (مراٰۃ المناجیح، 524/4)

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنّت علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: "بھاؤ کے لئے حجت کرنا بہتر ہے بلکہ سنّت۔ سوا اس چیز کے جو سفرِ حج کے

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، کراچی

لئے خریدی جائے اس میں بہتر یہ ہے کہ جو مانگے دے دے۔" (فتاویٰ رضویہ، 17/128)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

لنڈے کی پینٹ میں ڈالر نکلا تو اس کا کیا کرنا ہو گا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے لنڈے کی پینٹ خریدی جس میں سے ایک ڈالر نکلا۔ یہ ارشاد فرمائیں کہ اس ڈالر کا کیا جائے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: یہ ڈالر لقطے کے حکم میں ہے لہٰذا اس ڈالر کو صدقہ کرتے ہوئے کسی بھی نیک کام میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔ اگر زید شرعی فقیر ہے تو وہ خود بھی رکھ سکتا ہے۔ لنڈے کے کپڑے فروخت کے لئے عموماً بیرونِ ملک سے لائے جاتے ہیں لہٰذا قرائن سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کپڑوں میں ملنے والی غیر ملکی کرنسی ان لوگوں کی ہے جو بیرونِ ملک ان کپڑوں کے مالک تھے اور ان تک پہنچنا اب ناممکن ہے لہٰذا ان پیسوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا جیسا کہ کتب فقہ میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے مکان خریدا اور اس کی دیوار میں دراہم نکلے تو اگر مکان بیچنے والا کہے کہ یہ میرے ہیں تو اس کو دے دیئے جائیں ورنہ لقطہ ہیں۔

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "مکان خریدا اس کی دیوار وغیرہ میں روپے ملے اگر بائع کہتا ہے یہ میرے ہیں تو اسے دیدے ورنہ لقطہ ہے۔"

(بہارِ شریعت، 2/483، ردالمحتار علی الدر المختار، 6/437)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

سنار کا سونے کی مردانہ انگوٹھی بنانا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں سونے کا کاریگر ہوں، کیا میرے لیے سونے کی مردانہ انگوٹھی یا سونے کے بٹن بنانا، جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ جن چیزوں کا استعمال جائز نہیں ان چیزوں کو بنانا بھی جائز نہیں اور جن چیزوں کا استعمال جائز ہے ان کا بنانا بھی جائز ہے، ایسے معاملات میں ہمیشہ اس اصول کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "یہ اصل کلی یاد رکھنے کی ہے کہ بہت جگہ کام دے گی۔ جس چیز کا بنانا، ناجائز ہو گا اسے خریدنا کام میں لانا بھی ممنوع ہو گا اور جس کا خریدنا کام میں لانا منع نہ ہو گا اس کا بنانا بھی ناجائز نہ ہو گا۔" (فتاویٰ رضویہ، 23/464)

مرد کے لئے چاندی کی صرف ایک انگوٹھی پہننا جائز ہے اور اس میں بھی یہ ضروری ہے کہ چاندی کا وزن ساڑھے چار ماشے سے کم ہو، اس میں ایک نگینہ بھی ہو، ایک سے زائد نگینے بھی نہ ہوں اور بغیر نگینے والی بھی نہ ہو۔ اس کے علاوہ کسی بھی دھات کی انگوٹھی، چَین، یا چھلہ وغیرہ نہیں پہن سکتا۔

اس تمام تفصیل سے واضح ہو گیا کہ سونے کی انگوٹھی پہننا بھی مرد کے لئے جائز نہیں لہٰذا سنار کا مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی بنانا بھی جائز نہیں۔

جہاں تک سونے کے بٹن بنانے کی بات ہے تو فقہائے کرام نے کپڑوں میں سونے کے بٹن لگانے کی اجازت دی ہے کیونکہ یہ لباس کے تابع ہیں لہٰذا سونے کے بٹن بنانا بھی جائز ہے البتہ بٹن کے ساتھ چین لگانے کی اجازت نہیں۔

بہارِ شریعت میں ہے: "سونے چاندی کے بٹن کُرتے یا اچکن میں لگانا، جائز ہے، جس طرح ریشم کی گھنڈی جائز ہے۔ یعنی جبکہ بٹن بغیر زنجیر ہوں اور اگر زنجیر والے بٹن ہوں تو ان کا استعمال ناجائز ہے کہ یہ زنجیر زیور کے حکم میں ہے، جس کا استعمال مرد کو ناجائز ہے۔" (بہارِ شریعت، 3/415)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اَحکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی*

بیع میں شرطِ فاسد لگانا جائز نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں بیج بیچنے کا کام کرتا ہوں۔ ہماری مارکیٹ میں جب زمیندار بیج خریدنے آتا ہے تو دکاندار اسے بیج بیچتے ہیں لیکن ساتھ میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ آپ اپنی فصل ہمیں ہی بیچیں گے اس صورت کا کیا حکم ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں خریداری کے ساتھ جو شرط لگائی گئی ہے وہ ناجائز و گناہ ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بیج کی بیع کے ساتھ فصل، بائع (یعنی فروخت کرنے والے) کو بیچنے کی شرط، شرطِ فاسد ہے کیونکہ اس میں بائع (فروخت کرنے والے) کا نفع ہے اور جس شرط کا عقد یعنی سودا تقاضا نہ کرے اور اس میں معاہدہ کرنے والے دونوں فریق میں سے کسی کا نفع ہو وہ شرط فاسد ہوتی ہے اور شرطِ فاسد سے بیع فاسد ہو جاتی ہے اور بیعِ فاسد کا ارتکاب گناہ کا کام ہے۔ بہارِ شریعت میں ہے: ”جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں بائع یا مشتری یا خود مبیع کا فائدہ ہو (جبکہ مبیع اہلِ استحقاق سے ہو) وہ بیع کو فاسد کر دیتی ہے۔ (بہار شریعت، 2/702)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

بینک سے لون دلوانے پر کمیشن لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص بینک اور سود پر قرض لینے والے کے درمیان معاہدہ کرواتا ہے اور اس معاہدے کے جو قانونی تقاضے ہیں ان کو پورا کرواتا ہے، تو کیا وہ بھی گناہ گار ہو گا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جس طرح سود کا لین دین کرنا حرام و گناہ ہے اسی طرح سودی معاہدے کا گواہ بننا بھی حرام و گناہ ہے۔ نیز سود کے معاہدے پر جو بھی براہِ راست معاون و مددگار بنے گا وہ بھی اس جرم میں شامل کہلائے گا اور وہ بھی گناہ گار ہو گا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪﴾

تَرجَمۂ کنزالایمان: اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ (پارہ 6، سورۃ المائدۃ، آیت 2)

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: ”لعن رسول

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، کراچی

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٰکل الربا و موکلہ و کاتبہ و شاھدیہ و قال هم سواء" ترجمہ: حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم نے سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور سودی کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ (مسلم، ص663، حدیث:4093)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

سودی قرض کی ضمانت دینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بینک سے قرضہ لینے والا، قرضے کے حصول کے لیے کسی ایک دکاندار کو بطور ضامن پیش کرتا ہے، تو سودی قرض لینے والے کی ضمانت دینا کیسا ہے، کیا ضمانت دینے والا بھی گناہ گار ہو گا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: ضمانت دینے والا بھی اس سودی معاہدے کا حصہ ہوتا ہے، اس کا نام اس معاہدے میں لکھا ہوتا ہے، جب تک ضمانت دینے والا نہ ہو، یہ معاہدہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ضمانت دینے والا بھی براہ راست اس معاہدے میں معاون و مددگار ہے اس بنیاد پر ضمانت دینے والا بھی گناہ گار ہو گا۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

بچوں کی لاٹریاں خریدنا بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ دکانوں پر بچوں کے لیے لاٹریاں ہوتی ہیں وہ خریدنا اور بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: خرید و فروخت کی ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ جو چیز خریدی جارہی ہے وہ معلوم ہو اس میں جہالت نہ ہو۔ بچوں کی لاٹری جو خریدی جاتی ہے اس میں یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اندر کیا ہے، بلکہ بعض اوقات تو خالی بھی نکل آتی ہے اور خریدنے والے کے پیسے ضائع ہو جاتے ہیں اسی طرح بعض اوقات کم قیمت چیز نکلتی ہے جس سے خریدار کو نقصان ہوتا ہے اور بعض اوقات لاٹری کی قیمت سے زیادہ کی چیز نکل آتی ہے۔ ایسی لاٹریاں دو حال سے خالی نہیں اگر ایسی ہیں کہ اس میں کوئی بالکل خالی بھی نکلتی ہے تو یہ واضح طور پر جوا ہے۔ اور اگر ایسی ہے کہ کوئی بھی خالی نہیں نکلتی لیکن اندر مختلف قیمت کی چیزیں ہوتی ہیں اور کوئی بھی نکل سکتی ہے تو یہ مجہول چیز کی خرید و فروخت اور بیع فاسد اور گناہ کا کام ہے۔

یہ کام گلی محلوں میں زیادہ ہوتا ہے اور بچے ہی عام طور پر اس طرح لاٹریاں خریدتے ہیں۔ اس سے دکاندار کو تو فائدہ پہنچ رہا ہوتا ہے لیکن جو بچے یہ خریدتے ہیں ان کا عموماً نقصان ہی ہوتا ہے اور جب کچھ نہیں نکلتا تو بچہ سوچتا ہے کہ آج نہیں نکلا تو کل کچھ نکل آئے گا، کل قسمت آزماؤں گا اس طرح وہ دوبارہ خریدتا ہے۔

دکانداروں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ ایسی چیزیں اپنی دکانوں پر نہ رکھیں کیونکہ بچے وہی چیز خریدیں گے جو دکان پر موجود ہو گی، اگر یہ لاٹری دکان پر موجود ہی نہ ہو تو بچے خریدیں گے بھی نہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ اس طرح کی لاٹریاں بیچ کر جو مال حاصل کریں گے، وہ جائز نہیں ہو گا بلکہ وہ مال حرام ہو گا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾

تَرجَمۂ کنزالایمان: اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ (پارہ2، سورۃ البقرہ، آیت188)

اس آیت کی تفسیر میں ہے: "اس آیت میں باطل طور پر کسی کا مال کھانا حرام فرمایا گیا خواہ لوٹ کر یا چھین کر چوری سے یا جوئے سے یا حرام تماشوں یا حرام کاموں یا حرام چیزوں کے بدلے یا رشوت یا جھوٹی گواہی یا چغل خوری سے یہ سب ممنوع و حرام ہے۔" (تفسیر خزائن العرفان)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اَحکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مَدَنی*

کمیٹی ڈالنا کیسا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کمیٹی ڈالنا جائز ہے یا ناجائز؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: عام طور پر کمیٹی اس طرح ڈالی جاتی ہے کہ ہر مہینے کچھ افراد مقررہ مقدار میں پیسے جمع کرواتے ہیں اور کسی ایک کا نام منتخب کر کے جمع شدہ پیسے اسے دے دیتے ہیں، یوں آگے پیچھے تمام افراد کو ایک ایک کر کے اپنے جمع کروائے ہوئے پیسے مل جاتے ہیں۔ اس انداز پر رہ کر یہ کمیٹی ڈالنا، جائز اور درست ہے۔ البتہ کچھ کمیٹیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں بولی لگائی جاتی ہے اور جو سب سے کم بولی لگاتا ہے بولی شدہ رقم اس کو دے دی جاتی ہے اور باقی جو رقم بچتی ہے وہ دیگر شرکاء میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ مثلاً کمیٹی کی جمع شدہ مجموعی رقم دو لاکھ روپے ہے اب اگر کسی نے سب سے کم بولی ایک لاکھ اسی ہزار روپے لگائی تو ان دو لاکھ روپے میں سے ایک لاکھ اسی ہزار روپے بولی لگانے والے کو مل جائیں گے اور بقیہ بیس ہزار روپے دیگر ممبران میں تقسیم کر دیئے جائیں گے لیکن کمیٹی لینے والے ممبر کو مجموعی طور پر دو لاکھ روپے ہی جمع کروانے پڑیں گے۔ یہ سود کی صورت ہے، ایسی کمیٹی ڈالنا حرام و گناہ ہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

میڈیکل کا لائسنس کرایہ پر دینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے پاس میڈیکل کا لائسنس ہے۔ کیا میں اس لائسنس کو کرائے پر دے سکتا ہوں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جی نہیں! لائسنس کو کرایہ پر دینا جائز نہیں کیونکہ فقہی طور پر لائسنس کرائے پر دینا، گھر کرائے پر دینے کی طرح نہیں، بلکہ یہ ایک حق (Right) ہے جسے کرائے پر دے کر آپ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور محض حق (Right) کو کرائے پر دینا جائز نہیں۔ اگر میڈیکل اسٹور کو چلانے کے قانونی تقاضے پورے ہوتے ہوں تو جواز کا راستہ یہ ہو سکتا ہے کہ دکان میں فرنیچر ڈلوا دے اور اس فرنیچر کا کرایہ وصول کرے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

میت کو غسل دینے کی اُجرت لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں میت کو غسل دینے کا کام کرتا ہوں اور اس کام کی اُجرت لیتا ہوں، کیا اس کام کی اُجرت لینا میرے لیے جائز ہے؟

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، کراچی

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اگر وہاں آپ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص موجود ہو جو میت کو نہلا سکتا ہے تو آپ کے لیے غسلِ میت کی اُجرت لینا جائز ہے لیکن اگر کوئی دوسرا موجود نہ ہو جو میت کو غسل دے سکتا ہو تو آپ پر میت کو غسل دینا واجب و متعین ہو گا، لہٰذا اس صورت میں آپ کے لئے غسلِ میت کی اجرت لینا جائز نہیں ہو گا۔ یہ یاد رہے کہ یہاں غسل دینے والے سے مراد پیشہ ور غاسل نہیں، نہ ہی یہاں دل نہ ماننے یا مرضی نہ ہونے یا پہلے کبھی غسل نہ دینے کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شخص غسل نہیں دے سکتا، بلکہ یہاں صحت مند اور عاقل شخص مراد ہے جو عملاً میت کو غسل دے سکتا ہے۔

فقہائے کرام نے تو یہاں تک لکھا کہ اگر میت کے پاس صرف عورتیں اور ایک چھوٹا بچہ ہو جو میت کو نہلا سکتا ہے تو اس بچے کو غسل کا طریقہ بتایا جائے گا تاکہ وہ میت کو غسل دے یعنی اس صورت میں بھی غسل دینا ساقط نہیں ہو گا۔ تو کسی کا یہ کہنا کہ میں نے کبھی غسل نہیں دیا میں کیسے دوں گا اس بات کو لازم نہیں کہ اس شخص کو غسل دینے کے لئے نااہل شمار کیا جائے۔

بہارِ شریعت میں ہے: ”جنازہ اٹھانے یا میت کو نہلانے کی اجرت دینا وہاں جائز ہے جب ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اس کام کے کرنے والے ہوں اور اگر اس کے سوا کوئی نہ ہو تو اُجرت پر یہ کام نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ شخص اس صورت میں اس کام کے لیے متعین ہے۔“ (بہارِ شریعت، 3/149)

اسی میں ہے: ”چھوٹا لڑکا اس قابل ہو کہ نہلا سکے تو اسے بتائے اور وہ نہلائے۔“ (بہارِ شریعت، 1/814)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

خرید و فروخت میں تول کر یا گن کر بیچنے کا معیار کیا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض چیزیں مختلف علاقوں میں مختلف انداز سے بیچی جاتی ہیں جیسے کیلا اور مالٹا بعض جگہوں پر درجن کے حساب سے یعنی گن کر بکتے ہیں جبکہ بعض جگہ وزن سے بکتے ہیں۔ اس بارے میں شریعتِ مطہرہ کیا فرماتی ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: شریعتِ مطہرہ نے فریقین کو اس بات کا اختیار دیا ہے کہ جس چیز کی خرید و فروخت ہو رہی ہے اس کا وہ کوئی بھی پیمانہ مقرر کر سکتے ہیں۔ لہٰذا مالٹا، کیلا گن کر بھی بیچا جا سکتا ہے اور تول کر بھی۔ پھر وزن کے مختلف پیمانے ہوتے ہیں سیر، کلو گز، میٹر، لیٹر ہر چیز کی کیفیت کے اعتبار سے فریقین کسی ایک واضح پیمانہ پر اتفاق کریں تو درست ہے بلکہ اگر بوری میں بھر کر فی بوری کے حساب سے بیچنا چاہتے ہیں کہ فی بوری اتنی قیمت ہے تو بھی جائز ہے اور اگر کسی ڈبے یا برتن کو مقرر کر کے بیچتے ہیں کہ فی ڈبہ یا فی برتن اتنی قیمت ہے تو بھی جائز ہے۔ ہاں پیمانہ ایسا ہو کہ جس میں جہالت نہ ہو مثلاً کسی برتن کو پیمانہ بنایا ہو تو وہ برتن دکھا دیا جائے کہ اس کے حساب سے مال ملے گا یا پھر اس برتن کا مکمل وصف بیان کر دیا جائے کہ اس میں اتنے کلو مال آتا ہے وغیر ذٰلک۔

لہٰذا جب پہلے سے دونوں کو معلوم ہے کہ پیمانے کا معیار کیا ہو گا اور چیز تول کر بیچی جائے گی یا گن کر، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی لکھتے ہیں: ”گیہوں، جَو اگرچہ کیلی (ماپ سے بکنے والی چیزیں) ہیں مگر سَلَم میں ان کی مقدار وزن سے مقرر ہوئی مثلاً اتنے روپے کے اتنے من گیہوں یہ جائز ہے کیونکہ یہاں اس طرح مقدار کا تعیّن ہو جانا ضروری ہے کہ نزاع باقی نہ رہے اور وزن میں یہ بات حاصل ہے۔۔۔ جو چیزیں عددی ہیں اگر سَلَم میں ناپ یا وزن کے ساتھ ان کی مقدار کا تعین ہوا تو کوئی حرج نہیں۔ (بہارِ شریعت، 2/799)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مَدَنی*

اذانِ جمعہ کے بعد چیز بیچنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا جمعہ کی نماز پڑھ کر اس دکاندار سے خریدنا کیسا جس نے ابھی جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جبکہ اس مسجد میں اذان بھی ہو چکی ہے جس میں دکاندار جمعہ پڑھے گا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اگرچہ خریدار خود جمعہ پڑھ چکا ہے لیکن پوچھی گئی صورت میں اس دکاندار کا چونکہ مال بیچنا جائز نہیں اور جمعہ کی سعی کرنا اس پر واجب ہو چکا ہے لہٰذا اس سے خریداری کرنا اس کو گناہ کے کام میں مدد دینا ہے اور ایسا کرنا جائز نہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

پراڈکٹ کے ساتھ آنے والا انعام دکاندار کا خود رکھ لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض اوقات کمپنی کی طرف سے مختلف پراڈکٹس پر کوئی ایکسٹرا چیز مثلاً کیچپ، جیم یا کسٹرڈ وغیرہ کا ساشہ لگا ہوتا ہے جو کمپنی بطورِ اسکیم گاہک کو دینے کے لئے لگاتی ہے تو ہم وہ ساشے اتار کر علیحدہ سے اپنی دکان پر بیچتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا ہمارے لئے جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: خرید وفروخت کے بنیادی اصولوں میں سے ہے کہ جب ایک آدمی کوئی چیز خرید لیتا ہے تو وہ اس چیز کا مالک بن جاتا ہے اور اس میں اپنی مرضی سے کوئی بھی جائز تصرف کر سکتا ہے اس پر وہ بیچنے والے کو جوابدہ نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے کوئی مکان خریدا اور مکان اس کے نام ٹرانسفر ہو گیا تو اب بیچنے والا اسے اس بات کا پابند نہیں کر سکتا کہ یہ مکان میرے فلاں رشتہ دار کو ہی کرایہ پر دو یا جب بیچنا ہو تو مجھے ہی بیچنا، کیونکہ جب خرید وفروخت مکمل ہو گئی تو دونوں لاتعلق ہو گئے اب خریدار پر اس طرح کے کوئی حقوق عائد نہیں ہوں گے۔

اس اصول کی روشنی میں دیکھیں تو حکم واضح ہو جاتا ہے کہ دکاندار کے پاس کوئی پراڈکٹ آتی ہے جس کے ساتھ انعام بھی جڑا ہوا ہے تو جب دکاندار نے یہ پراڈکٹ خرید لی تو انعام اس خریداری ہی میں شامل ایک چیز ہے اور خریدنے والے دکاندار کی ملکیت میں وہ چیز آجائے گی اب اس پر لازم نہیں کہ جو گاہک اس سے وہ چیز خریدے اسے انعام بھی ساتھ دے۔ اگر وہ انعام اپنے گاہک کو نہیں دیتا تو کسی شرعی جرم کا مرتکب قرار نہیں پائے گا۔ لیکن کاروباری اخلاقیات کی رُو سے دیکھا جائے تو یہاں مارکیٹنگ ٹولز ہوتے ہیں جن کو فالو کرنے میں دکاندار ہی کا فائدہ ہے کیونکہ جب کمپنی کوئی انعامی اسکیم لانچ کرتی ہے تو اس کی بھرپور تشہیر کرتی ہے تاکہ وہ گاہک جو کسی اور کمپنی کی چیز خرید رہا ہے انعامی اسکیم کی وجہ سے ہماری کمپنی کی طرف راغب ہو اور کمپنی کی سیل میں اضافہ ہو۔ اب اگر

* دارالافتاء اہلِ سنّت نورالعرفان، کھارادر، کراچی

دکاندار وہ انعام گاہک کو نہ دے تو کمپنی کی سیل میں اضافہ نہیں ہو گا اور وہ چیز کم بِکے گی تو دکاندار کو نفع بھی کم ہو گا۔ لیکن اگر وہ اسکیم کے مطابق انعام بھی گاہک کو ساتھ دے تو نہ صرف کمپنی کی سیل میں اضافہ ہو گا بلکہ خود دکاندار کو بھی اس کا فائدہ ہو گا کہ اس کی بھی آمدنی بڑھے گی نیز کمپنی کا وہ اسکیم لانچ کرنے کا مقصد بھی پورا ہو گا۔ لہٰذا کاروباری اخلاقیات کا تقاضا یہ ہے کہ کمپنی کی طرف سے جو چیز جس حالت میں آرہی ہے اسی حالت میں گاہک کو دی جائے اسی میں کاروباری فائدہ بھی ہے۔

نوٹ: اس جواب میں اصل چیز کے ساتھ شامل چیز کو عرفاً انعام کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے لیکن فقہی حقیقت کے تعلق سے یہ بھی مبیع ہی کا حصہ ہے لہٰذا جب یہ پتا ہو کہ فلاں فلاں چیز اتنے میں ہے تو مجموعی طور پر دونوں کا خریدنا ہی مقصود ہو گا اور جب انعام والی چیز شامل نہ ہو تو مبیع ایک ہی چیز پر مشتمل ہو گی۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کیا کمیشن کا کام غلط ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کمیشن کا لفظ تو عام طور پر رشوت کے لین دین میں استعمال ہوتا ہے کیا اس کی حلال صورت بھی ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: ایک لفظ کئی مواقع پر استعمال ہوتا ہو تو ہر جگہ اس کا جو معنٰی بنتا ہے وہ سامنے رکھنا ضروری ہے جیسا کہ لفظِ حرام، ولدِ حرام (ناجائز بچے) کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور مسجدِ حرام کے لئے بھی لیکن موقع اور پسِ منظر متعین کرتا ہے کہ یہاں کیا مراد ہے۔ کمیشن یا بروکری وہ ذریعۂ آمدنی ہے جس میں اپنی محنت کے ذریعے ایک سروس دی جاتی ہے اور شرعی ضابطے پورے کرتے ہوئے اس ذریعے سے روزی کمانا حلال ہے اور یہ طریقۂ آمدنی صدیوں سے رائج ہے اور کسی دور میں بھی علماء نے اس کو حرام نہیں کہا۔ البتہ رشوت کو کمیشن کہنے سے رشوت حلال نہیں ہو گی بلکہ وہ حرام ہی رہے گی۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

چائے کی پتی کو چمڑے کے رنگ سے رنگنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا چائے کی پتی کا کاروبار ہے، ہم چائے کی پتی کو چمڑا رنگنے کے رنگ سے رنگ کر ہول سیلر اور ریٹیلر افراد کو بیچتے ہیں۔ ہمیں متعلّقہ شعبہ افسران کو بسا اوقات رشوت بھی دینی پڑتی ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا طریقے کے مطابق کارخانہ چلانا اور چائے کی پتی کی خرید و فروخت کرنا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: آپ کا پتی کو چمڑے کا رنگ کرنا شرعاً جائز نہیں۔ کیوں کہ اس میں دھوکا دہی اور مسلمان کو ضَرر پہنچانے کا معاملہ موجود ہے نیز ایسا کرنا قانونی طور پر جُرم ہے۔ ناحق بات کے لئے رشوت دینا حرام ہے دھوکا دہی اور رشوت دینے کے معاملہ پر سچّی توبہ کریں۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

گوبر اور پاخانہ کو بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گوبر اور پاخانہ کی خرید و فروخت کرنا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: گوبر کی بیع کرنا صحیح ہے۔ البتہ انسان کے پاخانہ کی بیع کرنا جائز نہیں ہاں اگر اس میں مٹی یا راکھ مل کر غالب ہو جائے تو اس کی بیع بھی جائز ہے۔ صدرُ الشریعہ علیہ الرَّحمہ ارشاد فرماتے ہیں: ”انسان کے پاخانہ کا بیع کرنا ممنوع ہے، گوبر کا بیچنا ممنوع نہیں۔ انسان کے پاخانہ میں مٹی یا راکھ مل کر غالب ہو جائے، جیسے کھات (کھاد) میں مٹی کا غلبہ ہو جاتا ہے تو بیع بھی جائز ہے اور اس کو کام میں لانا مثلاً کھیت میں ڈالنا بھی جائز ہے۔“

(بہارِ شریعت، 3/478)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اَحکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مَدَنی*

فٹ پاتھ یا روڈ پر پتھارے یا دکان لگانا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض لوگ روڈ پر یا فٹ پاتھ پر دکان یا پتھارے لگا لیتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جواب: روڈوں پر دکانیں لگانا، اسی طرح فٹ پاتھ پر پتھارے لگالینا عام لوگوں کے لئے ایذاء کا باعث بنتا ہے کیونکہ ان دکانوں اور پتھاروں کی وجہ سے روڈ پر گاڑیاں پارک کرنے کی جگہ نہیں رہتی، فٹ پاتھ پر لوگوں کے لئے چلنے کی جگہ نہیں رہتی جس سے لوگوں کو ایذاء پہنچتی ہے اور اس طرح روڈ پر تجارت کرنا کہ لوگوں کو اذیت ہو، یہ جائز نہیں، بلکہ علمائے کرام نے ایسے لوگوں سے خریداری کرنے سے بھی منع فرمایا ہے کہ جب لوگ خریدیں گے ہی نہیں تو وہ وہاں سے دکان اور پتھارا ہٹانے پر مجبور ہوں گے۔

صدر الشریعہ، بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرَّحمہ لکھتے ہیں: ”جو شخص راستہ پر خرید و فروخت کرتا ہے اگر راستہ کشادہ ہے کہ اس کے بیٹھنے سے راہ گیروں پر تنگی نہیں ہوتی تو حرج نہیں اور اگر گزرنے والوں کو اس کی وجہ سے تکلیف ہو جائے تو اُس سے سودا خریدنا نہ چاہیے کہ گناہ پر مدد دینا ہے کیونکہ جب کوئی خریدے گا نہیں تو وہ بیٹھے گا کیوں۔

(بہارِ شریعت، 2/726)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

مسجد میں R.O پلانٹ لگا کر اس کی آمدنی مسجد میں لگانا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسجد میں ایک کمپنی نے R.O پلانٹ لگایا اور کہا کہ اس مسجد کے کنویں کے پانی کو صاف کر کے بیچیں اور اس کی آمدنی مسجد میں ہی لگائیں۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جواب: جی نہیں! ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں۔ مسجد کی جگہ، اس کی موٹر وغیرہ دیگر چیزیں مسجد کے کاموں کے لئے ہی وقف ہوتی ہیں انہیں کسی اور مقصد کے لئے استعمال کرنا وقف کا خلافِ مصرف استعمال ہے اور وقف کا خلافِ مصرف استعمال جائز نہیں۔

R.O پلانٹ کا مسجد سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ مسجد یا نمازیوں کی ضرورت کے لئے نہیں لگایا جاتا بلکہ محلے والوں کے لئے لگایا جاتا ہے جو کہ ایک فلاحی کام ہے اور مساجد فلاحی کاموں کے لئے نہیں۔ لہٰذا R.O پلانٹ مسجد میں نہیں لگا سکتے۔

جہاں تک کنویں کے پانی کی بات ہے تو کنویں کا پانی اگرچہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا لیکن جب وہ پانی کنویں سے نکال کر

* دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر، کراچی

مسجد کی ٹنکی میں ڈال دیا جائے تو وہ مسجد کی ملکیت ہو جاتا ہے لہٰذا اس پانی کو مسجد کے نمازی ہی استعمال کر سکتے ہیں اس پانی کو بیچنا ہرگز جائز نہیں چاہے آمدنی مسجد میں ہی کیوں نہ لگائی جائے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرَّحمہ فرماتے ہیں: "جو زمین متعلق مسجد ہے وہ مسجد ہی کے کام لائی جاسکتی ہے اور اس کے بھی اسی کام میں جس کے لئے واقف نے وقف کی، وقف کو اس کے مقصد سے بدلنا جائز نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، 16/547)

بہارِ شریعت میں ہے: "مسجد کے ڈول رسی سے اپنے گھر کے لئے پانی یا کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بے موقع اور بے محل استعمال کرنا، ناجائز ہے۔" (بہارِ شریعت، 2/562)

فتاویٰ خلیلیہ میں مسجد کے پانی، بجلی یا کوئی اور چیز عام استعمال کرنے کے بارے میں سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا: "مسجد کی اشیاء صرف مسجد میں استعمال ہو سکتی ہیں۔ مسجد کے علاوہ کسی دوسری غرض میں استعمال نہیں کر سکتے۔" (فتاویٰ خلیلیہ، 2/579)

اسی میں ہے: "سرکاری نل سے آنے والا پانی اگر مسجد کی ٹنکی میں آچکا تو مسجد کی ملک ہو گیا اسے اب گھریلو استعمال میں لانا جائز نہیں۔" (فتاویٰ خلیلیہ، 3/538)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

دکاندار کا راہِ خدا کے لئے الگ کی ہوئی رقم استعمال کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری دودھ دہی کی دکان ہے میں روزانہ مسجد کے نام پر کچھ پیسے نکال کر الگ کر لیتا ہوں۔ اگر کبھی ضرورت پڑے تو کیا میں اس رقم کو اپنے استعمال میں لا سکتا ہوں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: مسجد میں دینے کی نیت سے رقم الگ کر لینے سے وہ رقم آپ کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتی بلکہ جب تک وہ رقم مسجد میں نہ دے دی جائے آپ کی ملکیت میں ہی رہتی ہے لہٰذا اگر وہ رقم آپ نے کسی اور کام میں خرچ کر دی تو گناہ نہیں۔ بعد میں اتنی ہی رقم مسجد میں دے دیں تو اچھی بات ہے اگر نہ دیں تب بھی کوئی گناہ نہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ جب نیکی کا ارادہ کیا ہے تو اس ارادے کو عملی جامہ پہنائیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرَّحمہ سے سوال ہوا کہ "ایک شخص نے وقت شروع کرنے روزگار کے، یہ خیال کر لیا کہ مجھ کو جو نفع ہوگا اس میں سولہواں حصہ واسطے اللہ کے نکالوں گا" اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت علیہ الرَّحمہ لکھتے ہیں: "صرف خیال کر لینے سے وجوب تو نہیں ہوتا جب تک زبان سے نذر نہ کرے، ہاں جو نیت اللہ عزوجل کے لئے کی اس کا پورا کرنا ہی چاہیے۔"

(فتاویٰ رضویہ، 13/594)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

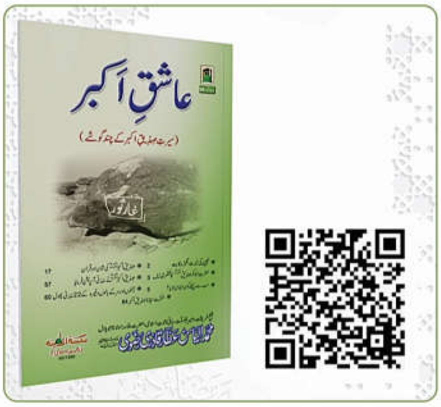

جمادی الاُخریٰ اور رجب المرجب کی مناسبت سے مکتبۃ المدینہ (دعوتِ اسلامی) کی اہم کتب اس ویب سائٹ www.dawateislami.net یا QR-Code کے ذریعے ڈاؤنلوڈ کیجئے۔

اَحکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی*

فری لانسنگ ویب سائٹ کے ذریعے کام لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فری لانسنگ کے ذریعے لوگ ہمیں ہائر کرتے ہیں اور کوئی پروجیکٹ دیتے ہیں، پروجیکٹ کی رقم بھی فکس طے ہو جاتی ہے اور پروجیکٹ مکمل کرکے دینا ہوتا ہے تو فری لانسنگ ویب سائٹ اپنا کمیشن رکھنے کے بعد ہمیں اس کی پیمنٹ کر دیتی ہے۔ ایسا کرنا کیسا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: ہمارے عرف میں ڈیجیٹل پلیٹ فارم کے پیچھے انسان ہی موجود ہوتے ہیں اور انسانوں کی محنت کے ذریعے ہی دو فریق آپس میں مل رہے ہوتے ہیں ڈیجیٹل پلیٹ فارم جو دو پارٹیوں کو آپس میں ملواتے ہیں ان کا اس پر کمیشن لینا جائز ہے جبکہ وہ کام بھی جائز ہو۔

جیسے کسی کمپنی میں ملازمت کرتے ہیں اور وہاں آپ کوئی پروجیکٹ بنائیں یا اپنے طور پر کہیں سے کوئی کام پکڑ کر گھر بیٹھ کر پروجیکٹ بنائیں یا آپ کی اپنی کمپنی ہو اور آپ کوئی پروجیکٹ بنائیں، ان تینوں صورتوں میں دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ پروجیکٹ شریعت کے مطابق درست ہے کوئی خلافِ شرع بات نہیں پائی جاتی اور کسی گناہ کے کام میں معاونت کا سبب نہیں بنے گا تو یہ کام جائز ہے اور اس کی اجرت بھی لی جاسکتی ہے۔ اجرت کے تعلق سے یہ ایک جنرل اور عمومی اصول ہے کہ اس میں کوئی ابہام نہ ہو، اس کا معیار کیا ہے یومیہ بنیاد پر ہے یا گھنٹے کی بنیاد پر ہے یا کام کی بنیاد پر ہے یہ چیز بھی واضح طور پر طے ہونا ضروری ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

خریداری کا وکیل اپنا نفع نہیں رکھ سکتا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی جاننے والے نے کوئی چیز منگوائی تو کیا لانے والا اپنا پرافٹ رکھ سکتا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جہاں کاروبار ہو وہاں تو یہ بات معہود (Understood) ہوتی ہے کہ اس کا کاروبار ہے تو یہ مارکیٹ سے چیز لائے گا اور اپنا نفع رکھ کر ہمیں بیچے گا۔ اس صورت میں بھی یہ ایک وعدہ ہوتا ہے پھر چیز آنے پر ریٹ طے ہو کر سودا ہوتا ہے۔ جب وعدہ کی صورت ہے تو دکاندار کو بھی یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اگر سامنے والا چاہے تو نہ خریدے لہٰذا اس پر جبر نہیں کیا جاسکتا ایسے موقع پر خریدو فروخت کے تمام تقاضے بھی پورے کرنا ضروری ہیں۔ لیکن بعض اوقات ایسا نہیں ہوتا بلکہ ویسے ہی جان پہچان کی وجہ سے کوئی شخص یہ کہہ دیتا ہے کہ فلاں جگہ جارہے ہو تو میری بھی یہ چیز لے آنا تو یہاں دراصل چیز منگوانے والے نے اس کو اپنا وکیل بنایا ہے اور وکیل کی یہ ذمّہ داری ہے کہ جتنے کی چیز خرید کر لایا ہے اتنی قیمت ہی بتائے، اس پر وہ اپنا نفع نہیں رکھ سکتا۔

*محقق اہلِ سنّت، دار الافتا اہلِ سنّت نورالعرفان، کھارادر کراچی

یہ دوسری صورت جو بیان ہوئی اس معاملہ میں خاص احتیاط کی ضرورت ہے، اس صورت میں اضافی رقم نہیں رکھی جاسکتی۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کسٹمر آرڈر دے کر واپس نہ آئے تو کیا کریں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کسٹمر فرنیچر پسند کرکے آرڈر دے دیتا ہے لیکن کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ وہ آرڈر دینے کے بعد واپس ہی نہیں آتا۔ اس کا سامان ہم تیار کر دیتے ہیں اور گوداموں میں ہمارے پاس رکھا ہوتا ہے جو گودام میں جگہ بھی گھیرتا ہے اور اس پر ہمارا کرایہ بھی لگتا ہے، کیا ہم یہ فرنیچر کسی اور کو بیچ سکتے ہیں؟ واضح رہے کہ جو بیعانہ وہ دے کر جاتا ہے اس سے زیادہ ہم اس پر رقم خرچ کر چکے ہوتے ہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: چیزیں جو بنوائی جاتی ہیں عموماً دو طرح کی ہوتی ہیں: ایک تو وہ چیز ہوتی ہے جو کسٹمر کی ملکیت ہوتی ہے اور وہ بنوانے کے لئے دے جاتا ہے جیسے کسی کا فریج خراب ہوگیا اور وہ ٹھیک کرنے کے لئے دیا لیکن پھر واپس لینے نہیں آیا تو وہ فریج اسی کا ہے اسی طرح کمپیوٹر بنانے والوں کے پاس جو کمپیوٹر ٹھیک ہونے آتے ہیں ان کے مالک بعض اوقات واپس لینے نہیں آتے اس طرح وہ جمع ہوجاتے ہیں۔ یہ چیزیں انہی کی ہیں انہیں بیچا نہیں جاسکتا۔

جبکہ آپ کی بیان کردہ صورت اس سے مختلف ہے کیونکہ یہاں آرڈر پر سامان بنوایا جارہا ہے جسے فقہ کی اصطلاح میں استصناع کہتے ہیں اور یہ عام خرید و فروخت نہیں بلکہ عام خرید و فروخت اور استصناع میں فرق ہوتا ہے۔ عام خرید و فروخت کے لئے ضروری ہے کہ جو چیز بیچ رہے ہیں وہ چیز آپ کے پاس ہو لیکن جو چیز آرڈر لے کر بنا کر دیں گے اس میں میکنگ (Making) کا عمل پایا جائے گا لہٰذا وہاں آپ کے پاس اس چیز کا ہونا ضروری نہیں۔ آپ آرڈر لے لیں اگر بیعانہ بنتا ہے تو بیعانہ لے لیں اب آپ وہ چیز تیار کرکے دینے کے پابند ہیں لیکن جب تک تیار کرکے پارٹی کو نہیں دیں گے اس وقت تک کسی متعین چیز میں پارٹی کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی بلکہ یہ ابھی آپ ہی کی ملکیت ہے لہٰذا اگر آپ اس کو بیچ دیتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ جب وہ پارٹی آئے گی تو آپ کو اس کا آرڈر پورا کرکے دینا ہوگا کیونکہ اس کا ذمہ آپ کے اوپر ہے۔

بہارِ شریعت میں ہے: ”جو چیز فرمائش کی بنائی گئی وہ بنوانے والے کے لیے متعین نہیں جب وہ پسند کرلے تو اُس کی ہوگی اور اگر کاریگر نے اُس کے دکھانے سے پہلے ہی بیچ ڈالی تو بیع صحیح ہے۔“ (بہارِ شریعت، 2/808)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

تبرکاتِ نبویہ سے سیّدنا امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت اور اہلِ خانہ کو وصیت

مکتبۃُ المدینہ کی مطبوعہ کتاب ”فیضانِ امیر معاویہ“ صفحہ 242 پر ہے: حضرت سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مرضُ الموت میں ارشاد فرمایا: میں رسولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو وُضو کراتا تھا۔ ایک روز آپ علیہ السّلام نے مجھ سے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں قمیص نہ پہناؤں؟ میں نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیوں نہیں۔ تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے جسمِ اطہر سے قمیص اتاری اور مجھے پہنادی۔ میں نے اسے سنبھال کر رکھ لیا اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے ناخن تراشے تو میں نے وہ تراشے ہوئے ناخن لے لئے اور ایک شیشی میں رکھ لئے، تو جب میرا انتقال ہوجائے تو رسولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی اسی قمیص کو میرے بدن کے ساتھ ملا دینا اور ان ناخنوں کو باریک کرکے میری آنکھوں میں ڈال دینا، ممکن ہے اللہ ان تبرکات کے سبب مجھ پر رحم فرمائے۔

(تاریخ ابن عساکر، 59/227، الکامل فی التاریخ، 3/369، طبقات ابن سعد، 6/30)

حضرت سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مبارک سیرت تفصیل سے پڑھنے کے لئے یہ کتاب آج ہی مکتبۃُ المدینہ سے خریدیئے یا گھر پر منگوانے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کیجئے: +923131139278 دعوتِ اسلامی کی ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ بھی کرسکتے ہیں۔

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

تصویر والالباس بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل کپڑوں پر انسان یا جانور کی تصاویر بنی ہوتی ہیں۔ یہ ارشاد فرمائیں کہ ایسالباس پہننا یا بچّوں کو پہنانا کیسا ہے؟ نیز ایسے کپڑے بیچنے کا کیا حکم ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اگر کپڑوں پر بنی ہوئی جاندار کی تصویر اتنی بڑی ہے کہ زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھیں تو چہرہ واضح ہو تو ایسالباس پہننا یا بچوں کو پہنانا، جائز نہیں۔ نیز ایسالباس بیچنا بھی ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی طرح اس کا چہرہ مٹادیا جائے تو پھر اس کا پہننا، بچوں کو پہنانا اور بیچنا بھی جائز ہو گا۔

اسی طرح کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ”کسی جاندار کی تصویر جس میں اس کا چہرہ موجود ہو اور اتنی بڑی ہو کہ زمین پر رکھ کر کھڑے سے دیکھیں تو اعضاء کی تفصیل ظاہر ہو، اس طرح کی تصویر جس کپڑے پر ہو اس کا پہننا، پہنانا یا بیچنا، خیرات کرنا سب ناجائز ہے اور اسے پہن کر نماز مکروہِ تحریمی ہے جس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔۔۔ ایسے کپڑے پر سے تصویر مٹادی جائے یا اس کا سر یا چہرہ بالکل محو کر دیا جائے، اس کے بعد اس کا پہننا، پہنانا، بیچنا، خیرات کرنا، اس سے نماز، سب جائز ہو جائے گا۔ اگر وہ ایسے پکے رنگ کی ہو کہ مٹ نہ سکے دھل نہ سکے تو ایسے ہی پکے رنگ کی سیاہی اس کے سر یا چہرے پر اس طرح لگادی جائے کہ تصویر کا اتنا عضو محو ہو جائے صرف یہ نہ ہو کہ اتنے عضو کا رنگ سیاہ معلوم ہو کہ یہ محو ومنافی صورت نہ ہو گا۔“

(فتاویٰ رضویہ، 24/567)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

شہد کی مکھیوں کی خرید و فروخت کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ شہد کی مکھیوں کی خرید و فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: شہد کی مکھی کی خرید و فروخت جائز ہے، محررِ مذہب حنفی امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک شہد کی مکھی کا بیچنا جائز ہے۔ علمائے احناف نے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”وقال محمد رحمہ اللہ تعالی یجوز إذا كان مجموعا كذا في الحاوي بيع النحل يجوز عند محمد رحمه الله تعالى وعليه الفتوى كذا في الغياثية“ یعنی شہد کی مکھی

*محقق اہلِ سنّت، دار الافتاء اہلِ سنّت نورالعرفان، کھارادر کراچی

کی خرید و فروخت کے متعلق امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب ان کو جمع کر لیا جائے تو جائز ہے اسی طرح حاوی میں ہے کہ شہد کی مکھی کی خرید و فروخت جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے غیاثیہ میں یونہی ہے۔(فتاویٰ ھندیہ،3/114)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کاریگروں کا گھروں میں کام کرتے ہوئے پرانا سامان خود رکھ لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں ایک پلمبر ہوں ہم گھروں میں کام کرتے ہیں اور بعض اوقات پرانی چیزیں اتار کر نئی لگاتے ہیں۔ کیا ہم یہ پرانی چیزیں جو اتاری ہیں وہ خود رکھ سکتے ہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جو چیز مالک اپنی مرضی سے آپ کو دے دے وہی آپ لے سکتے ہیں۔ مالک کی اجازت کے بغیر خود سے کوئی چیز لے جانا، جائز نہیں۔ البتہ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کے پھینک دینے کا عرف ہوتا ہے ایسی چیزوں کا حکم الگ ہے مگر احتیاط اسی میں ہے کہ کسی چیز کے بارے میں آپ کا خیال یہ ہے کہ یہ پھینکی جائے گی تب بھی مالک سے پوچھ لیا جائے۔ جب تک چیز مالک کے گھر میں موجود ہے کچرے میں پھینکی گئی چیز کے حکم میں نہیں آسکتی۔ اور چھوٹی سے چھوٹی چیز کے متعلق بھی قوی شبہات برقرار ہوں گے کہ ممکن ہے مالک نے اسے کسی استعمال میں لینا ہو یا یہ کہ وہ اس بات پر رضامند نہ ہو کہ کوئی اس کی چیز اٹھا کر لے جائے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اُدھار مال کی خرید و فروخت کرکے قیمت کا ادلا بدلا کرنا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کا کپڑے کا ہول سیل کا کاروبار ہے۔ زید نے 50,000 روپے کا کپڑا بکر سے اُدھار خریدا، اس کے بعد بکر کو بھی زید سے کچھ خریدنے کی ضرورت پیش آئی اور بکر نے 35,000 روپے کا کپڑا زید سے اُدھار خریدا۔ یہ دونوں سودے الگ الگ مال پر ہوئے جب ادائیگی کرنے کا وقت آیا تو زید نے 50,000 روپے میں سے 35,000 روپے منہا کرکے باقی 15,000 روپے بکر کو ادا کر دیئے۔ کیا ایسا کرنا، جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جی ہاں! پوچھی گئی صورت کے مطابق رقم کی ادائیگی کرنا، جائز ہے۔ ادائیگی کے اس طریقہ کار کو اصطلاحِ شرع میں "مُقَاصَّہ" (Replacement/Clearness) کہتے ہیں۔ منع کی کوئی وجہ نہ پائی جاتی ہو تو بہت ساری ایسی جگہیں ہیں جہاں مقاصہ سے کام لینا جائز ہے۔

چنانچہ صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی لکھتے ہیں: "ایک شخص کے دوسرے پر پندرہ روپے ہیں مدیون نے دائن کے ہاتھ ایک اشرفی پندرہ روپے میں بیچی اور اشرفی دیدی اور اس کے ثمن و دین میں مُقَاصَّہ کرلیا یعنی ادلا بدلا کرلیا کہ یہ پندرہ ثمن کے ان پندرہ کے مقابل میں ہوگئے جو میرے ذمّے باقی تھے ایسا کرنا صحیح ہے۔" (بہارِ شریعت،2/828)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

جواب دیجئے!

"ماہنامہ فیضانِ مدینہ فروری 2021ء" کے سلسلہ "جواب دیجئے" میں بذریعہ قرعہ اندازی ان تین خوش نصیبوں کے نام نکلے: 1 محمد ساجد (گوجرانوالہ) 2 عبدُ الجبار (لاڑکانہ) 3 محمد حنظلہ عطّاری (کراچی)۔ انہیں مَدَنی چیک روانہ کر دیئے گئے ہیں۔ **درست جوابات:** 1 120 سال 2 خرچ میں میانہ روی آدھی زندگی ہے۔ **درست جوابات بھیجنے والوں کے 12 منتخب نام:** محمد عرفان صادق (کراچی) بنتِ محمد عارف (کراچی) بنتِ محمد بشیر (راولپنڈی) ناصر سعید (مظفر گڑھ) بنتِ الطاف (لاہور) بنتِ احمد عطّاریہ (نارووال) مزمل علی عطّاری (عارف والا) بنتِ سلیم (اوکاڑہ) شبیر رضا عطّاری (بہاولنگر) محمد بشیر عطّاری (پاکپتن) بنتِ محمد افضل (وہاڑی) بنتِ مختار (گجرات)۔

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی*

ناپاک دودھ یا تیل بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہماری دودھ کی دکان ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دودھ میں کوئی ناپاک چیز گر جاتی ہے اور دودھ ناپاک ہو جاتا ہے۔ یہ ارشاد فرمائیں کہ وہ ناپاک دودھ گاہک کو بیچنا کیسا ہے؟ یہ مسئلہ بسا اوقات پرچون والوں کو بھی پیش آتا ہے کہ ان کے تیل وغیرہ میں بھی چوہا مر جاتا ہے لہٰذا دونوں کے متعلق بیان فرمادیں۔

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں ناپاک دودھ یا ناپاک تیل بیچنا جائز نہیں کیونکہ عموماً لوگ کھانے پینے میں استعمال کرنے کے لئے ہی دودھ یا تیل خریدتے ہیں نیز دودھ یا تیل کا ناپاک ہونا عیب ہے اور عیب دار چیز عیب بتائے بغیر بیچنا جائز نہیں۔ ہاں اگر خریدار کو اس کا ناپاک ہونا بتا کر بیچیں تاکہ خریدار ناپاک دودھ یا تیل کو جائز طریقے سے استعمال کرے تو پھر بیچنا، جائز ہے۔

حضرت سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "المسلم اخو المسلم ولا يحل لمسلم باع من اخيه بيعا فيه عيب الا بينه له" یعنی مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو عیب دار چیز کا عیب بتائے بغیر بیچے، ہاں عیب بتا کر بیچنا جائز ہے۔ (ابن ماجہ، ص162)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: "تیل ناپاک ہو گیا اس کی بیع جائز ہے اور کھانے کے علاوہ اس کو دوسرے کام میں لانا بھی جائز ہے، مگر یہ ضرور ہے کہ مشتری کو اس کے نجس ہونے کی اطلاع دے دے تاکہ وہ کھانے کے کام میں نہ لائے اور یہ بھی وجہ ہے کہ نجاست عیب ہے اور عیب پر مطلع کرنا ضرور ہے۔" (بہارِ شریعت، 2/707)

ایک مقام پر لکھتے ہیں: "مبیع میں عیب ہو تو اس کا ظاہر کر دینا بائع پر واجب ہے، چھپانا حرام و گناہِ کبیرہ ہے۔"

(بہارِ شریعت، 2/673)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہ وسلَّم

چوہے خریدنا اور پالنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ سفید رنگ کے چوہے پالتے ہیں اور انہیں پالنے کے لیے خریدتے بیچتے بھی ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: چوہے کو پالنا مکروہ ہے کیونکہ یہ موذی اور فاسق جانور ہے جس سے سوائے ایذا کے کچھ حاصل نہیں ہو گا، حدیثِ پاک میں چوہوں کو مارنے کا حکم دیا گیا ہے اور پالنا اس کے خلاف ہے۔ نیز چوہے کو خریدنا بیچنا بھی جائز نہیں چاہے وہ کسی بھی رنگ کا ہو کیونکہ چوہا حشرات الارض میں سے ہے اور حشرات الارض کی بیع ناجائز ہے۔

حدیثِ پاک میں: "خمس فواسق، يقتلن في الحل والحرم: الحية، والغراب الأبقع، والفأرة، والكلب العقور، والحدأة" ترجمہ: پانچ جانور فاسق ہیں، ان کو حل اور حرم میں

*محقق اہل سنّت، دار الافتاء اہل سنّت نورالعرفان، کھارادر کراچی

قتل کیا جائے، سانپ، کوا، چوہا، کٹکھنا (بہت زیادہ کاٹنے والا، پاگل) کتا، اور چیل۔ (ابن ماجہ، ص223)

بہارِ شریعت میں ہے: ”مچھلی کے سوا پانی کے تمام جانور مینڈک، کیکڑا وغیرہ اور حشرات الارض چوہا، چھچھوندر، گھونس، چھپکلی، گرگٹ، گوہ، بچھو، چیونٹی کی بیع ناجائز ہے۔“

(بہارِ شریعت، 2/810)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کٹائی سے پہلے بیچی گئی فصل کا عشر بیچنے والے پر ہے یا خریدنے والے پر؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گنے کی فصل پک کر مکمل تیار ہو چکی ہے، اب صرف کٹائی کرنا باقی ہے، لیکن کٹائی کرنے سے پہلے ہی گنے کی فصل کو بیچ دیا۔ پوچھنا یہ ہے کہ گنے کی فصل کا عشر بیچنے والے پر ہو گا؟ یا خریدنے والے پر؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں گنے کی فصل کا عشر بیچنے والے پر ہو گا، خریدنے والے پر نہیں ہو گا۔

صدر الشریعہ، بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ بہارِ شریعت میں فرماتے ہیں: ”بیچنے کے وقت زراعت طیار (تیار) تھی، تو عشر بائع پر ہے۔“ (بہارِ شریعت، 1/920)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

سونا بطورِ قرض لیا تو سونا ہی واپس کرنا ہو گا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تین سال پہلے میرے بھائی کو پیسوں کی ضرورت تھی میرے پاس بائیس کریٹ سونے کے تین بسکٹ تھے جو میں نے اپنی بیٹی کی شادی کے لیے رکھے ہوئے تھے میں نے یہ سونے کے بسکٹ بطور قرض اپنے بھائی کو دے دیئے ساتھ میں یہ کہا کہ جب میری بیٹی کی شادی ہو گی تو آپ مجھے اسی کریٹ کے سونے کے بسکٹ دے دیجئے گا تاکہ میں اپنی بیٹی کا کچھ زیور بنوا لوں، بھائی نے اس وقت پیسوں کی ضرورت کی وجہ سے وہ بسکٹ بیچ دیئے جو کہ ڈیڑھ لاکھ کے بکے تھے، اب کچھ عرصے بعد میری بیٹی کی شادی ہونے والی ہے میں بھائی سے اپنا سونا طلب کر رہا ہوں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ سونے کی قیمت بہت بڑھ چکی ہے وہ کہہ رہے ہیں کہ میں ڈیڑھ لاکھ روپے دوں گا جبکہ میرا مطالبہ یہ ہے کہ میں نے سونے کے بسکٹ دیئے تھے لہٰذا مجھے آپ سونے کے بسکٹ دیں، برائے کرم اس بارے میں رہنمائی فرمائیں کہ میرا مطالبہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں آپ کا سونے کے بسکٹ کا مطالبہ کرنا شرعاً درست ہے، آپ کے بھائی پر لازم ہے کہ وہ آپ کو قرض کی واپسی سونے ہی کی صورت میں کریں کیونکہ سونا مثلی چیز ہے اور مثلی چیز جب قرض میں دی جائے تو لوٹاتے وقت اس کی مثل ہی دینا لازم ہے اس کے مہنگے یا سستے ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ”جو چیز قرض دی جائے، لی جائے اس کا مثلی ہونا ضرور ہے یعنی ماپ کی چیز ہو یا تول کی ہو یا گنتی کی ہو مگر گنتی کی چیز میں شرط یہ ہے کہ اس کے افراد میں زیادہ تفاوت نہ ہو جیسے انڈے، اخروٹ، بادام اور اگر گنتی کی چیز میں تفاوت زیادہ ہو جس کی وجہ سے قیمت میں اختلاف ہو جیسے آم، امرود، ان کو قرض نہیں دے سکتے۔ یونہی ہر قیمی چیز جیسے جانور، مکان، زمین ان کا قرض دینا صحیح نہیں۔“

مزید لکھتے ہیں: ”ادائے قرض میں چیز کے سستے مہنگے ہونے کا اعتبار نہیں مثلاً دس سیر گیہوں قرض لئے تھے اُن کی قیمت ایک روپیہ تھی اور ادا کرنے کے دن ایک روپیہ سے کم یا زیادہ ہے اس کا بالکل لحاظ نہیں کیا جائے گا وہی دس سیر گیہوں دینے ہوں گے۔“ (بہارِ شریعت، 2/755، 757)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اَحکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مَدَنی*

پارٹنر شپ کے لئے کتنے فیصد رقم لگانا ضروری ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ چند افراد مل کر مشترکہ کمپنی بنا کر کام کرنا چاہتے ہیں، یہ ارشاد فرمائیں کہ شرکت قائم کرنے کے لیے کسی شریک کے لیے کم از کم کتنے فیصد رقم ملانا ضروری ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: سوال میں پوچھی گئی صورت کا تعلق شرکتِ عنان سے ہے اس قسم میں شرکاء کی رقم یکساں ہونا ضروری نہیں، کم و بیش بھی ہو سکتی ہے، لہٰذا کوئی بھی فرد شرکت میں جتنی چاہے رقم ملا سکتا ہے، شرعاً کوئی حد بندی نہیں۔

بہارِ شریعت میں ہے: ”شرکت عنان میں یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی میعاد مقرر کر دی جائے مثلاً ایک سال کے لیے ہم دونوں شرکت کرتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں کے مال کم و بیش ہوں برابر نہ ہوں۔“ (بہارِ شریعت، 2/499، ردالمحتار، 6/478)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

نفع اور نقصان کی تقسیم کاری کا کیا طریقہ ہوگا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر برانڈ کا نام، رجسٹریشن، محنت، مصنوعات کی تیاری اور ترسیل وغیرہ سب کچھ ایک فریق کی طرف سے ہو اور وہ شرکت میں صرف 10,000 روپے کا حصہ ملائے جبکہ دوسرا فریق 90,000 روپے ملائے تو اس صورت میں کیا کام کرنے والا فریق اپنا نفع 80٪ اور دوسرے فریق کا نفع 20٪ رکھ سکتا ہے؟ اور نقصان ہونے کی صورت میں نقصان کی رقم کی تقسیم کاری کا کیا طریقہ کار ہوگا؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اگر ایک شریک عامل ہو یعنی ورکنگ پارٹنر ہو اور اس کے لیے، اس کے دیئے گئے راسُ المال یعنی کیپٹل کے تناسب سے زیادہ نفع مقرر کرنے کی شرط لگائی جائے تو اس میں شرعاً حرج نہیں البتہ شرکت کا معاہدہ ہوتے وقت دونوں فریقین کو علم ہونا ضروری ہے کہ کس کا نفع کیا ہوگا۔

پوچھی گئی صورت میں جس فریق نے صرف دس ہزار روپے ملائے اور وہ ورکنگ بھی کر رہا ہے تو اپنے کیپٹل کے تناسب سے زیادہ نفع مقرر کر سکتا ہے لہٰذا اس نے اپنے لئے 80 فیصد نفع طے کیا ہے تو شرعاً کوئی حرج نہیں۔ (ردالمحتار، 6/479)

البتہ نقصان کا اصول یہ ہے کہ جس کا جتنا فیصد سرمایہ یعنی کیپٹل ہے وہ صرف اتنے فیصد نقصان کو برداشت کرے گا۔

بہارِ شریعت میں ہے: ”نفع میں کم و بیش کے ساتھ بھی شرکت ہو سکتی ہے مثلاً ایک کی ایک تہائی اور دوسرے کی دو

*محقق اہل سنّت، دار الافتاء اہل سنّت نورالعرفان، کھارادر کراچی

تہائیاں، اور نقصان جو کچھ ہو گا، وہ راس المال کے حساب سے ہو گا اس کے خلاف شرط کرنا باطل ہے۔"

(بہارِ شریعت،2/491، ردالمحتار،6/469)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم

معاہدۂ شرکت کی کم یا زیادہ مدت کتنی ہو سکتی ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شرعی اعتبار سے معاہدہ شرکت کی مدت کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کتنا عرصہ ہو سکتی ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: شرکت کی مدت کے لیے کوئی حد بندی نہیں ہے، باہمی رضامندی سے کوئی بھی مدت طے کی جاسکتی ہے۔

(ردالمحتار،6/478)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم

نفع کی تقسیم سال میں ایک بار ہو گی یا بار بار؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے کاروبار کی نوعیت ایسی ہے کہ چند ماہ میں مصنوعات فروخت ہونے پر رقم مل جاتی ہے یوں اس طرح ایک سال میں اس پیسے سے کئی بار دوبارہ مصنوعات خرید کر بیچی جاسکتی ہیں تو اس صورت میں ہم سرمایہ کار کو سال میں ایک بار طے شدہ فیصد کے اعتبار سے نفع دیں گے یا ہر بار مصنوعات فروخت ہونے پر نفع دیں گے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: شرعی اصولوں کے مطابق شرکت قائم ہو جانے کے بعد اُس جنسِ تجارت سے جو خریداری کی جاتی ہے وہ سب شرکت سے بنائی گئی کمپنی کے لیے ہوتی ہے، اس لیے پوچھی گئی صورت میں جو مال اس تجارت کی جنس سے تعلق رکھتا ہو اُسے جتنی بار خریدا جائے وہ مشترکہ ہو گا اور اس کے بیچنے میں جو نفع ہو گا اس میں ہر ایک شریک کا مقرر کردہ حصہ بنتا رہے گا، لہٰذا جب حساب کیا جائے تو تمام خرید و فروخت کے نفع کو شامل کر کے ہر ایک شریک کو اس کے طے شدہ حصے کے مطابق نفع دیا جائے گا۔

رہی یہ بات کہ حساب کتاب ہر ڈیل پر کر کے نفع تقسیم کرنا ہے یا سال بعد یا کسی بھی موقع پر کرنا، یہ ایک اختیاری اور انتظامی مسئلہ ہے فریقین اس کو اپنی مرضی سے طے کر سکتے ہیں۔

بہارِ شریعت میں ہے:"اگر عقدِ شرکت کے بعد خریدی اور یہ چیز اس نوع میں سے ہے جس کی تجارت پر عقدِ شرکت واقع ہوا ہے تو شرکت ہی کی چیز قرار پائے گی۔"

(بہارِ شریعت،2/500، ردالمحتار،6/469)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم

نفع کی شرح فیصد، نفع پر طے کی جائے گی یا سرمایہ پر؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ نفع کی شرح فیصد کاروبار سے حاصل ہونے والے نفع پر طے کی جائے گی یا سرمایہ کی رقم پر؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: کاروبار میں اخراجات نکال کر سرمایہ یعنی کیپٹل سے اوپر جو رقم بچے اسے نفع کہتے ہیں اور اخراجات نکال کر اگر کیپٹل سے بھی کمی ہو تو وہ نقصان کہلاتا ہے۔

مشترکہ کاروبار میں ایک یا زائد فریق جو کام کرتے ہیں ان کا اصل مقصود نفع کا حصول ہوتا ہے۔ شرکت کا معاہدہ کرتے وقت فریقین ایک تناسب اور فیصد طے کرتے ہیں کہ نفع ہوا تو اس تناسب سے اس کو تقسیم کریں گے۔ لہٰذا نفع ہونے پر اسی طے شدہ فارمولے سے رقم تقسیم ہو گی۔ نفع کس کو کتنا فیصد ملے گا یہ مقرر کرنے میں فریقین بہت ساری چیزوں کو دیکھ کر اتفاق کرتے ہیں مثلاً کیپٹل کس کا زیادہ ہے یا کام کون کتنا کر رہا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ بس یہ ضروری ہے کہ جو کام

نہیں کر رہا یعنی اس نے سرمایہ تو ملایا ہے لیکن سلیپنگ پارٹنر ہے وہ اپنے کیپٹل کے تناسب سے زیادہ نفع مقرر نہیں کر سکتا مثلاً اس فریق نے 30 فیصد رقم ملائی اور کام بھی نہیں کر رہا تو یہ پچاس فیصد نفع مقرر نہیں کر سکتا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”لو کان المال منھما فی شرکۃ العنان والعمل علی احدھما۔۔۔لو شرطا الربح للدافع اکثر من راس مالہ لم یصح الشرط“یعنی: اگر اس طرح شرکت ہوئی کہ مال دونوں کا ہو گا لیکن کام ایک کرے گا تو کام نہ کرنے والے کے لئے اس کے سرمایہ سے زیادہ نفع کی شرط لگانا درست نہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری، 2/320)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کیا چلتے کاروبار میں شرکت کر سکتے ہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا چلتے کاروبار میں شرکت کر سکتے ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: چلتے کاروبار میں شرکت کرنا، جائز نہیں کیونکہ اس طریقۂ کار میں شرکت کی بنیادی شرائط نہیں پائی جاتیں۔ اگر پہلے سے کوئی کام چل رہا ہے اور اس چلتے کام میں شرکت کرنا چاہتے ہیں تو کسی ایک یا زائد آئٹم میں شرکت کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے کر لیں اور ان کا الگ سے حساب کتاب رکھا جائے۔ اگر کل کاروبار میں دوسرے کو شریک کرنا ہے تو پھر پہلا کام سارا حساب کتاب کرنا ہو گا کہ کتنا مال ہے کتنا سرمایہ ہے اور اس کی مختلف صورتیں بنیں گی۔ ممکن ہے کاروبار میں رقم بالکل نہ ہو بلکہ صرف سامان ہو اور اس کے علاوہ بھی صورتیں بن سکتی ہیں۔ ساری کلوزنگ کرنے کے بعد پھر مستند مفتیانِ کرام سے رہنمائی لی جائے کہ نقدی کی یہ تفصیل ہے اور اس کے علاوہ چیزوں کی یہ تفصیل ہے۔ پھر اس کی روشنی میں شرعی رہنمائی کی جاسکتی ہے۔ اس تعلق سے دارُ الافتاء اہلسنّت کے تفصیلی فتاویٰ کا مطالعہ بھی کریں۔ نیز مدنی چینل کے ہفتہ وار پروگرام ”احکامِ تجارت“ میں بھی اس بات کو متعدد بار تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ چلتے کاروبار میں شرکت کیوں نہیں ہو سکتی اور اگر کرنی ہے تو کیا طریقہ اپنایا جا سکتا ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

معاہدۂ شرکت کو ختم کرنے کا طریقہ کار کیا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو فریق کا ایک مشترکہ کام چل رہا تھا اس کو ختم کرنے کا طریقہ کار کیا ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جو شریک عقدِ شرکت کو ختم کرنا چاہتا ہے اسے اس بات کا اختیار ہے کہ شرکت کو ختم کر دے، دوسرے شرکاء کی رضامندی ضروری نہیں، جبکہ دوسرے شریک کو شرکت کے فسخ کا علم ہو، البتہ سرمایہ نکالنے کے لئے کاروبار کی پوزیشن دیکھ کر فریقین باہمی رضامندی سے کسی مناسب وقت پر اتفاق کر لیں۔ اگر سرمایہ ہاتھ میں نہ ہو بلکہ لوگوں سے وصول کرنا ہو تو ایک فریق اس بات کا پابند نہیں کہ دوسرے فریق کو رقم اپنی جیب سے ادا کرے۔ بلکہ جیسے جیسے رقم آتی رہے گی دونوں فریق اپنا حصہ اس سے لیتے رہیں گے۔

بہارِ شریعت میں ہے: ”دونوں میں ایک نے شرکت کو فسخ کر دیا، اگرچہ دوسرا اس فسخ پر راضی نہ ہو جب بھی شرکت فسخ ہو گئی، بشرطیکہ دوسرے کو فسخ کا علم ہو اور دوسرے کو فسخ کا علم نہ ہوا تو فسخ نہ ہو گی۔ اور یہ شرط نہیں کہ مال شرکت روپیہ اشرفی ہو بلکہ اگر تجارت کے سامان موجود ہیں جو فروخت نہیں ہوئے اور ایک نے فسخ کر دیا جب بھی فسخ ہو جائے گی۔“

(بہارِ شریعت، 2/513، ردالمحتار، 6/500)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

اپنی کمیٹی کی رقم دے کر اس پر نفع لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ایک جگہ کمیٹی ڈالی ہوئی ہے مگر کمیٹی چند مہینے بعد ملے گی، جبکہ اس کے دوست بکر کی ابھی کمیٹی کھل چکی ہے اور اس کے پاس رقم موجود ہے، زید بکر سے کہتا ہے کہ اپنی کمیٹی کی رقم مجھے دے دو اور جب میری کمیٹی کھلے گی تو تم اپنی رقم واپس لے لینا، اس کے بدلے میں آپ کو تین ہزار روپے زیادہ ادا کروں گا، براہِ کرم یہ رہنمائی فرمادیں کہ رقم اوپر دینے کی وجہ سے اس معاملے کی کیا شرعی حیثیت ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں تین ہزار روپے مشروط نفع پر زید کا بکر سے کمیٹی کی رقم لینا، ناجائز و حرام ہے کیونکہ یہ قرض پر مشروط نفع ہے اور قرض پر مشروط نفع سود ہوتا ہے، اور سود حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔ زید اور بکر دونوں پر لازم ہے کہ اس طرح کا سودی معاملہ ہرگز نہ کریں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

ٹریول ایجنٹ کا کورونا کے ٹیسٹ پر کمیشن لینا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارا ٹریول ایجنسی کا کام ہے، اب جو مسافر بھی بیرونِ ملک سفر پر جاتا ہے، اس کے لئے کورونا ٹیسٹ کروانا ضروری ہوتا ہے، ہماری ایجنسی کے ذریعے بھی لوگ باہر ملک کا سفر کرتے ہیں تو چند لیبارٹریوں کی طرف سے ہمیں یہ پیشکش ملی ہے کہ اگر آپ اپنی ایجنسی کے تحت سفر کرنے والے مسافروں کو ہماری لیبارٹری میں ٹیسٹ کیلئے بھیجیں گے تو ہم آپ کو کچھ فیصد کمیشن دیں گے، یہ کمیشن بھی طے ہوگا، اور لیبارٹری والے ٹیسٹ کروانے والے سے کوئی اضافی چارجز بھی نہیں لیں گے، بلکہ اس سے اتنے ہی چارجز وصول کئے جائیں گے جتنے دوسری لیبارٹری والے وصول کرتے ہیں۔ کیا ہمارا یہ کمیشن لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں کمیشن لینا، جائز نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کمیشن، کام کرنے کی اجرت ہوتی ہے، اس کے لئے کوئی ایسا کام کرنا ضروری ہوتا ہے جس کے بدلے میں اجرت کی صورت میں معاوضہ دیا جاسکے، یہاں آپ صرف مشورہ دیں گے کہ اس لیبارٹری سے ٹیسٹ کروالو، تو اس موقع پر صرف مشورہ دینا کوئی ایسا کام نہیں ہے جس کے بدلے میں اجرت کا استحقاق ہوتا ہو، اس لئے یہ کمیشن لینا جائز نہیں۔

البتہ اگر وہ لیبارٹری واقعی قابلِ اعتماد ہو، اور آپ یا آپ کا نمائندہ کسٹمر کو لے کر لیبارٹری جائے، یوں کچھ محنت کریں اور کمیشن بھی طے ہو تو اس محنت کے بدلے میں کمیشن لے سکتے ہیں۔ لیکن طے شدہ اجرت کے مستحق نہیں ہوں گے بلکہ اجرت مثل کے مستحق ہوں گے، اجرت مثل سے مراد یہ ہے کہ اس طرح کے کام کرنے پر جتنی اجرت کا عرف ہو اتنی اجرت لے سکتے ہیں، البتہ

*محقق اہل سنّت، دار الافتاء اہل سنّت نور العرفان، کھارادر کراچی

اگر طے شدہ اجرت، اجرت مثل سے کم ہو تو پھر طے شدہ اجرت ہی دی جائے گی، اجرت مثل نہیں دی جائے گی۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "اگر کارندہ نے اس بارہ میں جو محنت و کوشش کی وہ اپنے آقا کی طرف سے تھی، بائع کے لئے کوئی دوادوش نہ کی، اگرچہ بعض زبانی باتیں اس کی طرف سے بھی کی ہوں، مثلاً آقا کو مشورہ دیا ہو کہ یہ چیز اچھی ہے خرید لینی چاہیے، یا اس میں آپ کا نقصان نہیں اور مجھے اتنے روپے مل جائیں گے، اس نے خرید لی، جب تو یہ شخص عمرو بائع سے کسی اجرت کا مستحق نہیں کہ اجرت آنے جانے، محنت کرنے کی ہوتی ہے نہ بیٹھے بیٹھے دو چار باتیں کہنے، صلاح بتانے، مشورہ دینے کی۔۔۔ اور اگر بائع کی طرف سے محنت و کوشش و دوادوش میں اپنا زمانہ صرف کیا تو صرف اجر مثل کا مستحق ہو گا، یعنی ایسے کام اتنی سعی پر جو مزدوری ہوتی ہے اس سے زائد نہ پائے گا، اگرچہ بائع سے قرارداد کتنے ہی زیادہ کا ہو، اور اگر قرارداد اجر مثل سے کم کا ہو تو کم ہی دلائیں گے کہ سقوط زیادت پر خود راضی ہو چکا۔" (فتاویٰ رضویہ، 19/453)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

فوٹو گرافر کو دکان کرایہ پر دینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا فوٹو گرافر کو دکان کرائے پر دے سکتے ہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: صورتِ مسئولہ میں سب سے بہتر یہ ہے کہ جائز پیشہ کرنے والے افراد کو دکان کرائے پر دیں ایسے شخص کو نہ دیں جس کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ دکان میں فوٹو گرافی کرے گا۔ البتہ اس کے باوجود کوئی فوٹو گرافر کو دکان کرائے پر دیتا ہے تو شرعاً ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ دکان مکان کرایہ پر لینے والا سکونت اور کام کی غرض سے کرایہ پر لیتا ہے اس میں کسی بھی جائز و ناجائز کام کا ذمہ دار وہ خود ہوتا ہے۔

البتہ مالکِ دکان پر لازم ہے کہ یہ کہہ کر دکان نہ دے کہ اس میں یہ کام کرو اور وہ کام شرعاً غلط ہو جیسا کہ فوٹو گرافر کا کام کہ اگر وہ ڈیجیٹل ہے تو عام طور سے مرد و عورت کی تمیز کے بغیر اور شادی بیاہ کے فنکشن میں بے پردگی وغیرہ سے احتراز کیے بغیر ہوتا ہے اور اگر پرنٹ نکالتا ہے تو جاندار کی تصویر کا پرنٹ نکالنا ویسے ہی جائز نہیں اور غلط کام نہ تو خود کرنا جائز ہے نہ ہی اس پر راضی رہنا جائز ہے۔

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرَّحمہ سے فوٹو گرافر کو دکان کرائے پر دینے سے متعلق سوال ہوا تو اس کے جواب میں آپ علیہ الرَّحمہ نے ارشاد فرمایا: "اس شخص کو دکان کرایہ پر دی جاسکتی ہے مگر یہ کہہ کر نہ دیں کہ اس میں تصویر کھینچے، اب یہ اس کا فعل ہے کہ تصویر بناتا ہے اور عذابِ آخرت مول لیتا ہے۔" (فتاویٰ امجدیہ، 3/272)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

تصویر والی کرسی بنانا، بیچنا اور استعمال کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل ایسی کرسیاں آرہی ہیں جن پر بیٹھنے اور ٹیک لگانے کی جگہ پر انسانی تصاویر بنی ہوئی ہوتی ہیں، ان کرسیوں کو بنانا، بیچنا اور استعمال کرنا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: ایسی کرسیاں جن پر بیٹھنے اور ٹیک لگانے کی جگہ پر انسان کی تصویر بنی ہوئی ہو تو ان کرسیوں پر بیٹھنے اور ٹیک لگانے میں شرعی طور پر حرج نہیں ہے کہ ان پر بیٹھنے اور ٹیک لگانے میں تصاویر کی توہین ہے، تعظیم نہیں اور ان کرسیوں کو بیچنے اور خریدنے میں بھی حرج نہیں، لیکن ایسی کرسیاں بنانا، ناجائز و گناہ ہے کیونکہ جاندار کے چہرے کی تصویر بنانا مطلقاً حرام اور سخت گناہ ہے۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن لکھتے ہیں: **جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً حرام ہے**، جو اسے جائز کہے شریعت پر افتراء کرتا ہے گمراہ ہے مستحق تعزیر و سزائے نار ہے **اور رکھنا تین صورتوں میں جائز ہے**: ایک یہ کہ چہرہ کاٹ دیا ہو یا بگاڑ دیا ہو۔ دوسرے یہ کہ اتنی چھوٹی ہو کہ زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھیں تو اعضاء کی تفصیل نظر نہ آئے۔ تیسرے یہ کہ **خواری و ذلت کی جگہ پڑی ہو جیسے فرش پا انداز میں ورنہ رکھنا بھی حرام**، ہاں غیر جاندار مثل درخت و مکان کی تصویر کھینچنا رکھنا سب جائز ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، 24/557)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اَحکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

قرآن پاک پڑھانے کی اُجرت لینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص انٹرنیٹ پر آن لائن قرآن پاک پڑھائے اور اس پر اُجرت بھی لے تو کیا یہ جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جی ہاں! قرآن پاک پڑھانے کی اُجرت لینا، جائز و مباح ہے، خواہ انٹرنیٹ پر پڑھایا جائے یا کسی اور ذریعے سے پڑھایا جائے، کیونکہ متأخرین علمائے کرام نے دینی ضرورت کے پیشِ نظر تعلیمِ قرآن، امامت وغیرہ امورِ دینیہ کی خدمت سرانجام دینے پر اُجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے۔

البتہ اجارے کی بنیادی شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے مثلاً وقت طے ہو، معاوضہ طے ہو اور اجارہ درست ہونے کی دیگر ضروری شرائط پائی جانی چاہییں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم

گیم زون کا کام کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کوئی شخص گیم زون (Game zone) کھولنا چاہتا ہے جس میں لوگ آکر کمپیوٹر گیمز کھیلیں گے اور جتنی دیر بیٹھیں گے اس کے پیسے دیں گے۔ کیا یہ کمائی جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: گیم زون سے حاصل ہونے والی آمدنی جائز نہیں کیونکہ یہ لہو ولعب ہے اور ضروری نہیں کہ معتبر دنیاوی منفعت کے لئے ہی لوگ اسے استعمال کرتے ہوں پھر ایسی چیزوں میں میوزک اور غیر شرعی امور بھی لازم ہوتے ہیں لہٰذا ان کے لہو و لعب ہونے میں شک نہیں اور لہو ولعب کی اُجرت جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتا ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ترجمۂ کنزُ الایمان: اور کچھ لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں بے سمجھے۔ (پ21، لقمان:6)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرَّحمہ لکھتے ہیں: "ہر کھیل اور عبث فعل جس میں نہ کوئی غرضِ دین نہ کوئی منفعتِ جائزہ دنیوی ہو، سب مکروہ و بے جا ہیں، کوئی کم کوئی زیادہ۔" (فتاویٰ رضویہ، 24/78)

بحر الرائق میں ہے: "ولا يجوز الاجارة على شيئ من الغناء واللهو" ترجمہ: گانے اور لہو (یعنی کھیل اور فضول کاموں) پر اجارہ جائز نہیں۔ (بحر الرائق، 8/36)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم

* محقق اہل سنّت، دار الافتا اہل سنّت
نور العرفان، کھارادر کراچی

کسی کو سفارش کر کے نوکری دلوانا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کسی کو سفارش کر کے نوکری دلوانا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اگر وہ اس نوکری کا اہل ہے اور اس کی سفارش کی تو یہ صورت جائز ہے اور اگر ایسی سفارش کی کہ اس سے کسی حقدار کا حق مارا گیا یا کسی نااہل کو سفارش کر کے نوکری دلوادی تو یہ جائز نہیں۔ نیز یہ واضح رہے کہ نوکری لگوانے کے لئے رشوت کا لین دین ہرگز جائز نہیں۔

حدیثِ پاک میں ہے: ”لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی“ ترجمہ: رسولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے رشوت دینے والے اور لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

(ترمذی، 3/66، حدیث:1342)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سفارش کرنے کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”نیک بات میں کسی کی سفارش کرنا مثلاً سفارش کر کے مظلوم کو اس کا حق دلا دینا یا کسی مسلمان کو ایذا سے بچالینا یا کسی محتاج کی مدد کرا دینا شفاعتِ حسنہ ہے، ایسی شفاعت کرنے والا اجر پائے گا اگرچہ اس کی شفاعت کارگر نہ ہو، اور بری بات کے لئے سفارش کر کے کوئی گناہ کرا دینا شفاعتِ سیئہ ہے اس کے فاعل پر اس کا وبال ہے اگرچہ نہ مانی جائے۔ (فتاویٰ رضویہ، 23/407)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

غیر مسلم کو مکان کرایہ پر دینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ مسلمان اپنا مکان کسی غیر مسلم کو کرایہ پر رہنے کے لئے دے سکتا ہے یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: غیر مسلم کو رہائش کے لئے مکان کرائے پر دینے میں کوئی حرج نہیں اور اس کے ناجائز افعال میں مسلمان کا کوئی عمل دخل نہیں کیونکہ مسلمان نے فقط رہائش کے لئے مکان کرائے پر دیا ہے اور رہائش کے لئے مکان کرائے پر دینا، جائز ہے۔

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرَّحمہ لکھتے ہیں: ”مسلمان نے کسی کافر کو رہنے کے لئے مکان کرایہ پر دیا یہ اجارہ جائز ہے، کوئی حرج نہیں۔“ (بہار شریعت، 3/145)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

گروی رکھی ہوئی چیز سے نفع اٹھانا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے بکر کو کچھ لاکھ روپے قرض دے کر اس کا گھر تین سال کے لئے رہن پر لے لیا تین سال کے بعد بکر زید کی رقم لوٹا کر اپنا گھر واپس لے لے گا۔ اور تین سال تک اس مکان کا کرایہ زید حاصل کرے گا۔ آیا اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: سوال میں مذکورہ صورت ناجائز و حرام ہے اور یہ سود کے زمرے میں آتی ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ”رہن میں کسی طرح کے نفع کی شرط بلاشبہ حرام اور خالص سود ہے بلکہ اِن دیار میں مرتہن کا مرہون سے انتفاع بلاشرط بھی حقیقۃً بحکمِ عرف انتفاع بالشرط ربائے محض ہے۔ قال الشامی قال ط قلت والغالب من احوال الناس انھم انما یریدون عند الدفع الانتفاع و لولاہ لما اعطاہ الدراھم و ھذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع ترجمہ: علامہ شامی فرماتے ہیں کہ طحاوی نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ غالب حال لوگوں کا یہ ہے کہ وہ رہن سے نفع کا ارادہ رکھتے ہیں اگر یہ توقع نہ ہو تو قرض ہی نہ دیں اور یہ بمنزلہ شرط کے ہے کیونکہ معروف مشروط کے حکم میں ہوتا ہے۔ یہ بات عدمِ جواز کو متعین کرتی ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ، 25/57)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

جھوٹا سرٹیفکیٹ بنوا کر نوکری حاصل کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نویں جماعت تک پڑھا ہوا ہوں، مجھے کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ ریلوے میں نوکری نکلی ہے جس میں میٹرک کا سرٹیفکیٹ بنوا کر نوکری حاصل کی جاسکتی ہے تو کیا میں میٹرک کے جھوٹے کاغذات بنوا کر وہ نوکری حاصل کرسکتا ہوں؟ نیز اگر کسی نے ایسا کرلیا تو مسلم یا غیر مسلم کمپنی میں اس طرح نوکری حاصل کرکے جو تنخواہ ملے گی وہ حلال ہوگی یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جواب: اگر آپ نے نویں جماعت تک پڑھا ہے اور کاغذات آپ دسویں جماعت تک کے بنوائیں گے اور آگے یہی ظاہر کریں گے کہ میں نے میٹرک کیا ہوا ہے تو یہ جھوٹ کے ساتھ ساتھ دھوکہ بھی ہوگا اور دھوکہ دینا، جائز نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ”غدر (دھوکہ) وبدعہدی مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ، 17/348)

لہٰذا آپ کا اس طرح جھوٹے کاغذات بنوا کر نوکری لینا جائز نہیں، البتہ اگر کسی نے ایسا کرلیا تو اگرچہ اس نے ایک ناجائز کام کیا لیکن جو تنخواہ ملے گی وہ کام کے بدلے ملے گی، اگر کام جائز ہے اور اس کام کو مطلوبہ اہلیت کے مطابق درست انجام دیتا ہے تو تنخواہ میں ملنے والی رقم حلال ہوگی۔

لیکن جعلی ڈگری پر حاصل کردہ ہر کام ایسا نہیں ہوگا جو ہر شخص کرسکتا ہو، محنت مزدوری اور عام انداز کے کاموں کو کرنا کوئی مشکل چیز نہیں ہوتی لیکن بہت سارے کام ایسے ہوتے ہیں جن میں سرٹیفکیٹ یا ڈگری اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ شخص یہ کام کرنے کا اہل ہے اور اس نے اس کی مکمل تعلیم وتربیت حاصل کی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے لکھا کہ جس نے کسی طبیبِ حاذق یعنی ماہر طبیب کے پاس مطلوبہ عرصہ کی تربیت حاصل نہ کی ہو اسے مرض میں ہاتھ ڈالنا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ ایک جعلی ڈاکٹر کی اگر ہم مثال سامنے رکھیں تو ایک آپریشن وہ ہے جو ایک مستند ڈاکٹر اپنے علم کی بنیاد پر نہ جانے کتنی چیزوں کو ملحوظ رکھ کر کرے گا جبکہ ایک اَتائی ڈاکٹر محض ایک قصاب

*محقق اہلِ سنّت، دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر کراچی

کی طرح چیر پھاڑ کرے گا، دیکھنے میں دونوں کا کام ایک ہے اور اتائی ڈاکٹر بھی یہی کہے گا کہ میں نے بھی یہی کام کیا ہے جو ایک مستند ڈاکٹر کرتا ہے تو یہ درست نہیں اور اس کی روزی اور تنخواہ کو ہرگز حلال نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے تو ایک انسانی جان سے کھیلا ہے اور کام کی مہارت ہی میں دھوکہ دہی سے کام لیا ہے اس کے کام کو تو ناقص کام کہا جائے گا۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "نااہل کو اس میں ہاتھ ڈالنا حرام ہے اور اس کا ترک فرض۔ جس نے اس فن کے باقاعدہ نظریات و عملیات حاصل کئے اور ایک کافی مدت تک کسی طبیبِ حاذق کے مطب میں رہ کر کام کیا اور تجربہ حاصل ہوا، اکثر مرضیٰ اس کے ہاتھ پر شفاء پاتے ہوں کم حصہ ناکامیاب رہتا ہو فاحش غلطیاں جیسے بے علم ناتجربہ کار کیا کرتے ہیں تشخیص و علاج میں نہ کیا کرتا ہو، وہ اہل ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ، 24/206)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم

غریب سے مہنگا سودا خریدنا باعثِ ثواب ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ غریب سے مہنگا سودا خریدنا بھی ثواب کا کام ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: غریب سے مہنگا سودا خریدنا بھی صدقہ ہے اور اس انداز میں غریب کی عزتِ نفس بھی مجروح نہیں ہوتی۔

امام غزالی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: "اگر کسی کمزور سے غلہ خریدے یا کسی فقیر سے کوئی چیز خریدے تو اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ زیادہ رقم کو برداشت کرے اور آسانی پیدا کرے، اس صورت میں یہ احسان کرنے والا قرار پائے گا۔

اور اس فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مصداق ٹھہرے گا: رحم اللہ امرا سھل البیع سھل الشراء" (مسند ابی یعلی) یعنی اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو خرید و فروخت میں آسانی پیدا کرے۔

(احیاء العلوم مترجم، 2/313)

بخاری شریف میں ہے: "عن جابر بن عبداللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رحم اللہ رجلاً سمحاً اذا باع و اذا اشتری و اذا اقتضی "ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو بیچتے وقت اور خریدتے وقت اور تقاضہ کرتے وقت نرمی سے کام لے۔" (بخاری، 1/278)

مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: "بیچنے میں نرمی یہ ہے کہ گاہک کو کم یا خراب چیز دینے کی کوشش نہ کرے اور خریدنے میں نرمی یہ ہے کہ قیمت کھری دے اور بخوبی ادا کرے، بیوپاری کو پریشان نہ کرے، تقاضے میں نرمی یہ ہے کہ جب اس کا کسی پر قرض ہو تو نرمی سے مانگے اور مجبور مقروض کو مہلت دے دے اس پر تنگی نہ کرے جس میں یہ تین صفتیں جمع ہوں وہ اللہ کا مقبول بندہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾ اگر مقروض تنگدست ہو تو اسے وسعت تک مہلت دے دو۔" (مراٰۃ المناجیح، 4/397)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم

گوبر سے لکڑیاں بنا کر بیچنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل ایک کاروبار چلا ہوا ہے کہ گوبر سے لکڑیاں بنا کر انہیں بیچتے ہیں کیا یہ جائز ہے اور اس کی آمدنی حلال ہوگی؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: گوبر کا استعمال بہت پرانا ہے پہلے زمانے میں گوبر کو تھاپ کر اُپلے بنائے جاتے تھے۔ آج کل گوبر سے جو لکڑیاں بنائی جاتی ہیں وہ دراصل لکڑیاں نہیں ہوتیں بلکہ ہوتا یہ ہے کہ گوبر کو ایک مشین میں ڈالا جاتا ہے اور ایک خاص سائز میں وہ لمبائی کی صورت میں نکل آتا ہے اور اس کی موٹائی بھی سیٹ کر دی جاتی ہے اس طرح لانا لے جانا آسان ہو جاتا ہے اور جہاں دیگیں وغیرہ پکائی جاتی ہیں وہاں اسے لکڑیوں کے ساتھ جلا دیا جاتا ہے۔

گوبر یا گوبر سے بنے ہوئے اُپلے یا سوال میں جس لکڑی نما چیز کا ذکر ہے یہ سب بیچنا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

صدرُ الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: "گوبر کا بیچنا ممنوع نہیں۔" (بہار شریعت، 3/478)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم

اَحکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

پیون (Peon) کو ٹپ (Tip) وغیرہ دینا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ آفس میں جو تنخواہ دار پیون وغیرہ ہوتے ہیں انہیں کمپنی کا عملہ ان کے باس وغیرہ ٹپ دے دیتے ہیں جیسے کوئی چیز منگوائی تو عموماً بچنے والے پیسے ان کو دے دیتے ہیں تو کیا یہ دینا، رشوت میں آئے گا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ غریب آدمی ہونے کی وجہ سے اس کی مدد کر دیتے ہیں اس میں تو کوئی حرج نہیں لیکن بعض اوقات یہ ذہن ہوتا ہے کہ یہ مجھے لفٹ نہیں کرواتا یا یہ فلاں کے کام زیادہ کرتا ہے میری بات زیادہ نہیں سنتا، میں اس کو پیسے دینا شروع کروں تو یہ مجھے زیادہ توجہ دے گا۔ اس طور پر دینا رشوت ہے یعنی اس موقع پر اپنا کام نکلوانے کے لئے پیسے دے گا تو پھر یہ رشوت ہوگا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

قبرستان سے پھول چُرا کر بیچنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ قبرستان سے پھول چرا کر بیچنا کیسا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: قبرستان میں لوگ اپنے پیاروں کی قبروں پر جو پھول ڈالتے ہیں، اس کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ پتیاں جب تک تَر رہیں گی تسبیح کرتی رہیں گی اور اس سے مُردے کو فائدہ پہنچے گا، اس کی وحشت میں کمی آئے گی، اسے اُنسیت حاصل ہوگی، ورنہ قبریں کوئی زیب و زیبائش کی جگہ نہیں ہیں کہ یہاں خوبصورتی کے لئے پھول ڈالے جائیں اور خوبصورتی کے لئے ڈالنے بھی نہیں چاہئیں۔ جنازے پر پھول ڈالنے کی فتاویٰ رضویہ میں صراحت موجود ہے کہ زینت کے لئے ڈالنا مکروہ ہے، ہاں تر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے لہٰذا اس سے مُردے کو راحت پہنچے گی اس مقصد سے جنازے پر بھی ڈالنے میں حرج نہیں۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ”پھولوں کی چادر بہ نیتِ زینت مکروہ، اور اگر اس قصد سے ہو کہ وہ بحکمِ احادیث خفیف الحل وطیب الرائحہ و مسبّح خدا و مُونسِ میت ہے تو حرج نہیں۔“ (فتاویٰ رضویہ، 9/137)

جہاں تک ان پھولوں کو اٹھا کر بیچنے کا سوال ہے تو پھول ڈالنے والے ہرگز یہ بات پسند نہیں کریں گے کہ کوئی ان پھولوں کو اُٹھا کر لے جائے، یہ ملکِ غیر ہے اٹھانے والے کی

*محققِ اہلِ سنّت، دار الافتاء اہلِ سنّت نورالعرفان، کھارادر کراچی

ملک نہیں ہے، نہ ہی اس کے لئے مباح کئے گئے ہیں۔ لہٰذا کسی اور شخص کا انہیں اٹھا کر لے جانا یا فروخت کرنا ہر گز جائز نہیں۔

نوٹ: مزارات پر جو پھول ڈالے جاتے ہیں ان کا معاملہ قدرے مختلف ہے کیونکہ وہاں جو چیزیں آتی ہیں ان کا عرف جدا ہے، عام قبروں والے اس جواب کو وہاں منطبق نہ کیا جائے کچھ احکام میں فرق آسکتا ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

جعلی بل بنوا کر میڈیکل الاؤنس لینا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض کمپنیاں اپنے ملازمین کو میڈیکل الاؤنس دیتی ہیں یہ ارشاد فرمائیں کہ ملازم کا جعلی میڈیکل بل بنوا کر کمپنی سے الاؤنس لینا کیسا ہے؟ نیز بعض اوقات دوائیں بچ جاتی ہیں تو ان کا کیا حکم ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: ناحق طریقے سے کسی کا مال لینا جائز نہیں۔ جو مریض نہیں ہے وہ یہ ظاہر کرے کہ میں مریض ہوں اور اس طرح جعلی بل بنوا کر الاؤنس لے لے تو یہ جائز نہیں بلکہ یہ خیانت اور دھوکا ہے جو کہ حرام و گناہ ہے۔

البتہ جھوٹ اور دھوکا کے بغیر کمپنی کے اصول و قوانین کے مطابق سہولت حاصل کرتے ہوئے دوائی لی اور استعمال کے بعد بچ گئی تو وہ ملازم ہی کی ملکیت ہے لہٰذا وہ رکھ سکتا ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

الیکٹرک کمپنی کا یونٹ کی الگ الگ رقم چارج کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ الیکٹرک کمپنی تین سو یونٹ تک کے استعمال پر 15 روپے فی یونٹ کے حساب سے پیسے چارج کرتی ہے اور اس سے اوپر جو استعمال کرے اس کا 22 روپے فی یونٹ کے حساب سے چارج کرتے ہیں، یوں جیسے جیسے یونٹ بڑھتے ہیں وہ قیمت بڑھاتے جاتے ہیں حالانکہ بجلی استعمال کرنے میں تو کوئی فرق نہیں ہوتا۔ پھر یہ قیمت بڑھانا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: بہت سی چیزیں ایسی ہیں جہاں مقدار کی بنیاد پر کمی بیشی ہوتی ہے جیسے موبائل کمپنیوں کے مختلف پیکیجز مختلف قیمت کے ہوتے ہیں اور ان میں مختلف مقدار میں منٹس وغیرہ ہوتے ہیں، اسی طرح یہاں بھی ہے کہ اگر تین سو یونٹ استعمال ہوں گے تو یہ پیکیج ہے اور اگر پانچ سو یونٹ استعمال ہوں گے تو یہ پیکیج ہے۔

یوں تقسیم کرنے سے کوئی شرعی خرابی واقع نہیں ہو رہی لہٰذا فقہی اعتبار سے یہ درست ہے۔

البتہ صارف (Consumer) کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس طرح کی قیمتوں کے گراف پر متعلقہ فورم پر اعتراض کر سکتا ہے کہ قیمتیں کم کی جائیں یا مساوی کی جائیں۔ جیسا کہ کسی کو کراچی سے لاہور جانا ہے اور ریل کا ٹکٹ مہنگا ہے جانے والا اپنی رضامندی سے خرید کر جائے گا یہ لین دین جائز ہے لیکن اس کا یہ حق ہے کہ کسی فورم پر یہ آواز اٹھائے کہ ٹکٹ سستا کیا جائے، اس حق کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔

قیمتوں کے مختلف ہونے کا یہ معاملہ صرف بجلی کے بل ہی میں نہیں بلکہ اور کئی معاملات میں ہم یہ چیزیں دیکھتے ہیں مثلاً ایک ڈاکٹر کسی اچھے علاقے میں بیٹھتا ہے تو اس کی فیس کچھ اور ہوتی ہے اور وہی ڈاکٹر جب کسی متوسط علاقے میں بیٹھتا ہے تو اس کی فیس کچھ اور ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک چیز کسی بڑے شاپنگ مال سے خریدیں تو مہنگی ملے گی وہی چیز کسی عام دکان سے خریدیں تو سستی ملے گی۔

یوں مختلف لوگوں نے مختلف چیزوں کے مختلف اسٹینڈرڈ بنائے ہوتے ہیں گاہک قیمت جانتے ہوئے چیز خریدتا ہے سودا رضامندی سے ہوتا ہے اسے ناجائز عقد نہیں کہہ سکتے جبکہ دیگر وجوہات سے بھی کوئی شرعی خرابی نہ پائی جاتی ہو۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اَحکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

کسی کی کتاب اس کی اجازت کے بغیر چھاپنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض کتب جیسے میڈیکل، قانون، انجینئرنگ وغیرہ کی کتابوں پر لکھا ہوتا ہے کاپی رائٹ جملہ حقوق محفوظ ہیں، نہ اس کو چھاپ سکتے ہیں نہ فوٹو کاپی کر سکتے ہیں۔ بعض لوگ ان کتب کی کاپیز کروا کر بیچتے ہیں اور لوگ ان کاپیز کو خرید کر پڑھتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: قانون، پبلشنگ اداروں اور مصنفین کو بہت سارے حقوق دیتا ہے اور اس طرح کے جو معروف حقوق ہیں یہ شریعت کی تعلیمات کے مخالف بھی نہیں ہیں۔ شرعی تقاضے کی روشنی میں بھی اب ایسے قوانین پر عمل کرنا ضروری ہے جس کی رو سے ایک مکتبہ کی کتاب کو دوسرا شائع نہیں کر سکتا یونہیں مصنف کی اجازت کے بغیر بھی اشاعت نہیں ہو سکتی یہ قوانین ہمارے ملک میں بھی رائج ہیں ان پر عمل کرنا شرعاً واجب ہے۔ البتہ بہت سارے ادارے ایسے ہوتے ہیں جو یہ حقوق عام کر دیتے ہیں کہ کوئی بھی اشاعت کر سکتا ہے ان کی طرف سے اجازت ہوتی ہے یا پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ادارہ ملکی سطح پر رجسٹرڈ ہی نہیں ہے جس کی بنا پر ملکی قانون اس کی اشاعت سے نہیں روکتا تو اس کا معاملہ جدا ہوگا۔ رہی بات فوٹو کاپی کی تو اس بارے میں قانون کیا کہتا ہے یہ دیکھنا ضروری ہے۔ عام طور پر تو طلباء کتاب نہ ملنے پر مکمل کتاب یا کچھ ابواب کی فوٹو کاپی کرواتے ہیں اور فوٹو کاپی پر کوئی قانونی باز پرس بھی ہوئی ہو ایسی کوئی بات علم میں نہیں آئی۔ قانون اگر اس سے بھی روکتا ہے تو اس پر عمل بھی ضروری ہوگا۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

انشورنس کی رقم ادا کرنے کی شرط پر قرض کا لین دین کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے والد صاحب ایک ادارے میں جاب کرتے ہیں وہ ادارہ ملازمین کو اس شرط پر قرض دیتا ہے کہ قرض کے ساتھ اضافی رقم واپس کرنی ہوگی، البتہ یہ اضافی رقم ادارہ خود استعمال نہیں کرے گا بلکہ یہ رقم اس لیے وصول کی جائے گی تاکہ قرض میں دی گئی رقم کا انشورنس کروا لیا جائے اور انشورنس پالیسی کی قسطیں اس اضافی رقم سے ادا کی جاسکیں، یہ انشورنس ادارہ خود کروائے گا۔ برائے کرم یہ رہنمائی فرمادیں کہ اس شرط پر قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: پوچھی گئی صورت میں قرض دار سے انشورنس کی رقم وصول کرنے کی شرط کے ساتھ قرض کا لین دین ناجائز و حرام ہے کیونکہ قرض پر مشروط نفع کسی بھی نام سے لیا جائے، یہ نفع سود ہوتا ہے اور سود حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔

نیز یہ مسئلہ بھی ذہن نشین رہے کہ انشورنس کروانا خواہ وہ انشورنس جان کی ہو یا مال کی، بہر صورت یہ بھی ناجائز و گناہ ہے، لہٰذا ادارے کو چاہیے کہ انشورنس اور کسی نفع کے بغیر ہی قرض کا لین دین کرے۔

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃُ اللہِ تعالٰی علیہ لکھتے ہیں: ”قرض دیا اور ٹھہرالیا کہ جتنا دیا ہے اُس سے زیادہ

*محقق اہل سنّت، دار الافتاء اہل سنّت نور العرفان، کھارادر کراچی

لے گا جیسا کہ آج کل سود خواروں کا قاعدہ ہے کہ روپیہ دو روپے سیکڑا ماہوار سود ٹھہرا لیتے ہیں یہ حرام ہے۔ **یوہیں کسی قسم کے نفع کی شرط کرے ناجائز ہے مثلاً یہ شرط کہ مستقرض، مقرض سے کوئی چیز زیادہ داموں میں خریدے گا۔**" (بہار شریعت، 2/759)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

واپسی کی شرط پر مال خریدنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر ہم کپڑے کا کام اس طرح کریں کہ دوکان دار سے ریٹ طے کر کے مال اٹھالیں لیکن پیسے ہم اس کو تب دیں گے جب وہ مال بک جائے گا؟ اسی طرح کیا ہم دوکان دار سے یہ طے کر سکتے ہیں کہ اگر مال بچ گیا تو ہم اس کو واپس کریں گے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: یہ شرط لگانا کہ جب مال فروخت ہو جائے گا تب پیسے دیں گے یہ شرط درست نہیں ایسی شرط سودے کو ناجائز اور آمدنی کو غیر شرعی بنا دیتی ہے۔ آپ سیزن کے اعتبار سے دیکھ لیں کہ اس سیزن میں کتنے مہینے لگیں گے اس کے حساب سے ادائیگی کی ایک مدت مقرر کرلیں مثلاً آپ کو اندازہ ہے کہ رمضان یا عید کے سیزن میں یہ مال فروخت ہونے میں تین مہینے لگیں گے تو آپ اپنی سہولت کو دیکھتے ہوئے تین کے بجائے بے شک چار ماہ مقرر کرلیں کہ میں چار مہینے میں اس کی ادائیگی کر دوں گا۔ ایسا کرنے سے ادھار سودے میں رقم کی ادائیگی میں کوئی ابہام باقی نہیں رہے گا۔

یہ ضروری ہے کہ ادھار مال بیچنے والا اور خریدنے والا معاوضہ کی ادائیگی کی مدت پر لازمی طور پر اتفاق کریں۔

اسی طرح دوسری صورت یہ کہ اگر مال فروخت نہ ہوا تو واپس کر دوں گا سودے میں ایسی شرط لگانا بھی درست نہیں۔ ہاں اگر خیارِ شرط کی صورت ہو تو اس میں تین دن تک واپسی کا اختیار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایسی شرط نہیں لگاسکتے کیونکہ خرید و فروخت سے ملکیت تبدیل ہو جاتی ہے جب آپ نے ایک چیز خریدلی اس پر قبضہ کرلیا تو وہ چیز آپ کے ضمان میں آگئی اب وہ ضائع ہو جائے تو آپ کی ضائع ہو گی، بیچنے والے کا اس سے اب کوئی تعلق نہیں وہ آپ سے اس کی رقم کا مطالبہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ مال سے اب وہ غیر متعلق ہو جاتا ہے۔ خیارِ شرط کے علاوہ کسی صورت میں اس کا مال واپس لینے سے انکار درست ہے۔

ہاں اگر دکاندار اپنی مرضی سے ایک آپشن دیتا ہے کہ میں نے بیچ دیا ہے میں اس سے لاتعلق ہوں ہاں اگر کبھی نہ بکے تو لے آیئے گا ہم دیکھ لیں گے واپس لے لیں گے۔ یوں اگر وہ دکاندار اپنی مرضی سے بغیر جبر بغیر زبردستی کے واپس لے لیتا ہے تو لے سکتا ہے اور وہ اسی قیمت پر واپس لے گا جس پر بیچی تھی۔ البتہ اگر وہ دوبارہ ان سے نئے سرے سے خریدتا ہے تو خریدنے میں بارگیننگ ہو سکتی ہے۔

یعنی سودا ختم ہوا ہے تو اسی قیمت پر ہو گا اور اگر نیا سودا ہوا ہے تو وہ نئی قیمت پر ہو سکتا ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اپنے اکاؤنٹ سے کسی کی پیمنٹ کرکے اس سے زائد رقم لینا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر اپنے اکاؤنٹ سے کسی کی پیمنٹ کریں اور اس سے اس پر اضافی رقم لیں تو کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: کرنسی کے لین دین میں بہت باریکیاں ہیں ایسے سودے میں بہت سی صورتوں میں سود پایا جاسکتا ہے۔

جیسے ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں لہٰذا تم ابھی میری طرف سے ادائیگی کر دو میں تمہیں دو دن بعد دے دوں گا اور جتنی رقم ادا کرنی ہے اس پر مزید اضافی رقم بھی دوں گا تو یہاں حقیقت میں ایک شخص نے دوسرے کو قرضہ دیا ہے اور قرضہ دینے والا قرضہ پر مشروط اضافی رقم لے رہا ہے لہٰذا یہ سود ہے۔

پوچھی گئی صورت میں اگر یہی صورت پائی جارہی ہے تو یہ واضح سود ہے۔ البتہ اگر مراد یہ ہے کہ جتنی رقم اس نے دی ہے اس پر کوئی اضافی رقم وہ نہیں لے رہا لیکن جو رقم ٹرانسفر کرنے کا خرچہ آرہا ہے وہ وصول کرے گا تو یہ سود کی صورت نہیں ہے جتنا خرچہ رقم ٹرانسفر کرنے پر آیا ہے وہ وصول کر سکتا ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اَحکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

ایک گھنٹہ لیٹ آنے پر ملازم کی آدھے دن کی تنخواہ کاٹنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ملازم اگر ایک گھنٹہ لیٹ آئے تو اس کی آدھے دن کی تنخواہ کاٹنا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جس کا جتنا قصور ہے اسے اتنی ہی سزا ملنی چاہیے اگر وہ ایک گھنٹہ لیٹ آیا ہے تو ایک گھنٹے کے جتنے پیسے بنتے ہیں اتنے ہی کاٹ سکتے ہیں آدھے دن کے پیسے نہیں کاٹ سکتے۔ اسی طرح بعض جگہوں پر تین دن لیٹ آنے پر پورے دن کے پیسے کاٹ لئے جاتے ہیں یہ بھی جائز نہیں بلکہ ظلم ہے۔ درست طریقہ یہ ہے کہ جتنی تاخیر سے آیا ہے اس کا حساب لگا کر اس کی تنخواہ کے مطابق اس تاخیر کے جتنے پیسے بنتے ہیں صرف وہی کاٹے جاسکتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ”اس روز جتنے گھنٹے کام میں تھا ان میں جس قدر کی کمی ہوئی صرف اتنی ہی تنخواہ وضع ہوگی، ربع ہو تو ربع، یا کم زیادہ جس قدر کی کمی ہوئی صرف اتنی تنخواہ وضع ہوگی، مثلاً چھ گھنٹے کام کرنا تھا اور ایک گھنٹہ نہ کیا تو اس دن کی تنخواہ کا چھٹا حصہ وضع ہوگا، زیادہ وضع کرنا ظلم ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ، 19/516)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

ڈریس کیٹلاگ میں تصویر شامل کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا کام لیڈیز بوتیک کا ہے اور اس میں سوٹ کے ساتھ تصویر لگائی جاتی ہے۔ کیا تصویر کے ساتھ سوٹ بیچنا جائز ہے؟ اگر اس کا چہرہ بلر کر دیا جائے تو کیسا ہے؟ نیز ہمارے گھر والے برانڈ کے سوٹ خریدتے ہیں وہ بھی تصویر کے ساتھ ہوتے ہیں ان کا خریدنا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: سوٹ کے ساتھ بے پردہ عورت کی تصویر لگانا ہرگز جائز نہیں یہ بے حیائی اور گناہ ہے کہ لڑکی کو بلا کر فوٹو شوٹ کروایا جاتا ہے اور پھر تصویر ہر سوٹ پر لگائی جاتی ہے یہ کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔

اس کے لئے جائز متبادل کے طور پر یہ طریقہ اپنایا جاسکتا ہے کہ دکانوں پر ڈمی پر سوٹ لگائے جاتے ہیں تو جس ڈمی کا چہرہ نہ ہو یا چہرہ مسخ کیا ہوا ہو اس پر سوٹ لگا کر تصویر لی جاسکتی ہے۔

صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرَّحمہ لکھتے ہیں: ”تصویر سر بریدہ یا جس کا چہرہ مٹا دیا ہو، مثلاً کاغذ یا کپڑے یا دیوار پر ہو تو اس پر روشنائی پھیر دی ہو یا اس کے سر یا چہرے کو کھرچ ڈالا یا دھو ڈالا ہو، کراہت نہیں۔“ (بہارِ شریعت، 1/628)

یہ طریقہ سستا بھی ہوگا کہ ایک ہی ڈمی پر مختلف سوٹ لگا کر تصاویر بنائی جاسکتی ہیں اس طرح بے حیائی کا بھی خاتمہ ہوگا۔

جہاں تک سوٹ خریدنے کی بات ہے تو وہ سوٹ خریدنا اور بیچنا بھی جائز ہے کہ یہاں تصویر ضمنی چیز ہے تصویر کی خرید و فروخت نہیں ہو رہی لیکن یہ تصویر ساتھ میں لگانا، جائز نہیں۔

(وقار الفتاویٰ، 1/218)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

مشترکہ پلاٹ میں پارٹنر سے اس کا حصہ خریدنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے اپنے دوست کے ساتھ مل کر 50 فیصد پارٹنر شپ میں ایک کروڑ کا پلاٹ خریدا، اب اس کی مالیت ڈیڑھ کروڑ ہے۔ میرا پارٹنر

*محقق اہلِ سنّت، دار الافتاء اہلِ سنّت نور العرفان، کھارادر کراچی

چاہتا ہے کہ اسے بیچ دیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ نہ بیچوں تو کیا میں اس سے اس کا حصہ خرید سکتا ہوں؟ اس کی کیا صورت ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جی ہاں! پوچھی گئی صورت میں آپ اپنے پارٹنر سے اس کا حصہ خرید سکتے ہیں لیکن موجودہ مالیت کے حساب سے ہی خریدیں گے یہ نہیں ہو سکتا کہ جتنے کا اس نے خریدا تھا اور حصہ ملایا تھا اتنی رقم اس کو دے کر فارغ کر دیں بلکہ جو موجودہ مالیت ہے یا جس قیمت پر آپ دونوں کا اتفاق ہو جائے اس قیمت پر خریدیں گے۔ بیچنے والا یہ تقاضہ کر سکتا ہے کہ موجودہ مالیت کے حساب سے اپنا حصہ بیچوں گا اور موجودہ مالیت اگر ڈیڑھ کروڑ ہے تو اس حساب سے وہ پچھتر لاکھ روپے اسے دے کر اس کا حصہ خریدا جا سکتا ہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

مرحوم کی لائف انشورنس میں جمع رقم کا حقدار کون ہوگا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم نے کچھ لائف انشورنس شادی سے پہلے کروائی اور کچھ شادی کے بعد۔ شادی سے پہلے جو انشورنس کروائی اس میں مرحوم نے انشورنس فارم میں اپنی والدہ کو نامزد کیا جبکہ شادی کے بعد والی انشورنس کے فارم میں اپنی زوجہ کو نامزد کیا۔ اس انشورنس فارم کی عبارت درج ذیل ہے: **"یہ فارم ایسا شخص پُر کر سکتا ہے جو متعلقہ بیمہ پالیسی کے تحت فوتگی کلیم کا دعویٰ دار ہو یعنی نامزد کردہ، سرپرست، ٹرسٹی، مفوض الیہ یا وارث جیسی بھی صورت ہو۔"** یہ ارشاد فرمائیں کہ اس انشورنس میں جمع کروائی گئی رقم پر کس کا حق ہے؟ کیا صرف والدہ اور زوجہ کا حق ہوگا یا تمام ورثاء اس رقم کے حقدار ہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اولاً تو یہ یاد رہے کہ بیمہ کمپنی کو دی جانے والی رقم قرض کے حکم میں ہوتی ہے اور قرض پر حاصل ہونے والا مشروط نفع سود ہوتا ہے۔

حدیثِ مبارک میں ہے: "كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا" ترجمہ: قرض کے ذریعہ سے جو منفعت حاصل کی جائے وہ سود ہے۔ (کنز العمال، جزء6، 3/99، حدیث:15512) اور سود سے بچنا ہر مسلمان پر شرعاً لازم و ضروری ہے۔ لہٰذا پوچھی گئی صورت میں مرحوم نے اس بیمہ پالیسی میں جتنی بھی رقم جمع کروائی تھی وہ اصل رقم مرحوم کے تمام ورثاء میں ان کے حصوں کے مطابق تقسیم ہوگی، لیکن اس پر ملنے والی اضافی سودی رقم کے بارے میں حکمِ شرع یہ ہے کہ ورثاء اس رقم کو بغیر ثواب کی نیت کے کسی بھی شرعی فقیر پر صدقہ کر دیں۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت علیہ الرَّحمہ لکھتے ہیں: "جو مال رشوت یا تغنی یا چوری سے حاصل کیا اس پر فرض ہے کہ جس جس سے لیا ان پر واپس کر دے، وہ نہ رہے ہوں ان کے وُرثہ کو دے، پتا نہ چلے تو فقیروں پر تصدُّق کرے۔ خرید و فروخت کسی کام میں اس مال کا لگانا حرامِ قطعی ہے بغیر صورتِ مذکورہ کے کوئی طریقہ اس کے وَبال سے سُبکدَوشی کا نہیں یہی حکم سُود وغیرہ عُقُودِ فاسِدہ کا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں جس سے لیا بالخصوص انہیں واپس کرنا فرض نہیں بلکہ اسے اختیار ہے کہ اسے واپس دے خواہ ابتداءً تصدُّق کر دے۔" (فتاویٰ رضویہ، 23/551)

رہی یہ بات کہ پوچھی گئی صورت میں انشورنس میں جمع کروائی گئی رقم پر کس کا حق ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیمہ پالیسی میں جمع کروائی گئی اصل رقم میں تمام ورثاء کا حق شامل ہے لہٰذا وہ رقم شرعی اصولوں کے مطابق تمام ہی ورثاء میں تقسیم ہوگی، کیونکہ بغیر تملیک کے محض نامزدگی کوئی چیز نہیں اور اس سے نامزد کردہ شخص اس چیز کا مالک نہیں بن جاتا۔

فتاویٰ شامی میں ہے: "ان ملك الانسان لا ينقل إلى الغير بدون تمليكه" یعنی کسی انسان کی مملوکہ شے بغیر تملیک کے کسی دوسرے شخص کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتی۔ (ردالمحتار، 8/569، فتاویٰ رضویہ، 19/393) نیز ایسے مواقع پر نامزد کروانے کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ پالیسی ہولڈر کا انتقال ہو جانے کی صورت میں نامزد کردہ شخص کو کلیم کا حق حاصل ہے کہ وہ کلیم کر کے کمپنی سے رقم وصول کرے اور اصل حقداروں تک وہ رقم پہنچا دے، ایسا نہیں ہوتا کہ وہ نامزد کردہ شخص اس رقم کا مالک کہلائے اور اصل پالیسی ہولڈر کا اس سے کوئی تعلق ہی نہ رہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اَحکامِ تجارت

نفع کی شرح طے کئے بغیر انویسٹمنٹ کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے کسی کو دو لاکھ روپے دیئے ہوئے ہیں وہ مجھے کبھی چالیس ہزار روپے اور کبھی پچاس ہزار روپے نفع دیتا ہے کیا یہ سود ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اگر اس ڈیل کی حقیقت یہ ہو کہ جو دو لاکھ روپے آپ نے دیئے ہیں وہ اس پر بطورِ قرض برقرار رہیں گے اور اس پر یہ نفع آپ کو ملتا رہے گا اور جب رقم لینا ہو تو مکمل رقم واپس مل جائے گی تو یہ سود کی صورت بنے گی۔ اگرچہ یہ رقم انویسٹمنٹ کے نام پر دی جائے، اگرچہ فکس نفع سے بچنے کے لئے ماہانہ نفع کبھی کبھی کم زیادہ کرلیا جائے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”العبرة فی العقود للمعانی لا للألفاظ“ ترجمہ: عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے الفاظ کا نہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری، 5/2)

کاروبار کیلئے انویسٹمنٹ ہو تو شراکت کے بنیادی اصولوں کے تحت رقم لے کر لگائی جاتی ہے، فریقین اپنے اپنے راس المال (Capital) کا تعین کرتے ہیں، کام شروع ہونے پر حساب کتاب رکھتے ہیں، نفع و نقصان کے تحت شراکت چلتی ہے، نقصان ہو تو شریک نقصان میں حصہ دار ہوتا ہے، مزید بھی کئی شرائط ہیں جو پوری کی جاتی ہیں لیکن جب ان چیزوں سے غرض

مفتی ابو محمد علی اصغر عطّاری مَدَنی*

نہیں ہے تو ہم یہی کہیں گے کہ یہ شراکت اور کاروباری معاہدہ نہیں بلکہ قرض لے کر نفع دینے کا معاہدہ ہے اور ناجائز ہے۔

فتح القدیر میں ہے: ”فعساہ لا یخرج الا قدر المسمی فیکون اشتراط جمیع الربح لاحدھما علی ذلك التقدیر اشتراطه لاحدھما یخرج العقد من الشركة الی قرض او بضاعة“ ترجمہ: ہو سکتا ہے کہ جتنا نفع ایک کے لئے مقرر کیا ہے ٹوٹل نفع اتنا ہی ہو، اس صورت میں یہ سارا نفع ایک شریک کے لئے مقرر کرنا ہوگا اور یہ عقد شرکت سے نکل کر قرض یا بضاعت میں چلا جائے گا۔ (فتح القدیر، 5/402)

پوچھی گئی صورت میں جائز طریقے سے معاہدہ کرنے کے بہت سے طریقے ہیں ان میں سے ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ جس چیز کی دکان ہے اس میں اس سے کہیں کہ ایک آئٹم میں ہم کام کرتے ہیں میرا پیسہ اور آپ کی محنت ہوگی اور نفع ہوا تو ہر ایک اتنے اتنے فیصد نفع کا مالک ہوگا، فریقین باہمی رضامندی سے نفع میں جو چاہیں فیصد اپنے لئے مقرر کرلیں کوئی قید نہیں۔

ایک کی محنت اور دوسرے کے پیسے پر ہونے والا کام مُضاربت کہلاتا ہے جس کے پیسے ہیں اس کو رب المال اور جس نے صرف کام کرنا ہے اسے مضارب کہتے ہیں۔ لہٰذا جب یہ عقد مضاربت کا ہو تو یہاں مضاربت کے اصول فالو کرنا ہوں گے۔ ایک آئٹم میں کیسے کام ہو سکتا ہے اس کی مثال یوں بنے گی کہ مثلاً اس کی کریانہ کی دکان ہے آپ اس کو رقم دے دیں اور کہیں کہ اس

* محقق اہل سنّت، دار الافتاء اہل سنّت نور العرفان، کھارادر کراچی

رقم سے آٹے کا کام کرو اس کا الگ سے حساب کتاب رکھو کہ اتنا آٹا آیا، اتنے کا فروخت ہوا، اتنے اخراجات ہوئے اور اتنا نفع ہوا وغیر ذٰلک۔

واضح رہے کہ اگر اس میں نقصان ہوتا ہے تو وہ نقصان اولاً تو نفع سے پورا ہوگا اور اگر نفع سے بھی پورا نہ ہو تو پھر وہ نقصان آپ (رب المال) کو برداشت کرنا ہوگا۔

صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: "مالِ مضاربت سے جو کچھ ہلاک اور ضائع ہوگا وہ نفع کی طرف شمار ہوگا، راس المال میں نقصانات کو نہیں شمار کیا جاسکتا۔ مثلاً سو روپے تھے تجارت میں بیس روپے کا نفع ہوا اور دس روپے ضائع ہوگئے تو یہ نفع میں منہا کئے جائیں گے یعنی اب دس ہی روپے نفع کے باقی ہیں، اگر نقصان اتنا ہوا کہ نفع اس کو پورا نہیں کر سکتا مثلاً بیس روپے نفع کے ہیں اور پچاس کا نقصان ہوا تو نقصان راس المال میں ہوگا۔ مضارب سے کل یا نصف نہیں لے سکتا کیونکہ وہ امین ہے اور امین پر ضمان نہیں اگرچہ وہ نقصان مضارب کے ہی فعل سے ہوا ہو۔ ہاں اگر جان بوجھ کر قصداً اس نے نقصان پہنچایا مثلاً شیشہ کی چیز قصداً پٹک دی اس صورت میں تاوان دینا ہوگا کہ اس کی اسے اجازت نہ تھی۔" (بہارِ شریعت،3/19)

اسی طرح اگر ایک سے زیادہ آئٹمز میں یا پورے کام میں شراکت یا مضاربت کرنا چاہیں تو اس کا بھی طریقہ کار موجود ہے۔ لیکن اس کیلئے تمام تر شرعی تقاضے پورے کرتے ہوئے معاہدہ کرنا ضروری ہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

غیر مسلم سے لاٹری خریدنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک خالص غیر مسلم کا بینک ہے جس میں کسی مسلمان کا حصہ نہیں ہے۔ اس بینک کی طرف سے ایک لاٹری ٹکٹ ہے، جو کاغذ کی صورت میں ہوتا ہے اس ٹکٹ پر ایک سیریل نمبر لکھا ہوتا ہے اور ایک مخصوص عرصے کے بعد کمپیوٹرائزڈ قرعہ اندازی ہوتی ہے، جس کا سیریل نمبر نکل آیا اس کو بہت بڑی انعامی رقم ملتی ہے اور جن افراد کا سیریل نمبر نہیں نکلا، ان کے پیسے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس بینک سے کسی مسلمان کا لاٹری خریدنا، کیسا ہے؟ نیز اگر لاٹری خرید لی، تو اس رقم کے متعلق حکم شرعی کیا ہے؟ حلال ہے یا حرام؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: مذکورہ لاٹری خالص جوا ہے اور شرعی قوانین کے اعتبار سے جوا، ناجائز و حرام ہے۔ جس مسلمان نے اس میں حصہ لیا اس پر توبہ واجب ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ غیر مسلم کے ساتھ مسلمان کا اس طرح جوا کھیلنا، جس میں مسلمان کی رقم ضائع ہونے کا امکان ہے یا مسلمان کی رقم میں نقصان واقع ہوگا، جائز نہیں ہے، البتہ غیر مسلم کی طرف سے لاٹری میں جو رقم ملتی ہے وہ بغیر کسی دھوکے و فراڈ کے ہوتی ہے اور وہ اپنی رضامندی کے ساتھ دے رہا ہوتا ہے، لہٰذا وہ رقم حلال ہوگی، البتہ ایسی رقم کو بغیر جوئے کی رقم سمجھتے ہوئے استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ لہٰذا بیان کردہ صورت میں خالص غیر مسلم بینک سے لاٹری خریدنا، جائز نہیں ہے اور خریدنے والے پر توبہ و استغفار لازم و ضروری ہوگا اور آئندہ اس طرح کی لاٹری خریدنے سے بچے، لیکن اس لاٹری سے ملنے والی رقم میں چونکہ دھوکا اور فراڈ شامل نہیں ہے اور اس میں غیر مسلم بینک اپنی رضامندی سے اضافی رقم دے رہا ہوتا ہے، لہٰذا یہ رقم حلال ہوگی۔

خالص کفار سے لاٹری خریدنے کے متعلق اور لاٹری سے حاصل شدہ مال کے متعلق فتاویٰ فیض الرسول میں ہے: "لاٹری ایک قسم کا جوا ہے اور جوا، حرام ہے۔ جو شخص لاٹری کا ٹکٹ خریدے اس پر توبہ و استغفار لازم ہے، لیکن اگر کسی کو اس طرح کا روپیہ مل گیا ہو، تو حلال ہے" (فتاویٰ فیض الرسول،2/399)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مَدَنی*

اُجرت طے کئے بغیر کپڑے سینے کی دو صورتیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں اجرت پر کپڑے سینے کا کام کرتا ہوں۔ میرا ایک عزیز کپڑے سلوانے کے لیے آیا تو میری نیت یہ تھی کہ اس سے پیسے نہیں لوں گا اور اس نے بھی پیسوں کا کوئی ذکر نہیں کیا لیکن جب وہ کپڑے لینے آیا تو اس نے سلائی دی تو کیا یہ پیسے لینا درست ہے کیونکہ شروع میں اجرت طے نہیں ہوئی تھی؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: عام طور پر درزیوں کے سلائی کے ریٹ مشہور ہوتے ہیں اور فریقین سلائی کے ریٹ سے واقف ہوتے ہیں ایسی صورت میں عقد کرتے وقت اجرت طے نہ کی ہو تو بھی عقد درست ہو گا اور وہی اجرت ہو گی جو مشہور ہے اور فریقین کو معلوم ہے لہٰذا اگر یہ صورت ہے تو آپ متعین اجرت لے سکتے ہیں۔ ہاں اگر سلائی کے ریٹ مختلف ہیں اور پہلے سے معروف و مشہور نہیں ہیں جیسا کہ آج کل مختلف ڈیزائن پر مشتمل سلائی کی جاتی ہے تو اس کے ریٹ پہلے سے متعین نہیں ہوتے بلکہ فریقین آپس میں طے کرتے ہیں تو اس صورت میں عقد کرتے وقت اگر سلائی کے ریٹ طے نہیں کیے تھے تو یہ عقد درست نہ تھا اسے ختم کرنا اور نئے سرے سے درست عقد کرنا ضروری تھا آپ نے یہ عقد ختم نہ کیا بلکہ اسی عقد کو باقی رکھتے ہوئے کپڑے سی دیئے جس کی وجہ سے آپ دونوں گناہگار ہوئے اس سے آپ دونوں پر توبہ لازم ہے۔ البتہ جو کام آپ نے کیا اس پر آپ اجرتِ مثل کے مستحق تھے لہٰذا اگر آپ اتنی ہی اجرت لے رہے ہیں تو یہ آپ کے لیے حلال ہے لیکن اجرت مثل سے زیادہ لینے کا آپ کو حق نہیں۔ اجرت مثل کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کا کام کرنے والے کو

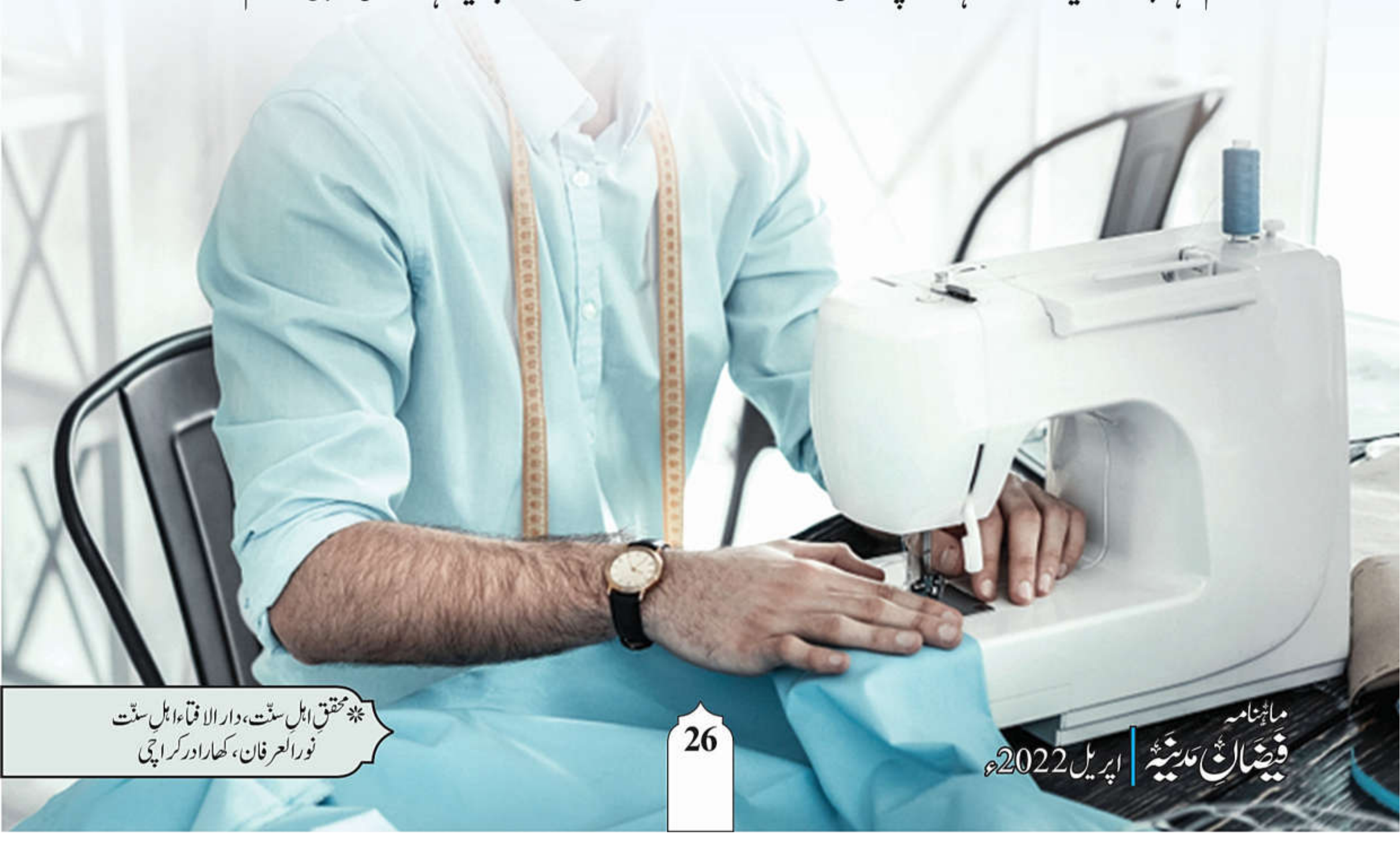

* محققِ اہلِ سنّت، دار الافتاء اہلِ سنّت
نور العرفان، کھارادر کراچی

عام طور پر جو اجرت دی جاتی ہے اتنی اجرت لے سکتے ہیں۔

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت شاہ امام احمد رضا خان رحمۃُ اللہِ علیہ لکھتے ہیں: اجارہ جو امرِ جائز پر ہو وہ بھی اگر بے تعینِ اجرت ہو تو بوجہِ جہالت اجارہ فاسدہ اور عقد حرام ہے۔(فتاوی رضویہ، 529/19) اور لکھتے ہیں: اجارہ فاسدہ میں بھی بعد استیفائے منفعت اجرت، کہ یہاں وہی اجر مثل ہے واجب ہوتی ہے۔

(فتاوی رضویہ،19/ 535)

سیمپل والی ادویات کی خرید و فروخت کرنا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ڈاکٹر کو جو ادویات سیمپل کے طور پر دی جاتی ہیں اگر وہ میڈیکل اسٹور والے کو بیچ دے تو اس میڈیکل اسٹور سے وہ ادویات خریدنا کیسا ہے جبکہ بعض اوقات ان پر Not For Sale بھی لکھا ہوتا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: ہبہ (Gift) ایک عقدِ تبرع ہے اور جس کو ہبہ کیا جائے وہ اس چیز کا مالک بن جاتا ہے۔ پوچھی گئی صورت میں اگر ڈاکٹر کو یہ ادویات کمپنی نے ہبہ کر دی ہیں تو وہ ڈاکٹر کی ملکیت ہیں اب چاہے ڈاکٹر وہ ادویات خود استعمال کرے یا مریضوں کو دے یا آگے فروخت کرے، وہ خود مختار ہے۔

جہاں تک اس پر Not For Sale لکھا ہونے کا سوال ہے تو جب کمپنی نے ڈاکٹر کو مالک بنا دیا اور وہ اپنی چیز خود بیچ رہا ہے تو اس پر Not For Sale لکھا ہونے سے اس کا بیچنا، ناجائز نہیں ہو جائے گا۔

البتہ بعض چیزوں کے کچھ اخلاقی پہلو بھی ہوتے ہیں اور اخلاقی پیمانے کا تعلق معاشرے کے عرف و رواج سے ہے لہٰذا اگر یوں بیچنے کو لوگ برا سمجھتے ہیں تو انگشت نمائی سے بچنا بہتر ہے۔

یہ پورا جواب اس پس منظر میں ہے کہ ڈاکٹر کو کمپنی کی طرف سے دوا ہبہ (Gift) کے طور پر دی جاتی ہو لیکن اگر ڈاکٹر کا کام صرف تقسیم کرنا ہو کمپنی اس کو مالک نہیں بناتی تو پھر ڈاکٹر کا اس کو بیچنا جائز نہیں ہو گا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کاروبار میں جھوٹی یا سچی قسم کھانا کیسا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کاروبار میں جھوٹی یا سچی قسم کھانا کیسا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جھوٹی قسم کھانا حرام و گناہ ہے چاہے کاروبار میں کھائی جائے یا کاروبار کے علاوہ۔ البتہ اس پر کوئی کفارہ لازم نہیں۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان رحمۃُ اللہِ علیہ لکھتے ہیں: جھوٹی قسم گزشتہ بات پر دانستہ، اس کا کوئی کفارہ نہیں، اس کی سزا یہ ہے کہ جہنم کے کھولتے دریا میں غوطے دیا جائے گا۔(فتاویٰ رضویہ،13/ 611)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی رحمۃُ اللہِ علیہ لکھتے ہیں: جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائی یعنی مثلاً جس کے آنے کی نسبت جھوٹی قسم کھائی تھی یہ خود بھی جانتا ہے کہ نہیں آیا ہے تو ایسی قسم کو غموس کہتے ہیں۔ غموس میں سخت گنہگار ہوا استغفار و توبہ فرض ہے مگر کفارہ لازم نہیں۔(بہارِ شریعت،2/ 299)

سچی قسم کھانا گناہ نہیں لیکن بات بات پر قسم کھانا پسندیدہ عمل نہیں بلکہ کاروبار میں زیادہ قسمیں کھانے سے حدیث پاک میں منع کیا گیا ہے کہ اس سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے:عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم، يَقُولُ: إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلِفِ فِي الْبَيْعِ، فَإِنَّهُ يُنَفِّقُ ثُمَّ يَمْحَقُ ترجمہ: حضرت سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بیع میں قسم کی کثرت سے پرہیز کرو کیونکہ یہ چیز کو بکوا دیتی ہے لیکن برکت کو مٹا دیتی ہے۔

(مسلم، ص668، حدیث:4126)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

احکامِ تجارت

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی*

پنشن کا کیا حکم ہے اور یہ کس کی ملکیت ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ پنشن کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس کا لینا جائز ہے یا ناجائز؟ نیز ملازم کے انتقال کے بعد بیوہ کو ملنے والی پنشن کا مالک کون ہو گا؟ کیا یہ وُرَثاء میں تقسیم ہو گی یا بیوہ کی ملکیت ہو گی؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: ملازم کی ریٹائرمنٹ کے بعد حکومت کی طرف سے ملازم کو جو پنشن دی جاتی ہے وہ حکومت کی طرف سے ملازم کو ملنے والا ایک انعام اور تحفہ ہوتا ہے، اس کا لینا بالکل جائز ہے اور اس کا مالک ملازم ہی ہو گا۔

ملازم کے انتقال کے بعد جس کے لئے دی جائے گی وہی اس کا مالک کہلائے گا۔ شوہر کی پنشن اگر اس کے انتقال کے بعد بیوی کو دی جاتی ہے تو وہی تنہا اس کی مالک کہلائے گی لہٰذا اس صورت میں بیوہ کو ملنے والی پنشن کی رقم ورثاء میں تقسیم نہیں ہو گی بلکہ یہ بیوہ کی ملکیت ہو گی۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

جی پی فنڈ کا شرعی حکم اور اس پر زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ جی پی فنڈ کی رقم کا کیا حکم ہے کیا یہ ہماری ملکیت ہے؟ نیز اس کا لینا جائز ہے اور اس کی زکوٰۃ کس پر لازم ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: جی پی فنڈ میں ملازم کی تنخواہ سے ایک مقررہ رقم ہر ماہ کاٹی جاتی ہے اور اس رقم کے برابر رقم ادارہ اپنی طرف سے ملاتے ہوئے دونوں طرح کی رقم بینک میں رکھوا دیتا ہے اور اس پر حاصل ہونے والا نفع بھی ملازم کو دیا جاتا ہے، اس تفصیل کے بعد اس کا حکم یہ ہے کہ جو اصل رقم ملازم کی تنخواہ سے کاٹی جاتی ہے اور اس کٹوتی والی رقم کے برابر جو رقم ادارے کی طرف سے ملائی جاتی ہے یہ دونوں طرح کی رقم ملازم کی ہی ملکیت ہے اور اس کے لئے حلال ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ کوئی اجنبی رقم ہے ہاں ایک سسٹم کے تحت اسے الگ کر کے رکھا گیا ہے لیکن بہر حال وہ رقم ملازم ہی کی ملکیت ہے اسی کے کھاتے میں اسے شمار کیا جا رہا ہوتا ہے، سود لینا ہے یا نہیں لینا اس کا فارم وغیرہ ملازم کو بھرنا ہوتا ہے، لہٰذا اس رقم پر شرائطِ زکوٰۃ پائے جانے کی صورت میں زکوٰۃ بھی لازم ہو گی اور باقی معاملات میں بھی اس حیثیت یعنی مالک ہونے کو سامنے رکھنا پڑے گا۔ ہاں زکوٰۃ میں یہ رخصت ہے کہ جب تک وہ رقم مکمل یا کم از کم نصاب کے پانچویں حصے کے برابر وصول نہ ہو جائے اس

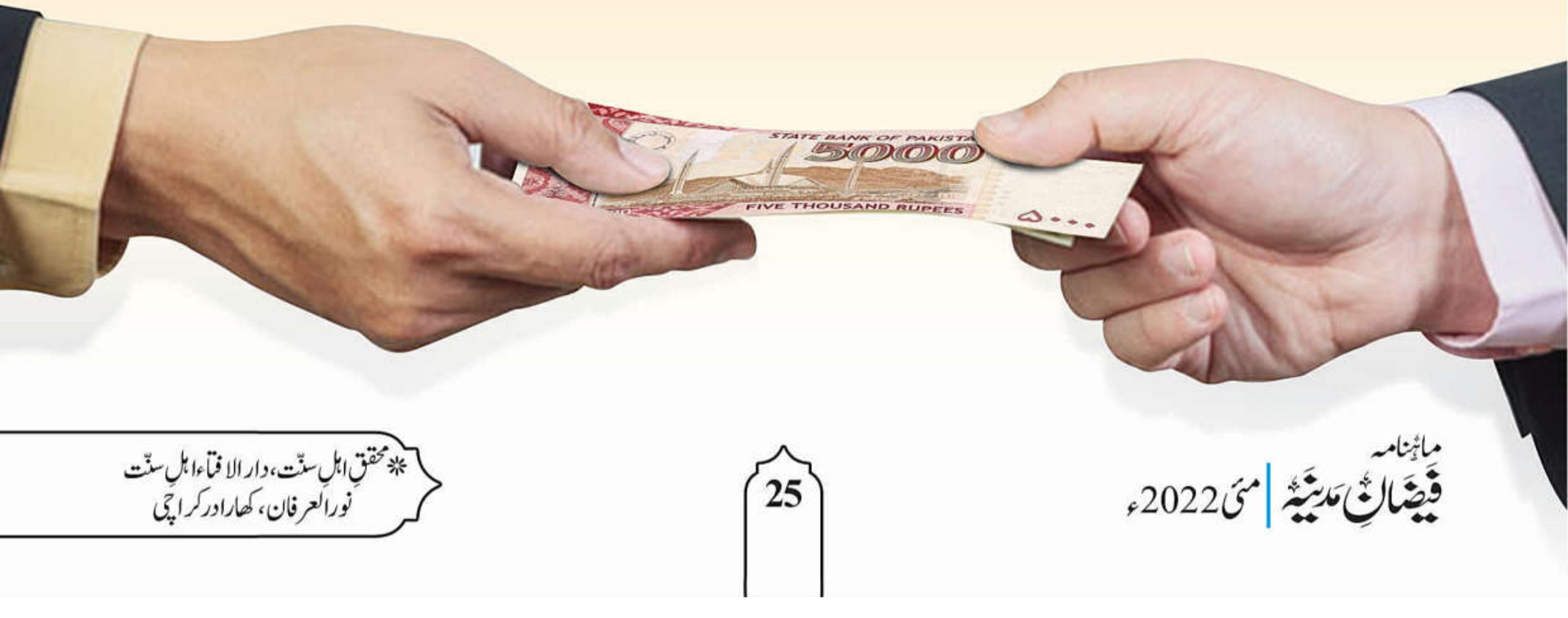

* محققِ اہلِ سنّت، دار الافتاء اہلِ سنّت
نورالعرفان، کھارادر کراچی

وقت تک اس کی ادائیگی واجب نہیں ہوگی لیکن جب وصول ہوگی تو گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی اس لئے بہتر ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا ہے جس پر دیگر اموال کی زکوٰۃ نکالنا فرض ہے تو وہ ہر سال اس رقم کی بھی زکوٰۃ نکالتا رہے جو جی پی فنڈ میں جمع ہوتی رہی ہے تاکہ بعد میں ایک ساتھ نکالنے کی دشواری نہ ہو۔

لیکن جو سودی اضافہ ہے اس پر زکوٰۃ نہیں کہ زکوٰۃ پاک مال پر ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ ادارے کی طرف سے یہ رقم بینک وغیرہ میں رکھوا کر اس پر جو نفع دیا جاتا ہے وہ نفع سود ہے کیونکہ بینک میں اس رقم کو رکھوانا قرض ہے اور قرض پر ملنے والا نفع سود ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سود کی رقم کا حکم یہ ہے کہ ملازم کو جب کُل رقم ملے تو سودی رقم بِلا نیتِ ثواب شرعی فقیر کو دے دی جائے۔ اور اگر کمپنی یا ادارہ یہ آپشن دیتا ہے کہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ میری رقم پر سود کا اضافہ نہ کیا جائے تو ایسا کرنا ضروری ہوگا۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

لانڈری والے سے کپڑے جَل جائیں یا پھٹ جائیں تو؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ لانڈری والے سے کپڑے خراب ہو جائیں پھٹ جائیں یا جل جائیں تو اس کا تاوان کس پر ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اعلیٰ حضرت علیہ الرَّحمہ نے فتاویٰ رضویہ شریف میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے "المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر" جب منی آرڈر ایجاد ہوا تو اس کے ضمن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ جائز ہے یا نہیں تو امامِ اہلسنت علیہ الرَّحمہ نے اسے دیگر لوگوں کی طرح سود کی دکان قرار نہیں دیا بلکہ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک سروس پرووائڈر ادارہ ہے جو پیسے بھیجتا ہے۔ پھر سوال کھڑا ہوا کہ پیسے تو اس کے پاس امانت ہوتے ہیں اور امانت ضائع ہو جائے تو اس پر تاوان نہیں ہوتا لیکن منی آرڈر میں تو ایسا نہیں ہوتا بلکہ رقم ضائع ہونے پر وہ ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے اس اشکال کے جواب میں امام اہلسنت نے علم و فن کے وہ جوہر دکھائے ہیں کہ جدید دور کے درپیش مسائل میں ایسے عمدہ کام کی مثال نہیں ملتی۔ آپ نے ثابت کیا کہ فقہِ حنفی میں رہتے ہوئے اس طریقے سے رخصت دی جاسکتی ہے۔

آپ نے وہاں تفصیل بیان کی ہے کہ اگر اجیرِ مشترک اور آجِر کے درمیان یہ طے ہو جاتا ہے کہ نقصان پر ضمان دینا ہوگا تو ٹھیک ہے پھر تاوان لیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی اگر دونوں کے درمیان پہلے سے طے ہو تو پھر نقصان کا تاوان اجیر پر لازم ہوگا اور دھوبی کو تاوان دینا ہوگا۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرَّحمٰن فرماتے ہیں: "اگر پہلے سے شرط ہو جائے جب تو بالاجماع اس پر ضمان لازم۔ جامع الفتاوٰی والنوازل واشباہ والنظائر وغیرہا میں اسی پر جزم فرمایا۔ (فتاویٰ رضویہ، 19/571)

مزید ایک مقام پر فرماتے ہیں: "ڈاک خانہ اجیرِ مشترک کی دکان ہے اور اس کی وضع ہی اجیر بننے کے لئے جو فیس دی جاتی ہے یقیناً اجرت ہے اور اقرار ذمہ داری اور ان اقوالِ مفتیٰ بہا کی بنا پر حکمِ شرعی وصحیح ومقبول ہی لزومِ ضمان کے لئے کافی ووافی۔"

(فتاویٰ رضویہ، 19/575)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کرپٹو کرنسی کے لین دین کا شرعی حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کرپٹو کرنسی کے لین دین کا شرعی حکم کیا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: دارالافتاء اہلسنّت کی مجلس تحقیقاتِ شرعیہ میں متفقہ طور پر یہ طے ہو چکا ہے کہ کرپٹو کرنسی کا لین دین ناجائز ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دھوکے اور غرر کا عنصر واضح ہے۔ ہمیں ڈیجیٹل سروسز کی اہمیت سے انکار نہیں بلکہ بہت سی ڈیجیٹل سروسز ہیں جنہیں ہم روزمرّہ کی بنیاد پر استعمال کرتے ہیں جیسے ویب سائٹ کے لئے سَرور لیا جاتا ہے اور اس کی فیس دی جاتی ہے، ای میل ڈومین کی فیس دی جاتی ہے، ان ڈیجیٹل سروسز کی اپنی ایک اہمیت ہے، ان کا رواج اور عرف ہے اور ان میں کوئی غرر کا پہلو نہیں ہے لیکن کرپٹو کرنسی میں غرر اور دھوکے کا پہلو واضح ہے۔ لہٰذا اس کی خرید و فروخت ناجائز ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس سے دور رہیں۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم